علمی وتحقیقی مجلہ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ سورة يوسف (108)

البصیرة

ششماہی

جلد ۲ شمارہ ۴ دسمبر ۲۰۱۳ء

NATIONAL UNIVERSITY OF MODERN LANGUAGES

شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

بسم الله الرحمن الرحيم

علمی وتحقیقی مجلہ

البصیرۃ

ششماہی

ISSN: 2222-4548

جلد:۲ شمارہ:۴

دسمبر ۲۰۱۳ء

سرپرست اعلیٰ:

میجر جنرل (ر) مسعود حسن

ریکٹر، نمل

سرپرست:

بریگیڈیر اعظم جمال

ڈائریکٹر جنرل، نمل

مدیر:

ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری

شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، پاکستان

ناشر: شعبہ علوم اسلامیہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

طباعت: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

جلد: ۲ **شمارہ: ۴**

دسمبر ۲۰۱۳ء

تعداد: ۳۰۰

قیمت: اندرون ملک: =/ ۳۰۰ روپے بیرون ملک: =/ ۱۰ ڈالر

معاونین:

- **ڈاکٹر نور حیات**
- **ارم سلطانہ**

خط و کتابت کے لئے ...

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

مدیر، مجلہ البصیرۃ

شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

Ph: OO92 051-925764650 EXT (251)

E-mail: agbukhari@numl.edu.pk

Web-site: www.numl.edu.pk

فہرست موضوعات

- ادارتی پالیسی v
- مقالہ کی اشاعت کیلئے قواعد وضوابط vi
- مجلسِ ادارت (قومی وبین الاقوامی) viii
- مجلسِ مشاورت ix
- شرکاءمقالہ نگار x
- اداریہ xi

اردو مضامین

- سرکاری مناصب وذرائع کا ذمہ دارانہ استعمال 1

  ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری
- زیب وزینت میں لباس کی شرعی حیثیت 33

  سبین اکبر
- دورِ جدید میں میڈیا کی ضرورت واہمیت اور حقیقت احوال 51

  ڈاکٹر نور حیات خان
- اسلامی معیشت اور امداد باہمی کا تصور 85

  عافیہ مہدی
- عورتوں کے حقوق اسلامی تعلیمات کی روشنی میں 103

  ڈاکٹر حافظ محمد بادشاہ

عربی مضامین

المفتي: شروطه وآدابه 123

د. الضيف نطور

قواعد التفسير نشأتها وتطورها 147

د. سميع الحق / نصر من الله

روايات الضعفاء الموثقين في شيخ معين في الصحيحين والمجتبى 167

د. فتح الرحمن القرشي

زواج المسيار: حقيقته وحكمه 201

د. محمد الياس

انگریزی مضامین

A true vision of Human Rights in Islam 1

Dr. Atique Tahir / Attaullah Mahmood Wattoo

Defending Prophet's Integrity 21

Dr. Uzma Begum

البصیرۃ: ادارتی پالیسی

البصیرۃ خالصۃً اسلامی علوم وفنون سے وابستہ تحقیقی مجلہ ہے۔ جو علمی و تحقیقی دنیا کے لئے نمایاں نوعیت کا حامل ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مقالات کے متعلق ادارتی پالیسی حسب ذیل ہے:

- البصیرۃ میں شائع ہونے والے مقالات کے موضوعات علوم القرآن، علوم الحدیث، علم فقہ واصول فقہ، تقابل ادیان، علم کلام وتصوف، فلسفہ، سائنس، ادب، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، ثقافت وتمدن اور اسی طرح مسلم شخصیات اور اسلامی موضوعات پر لکھی جانے والی کتب (تبصرہ وتعارف) وغیرہ سے متعلق ہونے چاہیئں۔
- البصیرۃ ایک ششماہی رسالہ ہے یعنی سال میں دو مرتبہ (جون اور دسمبر میں) شائع ہو گا۔
- البصیرۃ میں اشاعت کی غرض سے بھیجے گئے مقالات کا تجزیہ دو منظور شدہ ماہرین سے کروایا جائے گا۔ جس میں ایک تبصرہ نگار ملکی اور دوسرا غیر ملکی ہو گا۔ ڈی، جی نمل کی منظوری سے مقالہ تجزیہ کے لئے بھیجا جائے گا۔
- البصیرۃ کی اشاعت کے سلسلہ میں ہائیر ایجوکیشن کمیشن (HEC) کے جملہ قوانین وضوابط لاگو ہوں گے۔
- البصیرۃ میں مقالہ کی اشاعت کے حوالے سے ادارتی بورڈ کا فیصلہ حتمی ہو گا۔
- البصیرۃ کی ادارتی مجلس کو ارسال کیے گئے مقالات میں ضروری ترامیم، تنسیخ و تلخیص کا حق حاصل ہو گا۔ مدیر مقالہ نگاروں کو تجزیہ کاروں کی رائے، نیز مقالہ میں مطلوب کسی تبدیلی سے متعلق آگاہ کرے گا۔
- البصیرۃ ادارہ کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں، مقالہ میں دی گئی رائے کی ذمہ داری مجلس ادارت یا نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد پر نہیں، بلکہ مقالہ نگار پر ہو گی۔
- البصیرۃ کو موصول مقالات (شائع ہونے یا نہ ہونے) کسی صورت میں واپس نہیں کئے جائیں گے۔
- البصیرۃ کی دو عدد کاپیاں شرکاء مقالہ نگاروں کو فراہم کی جائیں گی۔

البصیرۃ میں مقالہ کیلئے قواعد و ضوابط

عمومی قواعد:

۱۔ مقالہ A4 صفحے کے ایک طرف کمپوز اور اس کی طوالت ۲۵ صفحات سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔

۲۔ کمپوزنگ کے سلسلے میں درج ذیل فانٹس کا خیال رکھا جائے:

(i) فصل یا مبحث کے لئے فانٹ سائز:۱۸

(ii) ذیلی فصول کے لئے فانٹ سائز:۱۶

(iii) مقالے کے متن کے لئے فانٹ سائز:۱۴

۳۔ مقالہ کسی اور جگہ شائع شدہ نہ ہو اور نہ ہی کسی اور جگہ اشاعت کے لئے نہ دیا گیا ہو۔

۴۔ مقالہ تحقیق کے اصولوں کے عین مطابق ہونا چاہیے۔ نئی تحقیق پر مبنی اور علمی سرقہ سے خالی ہو۔ نیز مقالہ بنیادی مصادر کے حوالوں سے مزین ہونا چاہیئے۔

۵۔ املاء وانشاء کے رموز و قواعد کا التزام ضروری ہے۔

۶۔ مقالہ کی تین مطبوعہ کاپیاں (Hard copies) اور ایک سافٹ کاپی مطلوب ہو گی۔

۷۔ مقالہ نگار دو سو پچاس (۲۵۰) الفاظ پر مشتمل اپنے مقالہ کا ملخص بحث (Abstract) انگریزی زبان میں مقالہ کے ساتھ فراہم کرے گا۔

۸۔ مقالہ اردو، عربی اور انگریزی زبان میں لکھا جا سکتا ہے۔

۹۔ اغلاط سے حتیٰ الامکان اجتناب کیا جانا چاہیئے۔

ترتیب و تدوین کے قواعد:

تحقیقی مقالہ درج ذیل امور پر مشتمل ہونا چاہیے:

۱۔ **خلاصہ (Abstract)**

اس میں بالاختصار مضمون کا خلاصہ تحریر کیجیے۔ اور یہ انگریزی زبان میں لکھنا ہو گا۔

۲۔ **تعارف (Introduction)**

اس میں تحقیق کا مقصد، طریقہ کار، امتیازی خصائص اور مقالے کا تعارف مختصراً پیش کیا جانا چاہیے۔

۳۔ **کلیدی الفاظ(Keywords)**

مقالے سے متعلق موضوع کی مناسبت سے پانچ کلیدی الفاظ شامل کیجیے۔

۴۔ **نتائج(Conclusion)**

مقالہ میں نتائج بحث منطقی ترتیب و تسلسل کے ساتھ پیش کرنے چاہیے۔

۵۔ **بحث(Discussion)**

مقالہ کے اس حصے میں مقالہ نگار اپنے تحقیق سے متعلقہ مواد تفصیلاً پیش کرے گا۔

۶۔ **حوالہ جات(References)**

حوالہ جات دینے کے لئے درج ذیل ہدایات ملحوظ رکھنی چاہیے:

i) حوالہ جات بحث کے آخر میں دیئے جائیں۔

ii) مقالہ کے حواشی اور حوالہ جات کی ترتیب میں شکاگو مینوئل سٹائل(Chicago Manual Style) کو بروئے کار لایا جائے۔

iii) کتاب کا حوالہ دیتے وقت مصنف کا معروف نام، کتاب کا مختصر نام، ناشر اور مقام اشاعت، سن اشاعت وغیرہ اور اس کے بعد صفحہ، جلد نمبر درج کریں۔ مثلاً ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، دار صادر، بیروت، ۱۳۵۴ھ ص:۲/ ۳۱۲

iv) ایک ہی حوالہ متعدد جگہوں پر دینا مقصود ہو تو اختصار کے اسلوب تحقیق میں معروف رموز واشارات کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

v) مقالہ میں موجود تمام قرآنی آیات عربی رسم الخط میں تحریر ہونے چاہیے۔ آیات کا حوالہ دینے کے لئے درج ذیل طریقہ اختیار کیا جائے۔ مثلاً **سورۃ النساء**:۴/ ۱۸۴

vi) تمام احادیث کی تشریح کریں اور اُس کے لئے درج ذیل مثال کو مد نظر رکھیں:

البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب إفشاء السلام من الإسلام، حدیث نمبر:۲۹، دارالسلام، ریاض، ۱۴۱۲ھ، ص:۱/ ۸

vii) مقالہ میں مذکور تمام غیر معروف شخصیات کا مختصر تعارف کروائیں اور اس ضمن میں علم الرجال اور الطبقات کی کتب سے حوالہ جات دیں۔

مجلس ادارت:

(قومی)

- **پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری**، وائس چانسلر سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا
- **پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن**، ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی**، ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر احمد جان**، صدر شعبہ دعوت واسلامی ثقافت، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء**، صدر شعبہ علوم اسلامیہ پشاور یونیورسٹی، پشاور
- **پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد**، ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی، پشاور
- **پروفیسر ڈاکٹر حماد لکھوی**، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

(بین الاقوامی)

- **پروفیسر ڈاکٹر احمد یوسف درویش**، پریزیڈنٹ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر محمد شکری صالح**، ڈائریکٹر اسلامی ترقیاتی مینجمنٹ یوایس ایم، ملائشیا
- **پروفیسر ڈاکٹر صہیب حسن**، سیکرٹری شریعہ کونسل، لندن، برطانیہ
- **پروفیسر ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد**، ڈائریکٹر ہائر لرننگ سنٹر، برطانیہ
- **پروفیسر ڈاکٹر خادم حسین الٰہی بخش**، طائف یونیورسٹی، سعودی عرب
- **پروفیسر ڈاکٹر عبدالعزیز بن مبروک الأحمدی**، مدینہ یونیورسٹی، سعودی عرب
- **پروفیسر ڈاکٹر برکات دیب**، ازہر یونیورسٹی، قاہرہ، مصر
- **پروفیسر ڈاکٹر فتح الرحمن القرشی**، اُم درمان اسلامی یونیورسٹی، سوڈان

مجلس مشاورت:

- **پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر**، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا
- **پروفیسر ڈاکٹر عطاءاللہ فیضی**، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
- **پروفیسر بریگیڈیر (ر) واثق احمد**، صدر شعبہ پاک اسٹڈیز، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر تاج الدین ازہری**، سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر مستفیض علوی**، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور
- **پروفیسر ڈاکٹر فضل ربی**، چیف ایسوسی ایٹس اکیڈیمکس، فاونڈیشن یونیورسٹی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید عباسی**، صدر شعبہ قرآن وتفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر محمد سجاد**، شعبہ علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر محمد عبداللہ**، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
- **ڈاکٹر طاہر محمود**، سابق صدر شعبہ ہومینیٹیز، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد
- **ڈاکٹر محمد الیاس**، شعبہ حدیث، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- **ڈاکٹر حافظ عبدالقیوم**، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
- **ڈاکٹر محمد ریاض وردگ**، سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ و مطالعۂ مذاہب، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ
- **ڈاکٹر عبدالعلی اچکزئی**، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ
- **ڈاکٹر خلیق الرحمان**، شعبہ اسلامی فکر وتہذیب، یونیورسٹی آف منیجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

شرکاء مقالہ نگار

- **ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری**، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، نمل، اسلام آباد
- **سبین اکبر**، اسسٹنٹ پروفیسر (اسلامیات)، بلوچستان یونیورسٹی آف آئی۔ٹی اینڈ منیجمنٹ سائنسز، کوئٹہ
- **ڈاکٹر نور حیات خان**، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد
- **عافیہ مہدی**، لیکچرار اسلامک سٹڈیز، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد
- **ڈاکٹر حافظ محمد بادشاہ**، لیکچرار شعبہ عربی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد
- **ڈاکٹر الضیف نطور**، اسسٹنٹ پروفیسر، کلیہ اصول الدین، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- **ڈاکٹر سمیع الحق**، ایسوسی ایٹ پروفیسر، سابق صدر شعبہ تفسیر وعلوم القرآن، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- **نصر من اللہ**، لیکچرر، فیکلٹی امام ابو حنیفہؒ، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، پشاور
- **ڈاکٹر فتح الرحمن القرشی**، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ حدیث، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- **ڈاکٹر محمد الیاس**، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ حدیث، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- **ڈاکٹر عتیق طاہر**، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ شریعہ و قانون، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- **عطاء اللہ وٹو**، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اصول الدین، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- **ڈاکٹر عظمیٰ بیگم**، اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج برائے خواتین، راولاکوٹ، آزاد کشمیر

اداریہ

زیر نظر مجلہ البصیرۃ کا چوتھا شمارہ قارئین کرام کے لئے پیش خدمت ہے۔ الحمد للہ البصیرۃ اپنی اشاعت کا دوسرا سال انتہائی کامیابی کے ساتھ مکمل کر چکا ہے۔

البصیرۃ کو دو سال مکمل ہونے پر ادارہ تمام حضرات خصوصاً ریکٹر نمل میجر جنرل (ر) مسعود حسن اور ڈائریکٹر جنرل نمل بریگیڈیر اعظم جمال کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ ان حضرات کی سرپرستی اور مکمل تعاون شامل حال ہونے سے ہی احسن طور پر یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچ سکا۔ جزاھم اللہ خیرا

یہ امر خوش آئند ہے کہ البصیرۃ کو گذشتہ دو سالوں سے مسلسل اور بروقت شائع ہونے اور ساتھ ہی اس کی مقبولیت میں اضافہ ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ قارئین و علمی حلقوں سے داد و تحسین بلاشبہ ادارہ کے لئے نہ صرف اطمینان کا باعث ہے بلکہ ایک اعزاز بھی ہے۔ در اصل ہمارے پیش نظر تحقیق کی دنیا میں البصیرۃ کو اعلی معیار پر قائم کرنا ہے۔ جس کے لئے ادارہ البصیرۃ شب و روز کوشاں ہے۔ اور مستقبل میں بھی اپنے اس معیار میں تحقیقی و فنی اعتبار سے مزید بہتری لانے کا خواہشمند ہے۔ جس کے لئے آپ کے مفید مشوروں اور تجاویز کا شدّت سے انتظار رہے گا۔

اس سلسلے میں ادارہ کی یہ کوشش رہے گی کہ ہائر ایجو کمیشن (HEC) کے قائم کردہ کوالٹی اور تحقیقی معیار کو بہر صورت برقرار رکھتے ہوئے اپنا علمی و تحقیقی سفر جاری رکھا جائے اور بہتر سے بہتر مواد کو قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جاتا رہے۔ اس لئے ہماری ارباب دانش و بینش، محققین، اساتذہ کرام و دیگر قارئین سے استدعا ہے کہ وہ عصر حاضر کے علوم اسلامیہ سے متعلق اچھوتے اور علمی اہمیت کے حامل جدید مسائل و چیلنجز کا علمی و فکری حل تحقیقی انداز میں پیش کرنے کے لئے ہماری معاونت کریں اور معیاری مقالات ارسال کریں۔

مجلہ ہذا میں ان تمام تحقیقی مقالات و مضامین کو شامل کیا گیا ہے جو البصیرۃ کی پالیسی کے مطابق اور ہائر ایجو کمیشن کے (QEC) کی سفارشات کے مطابق ہیں۔ لہذا جن مقالہ نگاروں کے مقالات اس شمارہ میں شامل نہ ہوسکے، ہم ان سے معذرت خواہ ہیں۔

البصیرۃ کو موصول شدہ بیسیوں تحقیقی مقالات میں سے صرف گیارہ مقالات کا پیئر ریویو (Peer Review) کے ذریعے انتخاب کیا گیا ہے جن میں سے پانچ اردو، چار عربی اور دو انگریزی تحقیقی مقالات شامل کئے گے ہیں، جو کہ در حقیقت مختلف شعبہ ہائے جات سے وابستہ بہترین اسکالرز کی تحقیقی کاوشوں کا ثمرہ ہیں اور البصیرۃ کے زیر نظر شمارہ کی زینت بنے ہیں۔ جو فی الواقع عصر حاضر کے جدید مسائل و چیلنجز کے تعارف اور حل کا ذریعہ بنے گے اور تحقیق کی دنیا میں محققین اور عام قارئین کے لئے علمی اور تحقیقی رہنمائی میں بھی کلیدی کردار ادا کرسکے گا۔

قارئین کرام کی سہولت اور بین الاقوامی معیار کے پیش نظر مجلہ ہذا کے تمام شمارہ جات نمل یونیورسٹی کی ویب سائٹ www.numl.edu.pk پر اَپ لوڈ کردیئے گئے ہیں ۔

میں اس شمارہ کی طباعت کے سلسلہ میں ریکٹر نمل اور ڈی جی نمل کے تعاون و سرپرستی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ علاوہ ازیں جن اساتذہ اور محققین نے مقالات مرتب کئے ہیں اور مجلہ کی ترتیب و تدوین میں محمد عابد حسن نے جو اہم کردار ادا کیا ہے، میں ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ اس شمارہ میں جو بھی خوبی اور اچھائی ہے وہ اللہ تعالی کے فضل و کرم سے ہے اور جو کمی اور کوتاہی یا نقص ہے وہ ہماری کم علمی کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ البصیرۃ کو مزید پذیرائی اور مقبولیت عطاء فرمائے (آمین)۔

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

مدیر البصیرۃ

سرکاری مناصب وذرائع کا ذمہ دارانہ استعمال

(تعلیمات نبوی کی روشنی میں)

Responsible Use of Official Positions & Sources (in the light of prophetic teachings)

ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری *

ABSTRACT

Allah is the real owner of sovereignty and ruler of the universe. He honored the man in this world being His representative. The position awarded to Man is itself a very important responsibility. He cannot fulfil his obligations until he may be in a position to maintain balance between his rights and duties. This approach based on moderation is a realistic demand from the ruler and the people to be ruled as well. Ruler should use this authority with care.

Ruler of a country possesses official authority as a sacred responsibility. Coming to a broader sense, one can say that all government and non-government positions and offices have been delegated powers and authorities. So it is necessary to use them responsibly. On the contrary, if these authorities are abused, entire social system will be spoiled.

Prophet (ﷺ) of Islam was the first ruler who set such ethical standards that should be followed by the rulers of the world. Therefore, it is important that eligible individuals be appointed to important positions. We have clear and practical guidance from teachings of Prophet Muhammad (ﷺ) in this regard.

Keywords: Sovereignty, Official Authority, Ruler, Allah's representative.

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد

اللہ رب العالمین اس کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ وہی اقتدار اعلیٰ کا مالک اور حاکم حقیقی ہے۔ اسی کا حکم ہر شئی پر رواں دواں ہے۔ اسی نے انسان کو اس دنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ ہونے کا اعزاز بخشا ہے۔ انسان کا یہ منصب بذات خود بہت بڑی اور اہم ذمہ داری ہے، وہ اپنی ذمہ داریوں سے اس وقت صحیح طور پر عہدہ برآ نہیں ہو سکتا جب تک وہ حقوق و فرائض کی ادائیگی میں توازن واعتدال قائم نہ کر سکے، اعتدال و توسط پر مبنی یہ رویہ اس امت کی شان رفعتی اور پہچان بھی ہے جو اس سے ہر معاملے میں مطلوب ہے خواہ حاکم ہو یا محکوم، راعی ہو یا رعیت، حاکم کو خود کو راعی سمجھ کر اس امانت کا استعمال کرنا چاہیے۔

ملک کے سربراہ کے پاس حکومت ایک مقدس امانت اور ذمہ داری ہے اور یہ امانت صرف یہی تک محدود نہیں بلکہ اس میں تمام سرکاری اور غیر سرکاری مناصب اور عہدے امانت ہیں۔ ان کا ذمہ دارانہ استعمال بے حد ضروری ہے۔ مناصب اور عہدے عوام کی طرف سے حکمرانوں اور سربراہان کے پاس جمع شدہ چھوٹی بڑی امانتوں کا مجموعہ ہوتے ہیں یہ امانتیں حقوق کی شکل میں بھی ہو سکتی ہیں اور مملکت کے ذمہ داران ایک منشی بن کر ان حقوق کی حفاظت کرتے ہیں، اگر ان مناصب سے غفلت برتی جائے یا ان کا ناجائز استعمال کیا جائے اور مناصب کو اپنی طاقت اور پیسہ کے زور پر نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو ملک ہر طرح سے تباہی کا شکار ہو کر معاشرہ ظلم کی وجہ سے بگاڑ کی طرف نکل جاتا ہے، اسلئے ضروری ہے کہ مناصب پر اہل افراد کا تقرر کیا جائے اس سلسلے میں ہمیں نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے واضح راہنمائی ملتی ہے۔ تمام مناصب اور ان کی امانتوں کی بہترین ادائیگی اپنی رعیت ہو یا دیگر سب کو عملاً کر کر دکھانے والی وہ ہستی سیدنا محمد مصطفی ﷺ کی ہے۔

آپ ﷺ قرآن کے تابع اور مطلوبہ معیار کے وہ پہلے حاکم وراعی اور خلیفہ تھے، جنہوں نے اخلاق و کردار میں وہ معیارات قائم کیے ہیں، جو دنیا والوں کے لیے سنت مطاع ہیں اور نبوت کی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے امانت و دیانت، صداقت اور شہادت کے فلسفے کے اعلیٰ معیارات، نشانات راہ اور سنگ میل متعین فرما کر دنیا سے رخت سفر باندھا، حکمران ہو تو ایسا ہو جو زیر دستوں کو زبردستوں کے استبداد سے بچاتا ہے۔

خلفائے راشدین اولی الامر تھے اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر کار بند تھے ۔ انہوں نے قرآن کے مطلوبہ نظام خلافت کو جاری وساری فرمایا، اس لئے اس عہد مبارک کے درخشاں پہلوؤں کو بطور استشہاد بیان کیا جارہاہے۔

مقالہ ہذٰا میں طائرانہ جائزہ لیا جارہاہے کہ آنحضرت ﷺ نے بطور حاکم، راعی اور خلیفہ کی حیثیت سے یہ ذمہ داریاں کیسے نبھائی ہیں؟ اس بارے آپ ﷺ کی تعلیمات کیا ہیں؟ جو رہتی دنیا کے لیے مینارہ نور ہیں۔ آپ ﷺ چونکہ قرآن مجید کا چلتا پھرتا نمونہ تھے اس لئے اللہ تعالی نے آپ ﷺ کی تعلیمات کو اپنانے کا حکم دیا ہے۔

الفاظ (سرکاری، مناصب،وذرائع) کے لغوی واصطلاحی مفاہیم

۱: سرکاری کالغوی واصطلاحی مفہوم:

لغوی مفہوم: سرکاری کے لئے عربی میں الحُکومۃُ کا لفظ **مستعمل** ہے،ابن فارس کہتے ہیں: **"الحاء والکاف والمیم، أصل واحد وهو المنع يقال "حكم الرجل عن الظلم" ای ردُّ الرَّجُل عن الظلم"**[۱] (ح،ك، م) حکم ایک اصل ہے جو منع کر دینے کے معنی میں مستعمل ہے۔کہا جاتا ہے **" حکم الرجل عن الظلم"** یعنی آدمی کو ظلم سے روکا گیا)۔

اصطلاحی مفہوم : "جِهَازٌ سِيَاسِيٌّ يَتَكَوَّنُ مِنْ عِدَّةِ وُزَرَاءَ يُسَيِّرُونَ شُؤُونَ البِلاَدِ وَمَرَافِقَهَا فِي شَتَّى الْمَجَالاَتِ تَحْتَ رَئِيسِ الوُزَرَاءِ"[۲] (ایک سیاسی نظام یا کمیٹی ہے جو کئی وزراء پر مشتمل ہوتی ہے، وزیر اعظم کے تحت مختلف شعبوں میں ملک کے امور اور اس کی سہولیات کی نگرانی کرتی ہے)۔

۲:مناصب کالغوی واصطلاحی مفہوم

لغوی مفہوم : ابن منظور علامہ زبیدی بیان کرتے ہیں **"المنْصبُ (ن ص ب) جمع مَناصِبُ هو مَا يَتولاّهُ الرَّجُلُ من العَمَل"**[۳] (منصب کی جمع مناصب ہے جو کہ حکومتی خدمت،کام،ڈیوٹی معانی میں مستعمل ہے)۔

اصطلاحی مفہوم: المنْصبُ "وهو ما يتولاه المرءُ من عمل، يقال تولّى منصبَ الوزارة أَو القضاء ونحوِهما"[۴] (منصب کہتے ہیں کسی عہدے، درجے اور ذمہ داری کے اوپر فائز ہونے کو، جیسے کہتے ہیں منصب وزارت، منصب قضاء وغیرہ)۔

۳: ذرائع کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغوی مفہوم: الذَّرِيعة: الْوَسِيلَةُ. وَقَدْ تَذَرَّع فُلَانٌ بذَرِيعةٍ أَي توسَّل، وَالْجَمْعُ الذرائعُ يقال تَذَرَّع فلان بذَرِيعةٍ أَي توسَّل "[۵]

لغت میں ذریعہ وسیلہ کو کہتے ہیں۔ جس کی جمع ذرائع ہے۔ کہا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی وسیلے سے کوئی کام کرے)۔

اصطلاحی مفہوم: الذَّرِيعة بمعناها العام هي: "الوسيلة التي تكون طريقاً إلى الشَّيء"[۶]

(ذریعہ کا عمومی معنی یہ ہے ایک ایسا وسیلہ جو کسی شئی کے حصول کا ذریعہ ہو)۔

سرکاری مناصب وذرائع:

سرکاری مناصب اور عہدے چونکہ امانت ہوتے ہیں اس لئے قرآن کریم کے مطابق یہ امانت اہل لوگوں کے حوالے کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُكُمۡ أَن تُؤَدُّواْ ٱلۡأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهۡلِهَا وَإِذَا حَكَمۡتُم بَيۡنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحۡكُمُواْ بِٱلۡعَدۡلِۚ إِنَّ ٱللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِۦٓۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ سَمِيعَۢا بَصِيرٗا﴾[۷]

(مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو)۔

علامہ ابن العربی رقمطراز ہیں:

"هذه الآيةُ في أداء الأَمَانَةِ، والحكْم بين الناس عامَّة في الوُلاَة والخَلْق لأنَّ كُلَّ مسلمٍ عَالِمٌ، بل كلّ مسلم حاكم، ووالى[۸]

(یہ آیت کریمہ ادائے امانت اور لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے میں ولاۃ اور مخلوق میں عام ہے۔کیونکہ ہر مسلمان عالم ہے بلکہ ہر مسلمان حاکم اور والی ہے)۔

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کی شان میں 'جو خاندانی طور پر خانہ کعبہ کے دربان و کلید بردار چلے آرہے تھے' نازل ہوئی ہے۔ آیت کا یہ سبب نزول اگرچہ خاص ہے، لیکن اس کا حکم عام ہے اور اس کے مخاطب عوام اور حکام دونوں ہیں۔اس حکم کا مخاطب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عام مسلمان ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ خاص امراءو حکام مخاطب ہوں اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ہر وہ شخص مخاطب ہے جو کسی امانت کا امین ہے،اس میں عوام بھی داخل ہیں اور حکام بھی۔

مفتی شفیع فرماتے ہیں۔

"یہ بات غور طلب ہے کہ قرآن حکیم نے لفظ امانت بصیغہ جمع استعمال فرمایا جس میں اشارہ ہے کہ امانت صرف یہی نہیں کہ کسی کا کوئی مال کسی کے پاس رکھا ہو جس کو عام طور پر امانت کہا اور سمجھا جاتا ہے، بلکہ امانت کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں..... حکومت کے مناصب اللہ کی امانتیں ہیں:- اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل و نصب کے اختیارات ہیں، ان کے لئے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے، بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدہ کے لئے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔"[۹]

ابوالاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں:

"بنی اسرائیل کی بنیادی غلطیوں میں سے ایک یہ تھی کہ انہوں نے اپنے انحطاط کے زمانہ میں امانتیں، یعنی ذمہ داری کے منصب اور مذہبی پیشوائی اور قومی سرداری کے مرتبے (Positions of trust) ایسے لوگوں کو دینے شروع کر دیے جو نااہل، کم ظرف، بد اخلاق، بد دیانت اور بدکار تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برے لوگوں کی قیادت میں

ساری قوم خراب ہوتی چلی گئی۔ مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ تم ایسانہ کرنا بلکہ امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرنا جو ان کے اہل ہوں..... (۱۰)

دستور مملکت کے چند زریں اصول

آیت کی روشنی میں دستور مملکت کے چند بنیادی اصول درجہ ذیل ہیں۔

۱- اقتدار اعلی صرف اللہ تعالی کا ہے "إن الله يأمركم" سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اصل حکم اللہ تعالی کا ہے، سلاطین دنیا سب اس کے مامور ہیں۔

۲- حکومت کے عہدے باشندگان ملک کے حقوق نہیں جن کو تناسب آبادی کے اصول پر تقسیم کیا جائے، بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے دی ہوئی امانتیں ہیں جو صرف ان کے اہل اور لائق لوگوں کو دیئے جاسکتے ہیں۔

۳- زمین پر انسان کی حکمرانی صرف ایک نائب و امین کی حیثیت سے ہو سکتی ہے وہ ملک کی قانون سازی میں ان اصول کا پابند رہے گا جو حاکم مطلق کی طرف سے بتائے گئے ہیں۔

۴- حکام و امراء کا فرض ہے کہ جب کوئی مقدمہ ان کے پاس آئے تو نسل و وطن اور رنگ و زبان، مذہب و مسلک کا امتیاز کئے بغیر عدل و انصاف کا فیصلہ کریں۔

امانت کا مفہوم اور اس کا دائرہ کار

جمہور مفسرین کے نزدیک دین کے تمام وظائف و اعمال اور شریعت کے تمام احکام و اوامر و نواہی کا مجموعہ امانت ہیں۔اس لئے امانت ادا کرنے کا حکم عام ہے،خواہ مذاہب میں ہو،عقائد میں ہو یا معاملات میں سب امانت میں داخل ہیں۔

اس لئے بجاطور پر کہا جاسکتا ہے کہ احکام شریعت امانت ہیں: امانت سے مراد احکام شریعت کا مکلف و مامور ہونا ہے جن پر پورا اترنے پر اجر و ثواب اور جنت کی دائمی نعمتوں کا وعدہ اور خلاف ورزی پر عذاب جہنم کی وعید ہے۔ حکومت کے مناصب امانتیں ہیں: مملکت کا حاکم،وزرا،حکام، قاضی، تمام سرکاری اداروں کے تمام افسران، حکام اور اداروں کے سربراہان کا فرض ہے کہ مناصب اہل لوگوں کے سپرد

کریں۔ مہتمم اور متولی کے پاس مدرسہ ومسجد امانت ہیں، اسلامی علوم کی تعلیم دینے والے عالم دین کے پاس دین و شریعت کا علم امانت ہے۔ استاد کے پاس طلباء، انہیں پڑھانا، تیاری و محنت کروانا اور وقت تدریس امانت ہیں، والدین کے پاس اولاد امانت ہے، والدینپر ضروری ہے۔ کہ وہ ان کی تعلیم وتربیت کا خصوصی خیال رکھیں، زوجین ایک دوسرے کے لئے امانت ہیں، مجلس امانت ہے، مشورہ امانت ہے۔ غرضیکہ آیت کریمہ میں ان سب امانتوں کا حق ادا کرنے کی تاکید ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ در حقیقت ہر وہ چیز امانت ہے جس کے ساتھ کسی دوسرے کا حق متعلق ہو اور اس کی حفاظت اور مالک کی طرف اس کی ادائیگی ہر حالت میں انسان پر واجب ہے۔ اس لئے حکام اور اداروں کے سربراہان کا فرض ہے کہ مناصب اہل لوگوں کے سپرد کریں نیز اہل اور امین افراد کو عہدے تفویض کریں اور منصب پر فائز افرد کو چاہیے کہ عدل وانصاف اور دیانت داری سے کام لیں۔ سرکاری عہدوں کو اپنی ذاتی جاگیر نہ سمجھیں۔

سرکاری مناصب وذرائع اور تعلیمات نبوی

سرکاری مناصب وذرائع کے صحیح استعمال کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی تعلیمات اور فرمودات بہت زیادہ ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ کے بیسیوں واقعات اس پر شاہد عدل ہیں۔

تاہم اختصار کے ساتھ اس بارے میں آنحضرت ﷺ کی تعلیمات اور زریں اصول بیان کیے جارہے ہیں:

۱: عہدہ یا منصب امانت ہے:

آنحضرت ﷺ نے سرکاری مناصب وعہدوں کو امانت قرار دیا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے طلب امارت کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّك ضَعِيفٌ إِنَّهَا أَمَانَةٌ، وَخِزْيٌ، وَنَدَامَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا)) (۱۱)

(اے ابوذر! تو کمزور ہے اور یہ امارت امانت ہے اور یہ قیامت کے دن کی رسوائی اور شرمندگی ہے سوائے اس کے جس نے اس کے حقوق پورے کئے اور اس بارے میں جو اس کی ذمہ داری تھی اس کو ادا کیا)۔

۲: عہدہ کا مطالبہ کرنا ناجائز ہے:

عہدہ یا منصب کا مطالبہ کرنا جائز نہیں، حضور ﷺ نے عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

((لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ تُعْطَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ تُوَكَّلْ إِلَيْهَا، وَإِنْ تُعْطَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ تُعَنْ عَلَيْهَا)) [۱۲]

(امارت طلب نہ کر اس لئے اگر تمہیں طلب کرنے کے بعد امارت دیدی گئی تو تم اس کے حوالے کر دیئے جاؤ گے اور اگر بغیر مانگے تمہیں مل جائے تو تمہاری مدد کی جائے گی)۔

۳: عہدہ کا مطالبہ کرنے والا محروم ہو گا:

حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور دو آدمی میرے چچا کے بیٹوں میں سے نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ تو ان دو آدمیوں میں سے ایک نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو ملک عطا کئے ہیں، ان میں سے کسی ملک کے معاملات ہمارے سپرد کر دیں۔ دوسرے نے بھی اسی طرح کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **((إِنَّا وَاللَّهِ لَا نُوَلِّي عَلَى هَذَا الْعَمَلِ أَحَدًا سَأَلَهُ وَلَا أَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ** [۱۳] (اللہ کی قسم ہم اس کام پر اس کو مامور نہیں کرتے جو اس کا سوال کرتا ہو یا اس کی حرص کرتا ہو)۔

۴: منصب وعہدہ کی اہلیت کی شرائط:

قرآن کریم نے کسی کام یا منصب (Post) کے لئے مختلف شرائط بیان کی ہیں۔

سورۃ البقرۃ میں دو شرطوں کا ذکر ہے [۱۴]

۱۔ علم ۲- کام کی قوت وصلاحیت

سورۃ یوسف میں مزید دو شرطوں کا ذکر ہے۔ [۱۵]

۱۔ نگرانی ۲۔ علم

سورۃ القصص میں دیگر دو شرطوں کا ذکر ہے۔[١٦]

۱۔ قوت وصلاحیت ۲۔ امانت

اس لئے ضروری ہے۔ نوکر اور ملازم کو جس کام یا منصب کے لئے رکھا جائے، اس میں درج بالا شرائط پائی جائیں۔

۵: حکومتی مناصب سے بیزاری:

آنحضرت ﷺ نے امراء، چوہدریوں اور حکومتی اہلکاروں کی قیامت کے دن حکومتی مناصب سے بیزاری کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((وَيْلٌ لِلْأُمَرَاءِ، وَيْلٌ لِلْعُرَفَاءِ، وَيْلٌ لِلْأُمَنَاءِ، لَيَتَمَنَّيَنَّ أَقْوَامٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَّ ذَوَائِبَهُمْ كَانَتْ مُعَلَّقَةً بِالثُّرَيَّا، يَتَذَبْذَبُونَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَلَمْ يَكُونُوا عَمِلُوا عَلَى شَيْءٍ)) [١٧]

(امراء، چوہدریوں اور حکومتی اہلکاروں کے لئے ہلاکت ہے یہ لوگ قیامت کے دن تمنا کریں گے کہ ان کی چوٹیاں ثریا ستارے سے لٹکی ہوتیں اور یہ آسمان وزمین کے درمیان تذبذب کا شکار ہوتے لیکن کسی ذمہ داری پر کام نہ کیا ہوتا)۔

۶: نااہل عہدہ دار قیامت کی نشانی ہے:

آنحضرت ﷺ نے نااہل عہدہ دار کو قیامت کی نشانی قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

((إِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ)) قَالَ: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: ((إِذَا أُسْنِدَ الأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ)) [١٨]

(جب امانتیں ضائع کی جائیں تو قیامت کا انتظار کرو، سائل نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ اس کا ضیاع کیسے ہوگا؟ فرمایا: جب معاملات نااہلوں کے سپرد ہوں تو قیامت کا انتظار کرو)۔

۷: حکمران ذمہ دار ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْإِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اللَّهُمَّ أَرْشِدْ الْأَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِينَ)) (۱۹)

(امام ضامن ہے اور موذن امانتدار ہے۔ اے اللہ تو اماموں کو (علم و عمل کی) توفیق عطا فرما اور موذن کی بھول چوک معاف فرما۔

۸: معاشرے کا ہر فرد ذمہ دار اور نگران ہے:

آپ ﷺ نے امانت کے مفہوم کو وسیع کرتے ہوئے ہر فرد معاشرے کو ذمہ دار و نگرانِ امانت قرار دیا ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) (۲۰)

(تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہو گی، آدمی اپنے اہل پر نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا، عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگران ہے، اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہو گی، خادم اپنے آقا کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پرسش ہو گی)۔

۹: امانت دار کی تعیناتی:

آنحضرت ﷺ نے اہلیت کی بنیاد پر ذمہ داریوں کی تقسیم کاری کی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نجران کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہماری طرف کسی امانت دار آدمی کو بھیج دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكُمْ رَجُلًا أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ حَقَّ أَمِينٍ قَالَ فَاسْتَشْرَفَ لَهَا النَّاسُ قَالَ فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ))[۲۱]

(میں تمہاری طرف ایک ایسے امانت دار آدمی کو بھیج رہا ہوں کہ جو یقینا امانت دار ہے یقینا امانت دار ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس طرف اپنی نظروں کو جما لیا راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا)۔

۱۰: نیک مشیر اور بُرے مشیر:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمران اور کسی بھی عہدہ دار کے سامنے نیک اور برے مشیر کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

((مَا مِنْ نَبِيٍّ وَلَا وَالٍ إِلَّا، وَلَهُ بِطَانَتَانِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ، وَبِطَانَةٌ لَا تَأْلُوهُ خَبَالًا، وَمَنْ وُقِيَ شَرَّهُمَا، فَقَدْ وُقِيَ، وَهُوَ مِنَ الَّتِي تَغْلِبُ عَلَيْهِ مِنْهُمَا))[۲۲]

(کوئی نبی یا حکمران ایسا نہیں ہے کہ اس کے دو قسم کے مشیر نہ ہوں ایک گروہ اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور دوسرا گروہ (اس بد نصیبی میں اپنا کردار ادا کرنے میں) کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔ جو ان دونوں کے شر سے بچ گیا وہ محفوظ رہا اور جو گروہ اس پر غالب آ گیا اس کا شمار انہی میں ہو گا)۔

۱۱: عمال کا محاسبہ:

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو اسد کے ابن التبیہ کو زکوۃ وصولی کا عامل بنایا جب وہ واپس آیا تو کہنے لگا یہ لو مالِ زکوۃ اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

((أَفَلَا قَعَدَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ، أَوْ فِي بَيْتِ أُمِّهِ، حَتَّى يَنْظُرَ أَيُهْدَى إِلَيْهِ أَمْ لَا؟ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يَنَالُ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْهَا شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ))[۲۳]

(تم میں سے کوئی شخص اپنے باپ یا ماں کے گھر کیوں نہیں بیٹھتا کہ یہ تحفے اس کو مل جائیں۔ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے تم میں سے جو بھی (کوئی ناجائز) چیز ہم سے حاصل کرتا ہے وہ گردن پر اٹھا کر قیامت کے دن لائے گا)۔

۱۲: غیر اہل کو منصب سونپنے والا خائن ہے:

آنحضرت ﷺ نے غیر اہل کو منصب سونپنے والے شخص کو خائن قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ تَوَلَّى مِنْ أُمَرَاءِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ فِيهِمْ مَنْ هُوَ وْلَى بِذَلِكَ وَأَعْلَمُ مِنْهُ بِكِتَابِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ، فَقَدْ خَانَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَجَمِيعَ الْمُؤْمِنِينَ)) (۲۴)

(جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لئے اس سے زیادہ قابل (باصلاحیت) اور اہل ہے اس نے اللہ، رسول کریم ﷺ اور تمام مسلمانوں کی خیانت کی)۔

۱۳: دوستی و تعلق کی بنیاد پر منصب دینے والا جہنمی ہے:

آنحضرت ﷺ نے محض دوستی و تعلق کی بنیاد پر منصب دینے والے شخص کو جہنمی ہے قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أَحَدًا مُحَابَاةً فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ، لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلا عَدْلًا حَتَّى يُدْخِلَهُ جَهَنَّمَ)) (۲۵)

(جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی بنیاد پر (بغیر اہلیت وصلاحیت کے) دے دی اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل نہ ہو جائے)۔

۱۴: قرابت داری کی بنیاد پر منصب دینے والا خائن ہے۔

ایک روایت میں مروی ہے:

((من استعمل رجلا لمودة أو لقرابة لا يستعمله إلا لذلك فقد خان الله ورسوله والمؤمنين)) (۲۶)

(جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی یا قرابت داری کی بنیاد پر (بغیر اہلیت وصلاحیت کے) دے دی تو اس نے اللہ، رسول کریم ﷺ اور تمام مسلمانوں کی خیانت کی)۔

۱۵: فاجر کو منصب سونپنے والا فاجر ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((من استعمل فاجرا وهو يعلم انه فاجر فهو مثله)) (۲۷)

(جس شخص نے کوئی عہدہ کسی فاجر شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ وہ فاجر ہے تو وہ شخص اس کے مثل فاجر ہے)۔

۱۶: حکومتی اہلکاروں کے تحائف خیانت ہیں:

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((هَدَايَا الأُمَرَاءِ غُلُولٌ)) (۲۸)

ترجمہ: عمال کے ہدایا اور تحائف خیانت ہیں۔

۱۷: خائن حاکم جہنمی ہے:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنْ الْمُسْلِمِينَ فَيَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ)) (۲۹)

(جو شخص مسلمان رعیت کا حاکم ہو اور وہ اس حال میں مر جائے کہ ان سے خیانت کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا)۔

۱۸: خائن عہدہ دار کی سزا :

آنحضرت ﷺ نے خائن عہدہ دار کی سزا ان الفاظ میں بیان کی ہے:

((مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللهُ رَعِيَّةً، يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ، إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ))(۳۰)

(جس شخص کو اللہ تعالیٰ کوئی عہدہ دیں اور وہ اس حال میں مر جائے کہ وہ ان سے خیانت کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا)۔

۱۹: ظالم حکمران کو قوت دینے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ مَشَى مَعَ ظَالِمٍ يُقَوِّيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ)) (۳۱)

(جو ظالم کے ساتھ اس لئے چلتا ہے کہ اسے قوت مہیا کریں، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہے)۔

۲۰: سوئی / دھاگہ چھپانے والا عامل خائن ہے:

آنحضرت ﷺ نے سوئی یا اس سے بھی کسی کم چیز کو چھپانے والے شخص کو خائن قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ، فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهُ، كَانَ غُلُولًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۳۲)

(تم میں سے جس آدمی کو ہم کسی پر عامل مقرر کریں اور اس نے ہم سے ایک سوئی یا اس سے بھی کسی کم چیز کو چھپا لیا تو یہ خیانت ہو گی اور وہ قیامت کے دن اسے لے کر حاضر ہو گا)۔

ایک دوسری روایت میں دھاگہ کا ذکر ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ لَنَا عَلَى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِنْهُ مَخِيطًا فَمَا فَوْقَهُ فَهُوَ غُلٌّ يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۴۳)

(لوگو! تم میں سے جو شخص ہمارے لئے کوئی کام کرتا ہے اور ہم سے ایک دھاگہ یا اس سے بھی معمولی چیز چھپاتا ہے تو وہ خیانت ہے جس کے ساتھ وہ قیامت کے دن آئے گا)۔

۲۱: زائد حکومتی سہولتیں حاصل کرنے والا عہدہ دار خائن ہے:

آنحضرت ﷺ نے حکومتی اہلکاروں اور عہدہ داراں کے لئے بعض حکومتی سہولتوں کی اجازت دی ہے۔ اور جو ان سے زائد حکومتی سہولتیں حاصل کرے گا، وہ خائن اور چور ہو گا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ وَلِيَ لَنَا عَمَلًا فَلَمْ يَكُنْ لَهُ زَوْجَةٌ فَلْيَتَزَوَّجْ أَوْ خَادِمًا فَلْيَتَّخِذْ خَادِمًا أَوْ مَسْكَنًا فَلْيَتَّخِذْ مَسْكَنًا أَوْ دَابَّةً فَلْيَتَّخِذْ دَابَّةً فَمَنْ أَصَابَ شَيْئًا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ غَالٌّ أَوْ سَارِقٌ)) (۴۴)

(جو شخص ہماری طرف سے عامل نامزد ہو اور اس کے پاس (متعلقہ شہر میں) کوئی گھر نہ ہو تو وہ گھر بنا سکتا ہے، بیوی نہ ہو تو شادی کر سکتا ہے، خادم نہ ہو تو رکھ سکتا ہے، سواری نہ ہو تو رکھ سکتا ہے لیکن اس کے علاوہ جو کچھ لے گا، وہ اللہ کے یہاں خائن اور چور شمار ہو گا)۔

۲۲: تنخواہ سے زائد حاصل کرنے والا عہدہ دار خائن ہے:

تنخواہ اور وظیفہ سے زائد حاصل کرنے والے عہدہ دار کو آنحضرت ﷺ نے خائن قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلَى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا أَخَذَ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ غُلُولٌ)) (۴۵)

(ہم نے جس کو بھی کسی کام پر مامور کیا تو اس کا وظیفہ اور تنخواہ مقرر کی ہے، پھر اس کے بعد جو کچھ وہ اس سے زائد حاصل کرے وہ چوری اور خیانت ہے)۔

۲۳: عہدہ دار حکومتی ذرائع کو اپنی مرضی سے استعمال نہیں کر سکتا ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ، فَلْيَجِئْ بِقَلِيلِهِ وَكَثِيرِهِ، فَمَا أُوتِيَ مِنْهُ أَخَذَ، وَمَا نُهِيَ عَنْهُ انْتَهَى)) (۳۶)

(جس شخص کو ہم کسی ذمہ داری پر فائز کریں وہ تھوڑا اور زیادہ سب ہمارے پاس لے کر آئے، پھر اس میں سے جو اسے دیا جائے وہ لے لے اور جس سے روکا جائے، اس سے رک جائے)۔

۲۴: عہدہ داراں کو نرمی کا برتاؤ کرنے کا حکم:

آنحضرت ﷺ نے عہدہ داراں کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اللهُمَّ، مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ، فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ، فَارْفُقْ بِهِ)) (۳۷)

(اے اللہ میری اس امت میں سے جس کو کسی معاملہ کا والی بنایا جائے اور وہ ان پر سختی کرے تو تو اس پر سختی کر اور میری امت میں سے جس کو کسی معاملہ کا والی بنایا جائے وہ ان سے نرمی کرے تو تو بھی اس پر نرمی کر)۔

۲۵: حاکم کی بد گمانی فساد کا باعث ہے:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ الْأَمِيرَ إِذَا ابْتَغَى الرِّيبَةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدَهُمْ)) (۳۸)

(جب امیر (حاکم) لوگوں میں گمان ڈھونڈے گا (ان کے معاملات میں) واضح شرعی ثبوت کے بجائے محض گمان پر عمل کرے گا تو انہیں بگاڑ دے گا)۔

۲۶: منصب کے جائز وناجائز ذرائع:

منصب کے حلال ذرائع میں سے جائز سفارش ہے۔ اسلام جائز سفارش کی اجازت دیتا ہے، جبکہ ناجائز سفارش حرام قرار دیتا ہے۔ قرآن اور نبی پاک ﷺ کی تعلیمات سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَّن يَشْفَعْ شَفَٰعَةً حَسَنَةً يَكُن لَّهُۥ نَصِيبٌ مِّنْهَا ۖ وَمَن يَشْفَعْ شَفَٰعَةً سَيِّئَةً يَكُن لَّهُۥ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ ﴾ (۳۹)

(جو بھلائی کی سفارش کریگا وہ اس میں سے حصّہ پائے گا اور جو برائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصّہ پائے گا)۔

نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اشْفَعُوا فَلْتُؤْجَرُوا)) (۴۰)

(سفارش کرو تاکہ تمہیں سفارش کا ثواب مل جائے)۔

منصب کے حرام ذرائع میں سے طاقت، اثر رسوخ، رشوت ستانی سے عہدہ حاصل کرنا ہے۔

سرکاری مناصب وذرائع اور عہد خلفاء راشدین

سرکاری مناصب وذرائع کے حوالے سے خلفاء راشدین کا طرز عمل کی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے کہ وہ اس باب میں کس قدر اسوۂ نبوی پر کاربند تھے۔

ا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ملک کے نظم ونسق کو بہترین اصولوں پر قائم کرتے ہوئے عہدوں کی تقسیم عہدیداروں کا صحیح انتخاب کیا۔ آپ جب کسی کو کسی ذمہ داری پر عہدہ پر مامور فرماتے تو عموماً بلا کر اس کے فرائض کی تشریح کر دیتے اور نہایت موئثر الفاظ میں سلامت روی و تقویٰ کی نصیحت فرماتے، چنانچہ یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ کو جب شام کی امارت سپرد کی تو انہیں ان الفاظ میں نصیحت فرمائی:

"يَا يَزِيدُ،إِنَّ لَكَ قَرَابَةً عَسَيْتَ أَنْ تُؤْثِرَهُمْ بِالْإِمَارَةِ، وَذَلِكَ أَكْبَرُ مَا أَخَافُ عَلَيْكَ" (۴۱)

(اے یزید تمہاری قرابت داریاں ہیں شاید تم ان کو اپنی امارت سے فائدہ پہنچاؤ، در حقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں)۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، خلیفہ ہونے کے بعد بھی حسب معمول کندھے پر کپڑوں کے تھان رکھ کر بازار کی طرف روانہ ہوتے۔ جب خلافت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ اپنا ذاتی کام نہ کر سکے، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیت المال سے آپ رضی اللہ عنہ کا وظیفہ مقرر کر دیا(۴۲)۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام دولت راہ خدا میں لٹا دی، یہاں تک کہ زمانہ خلافت میں آپ رضی اللہ عنہ چھ ہزار کے مقروض ہو گئے لیکن مسلمانوں کا ایک حبہ بھی اپنی ذات پر صَرف کرنا یا اولاد کے لیے چھوڑ جانا گوارہ نہ ہوا۔ وفات کے وقت وصیت فرمائی، تو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ "میرا فلاں باغ بیچ کر بیت المال کا قرض ادا کر دیا جائے اور میرے مال میں جو چیز فاضل نظر آئے، وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دی جائے۔"(۴۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وفات کے بعد جائزہ لیا گیا تو صرف یہ چیزیں زائد نکلیں: ایک غلام، لونڈی، دو اونٹنیاں۔ چنانچہ تمام چیزیں اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دی گئیں۔ خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے عبرت کے آنسو نکل آئے۔ رو کر بولے: ابو بکر رضی اللہ عنہ! خدا تم پر رحم کرے، تم نے پس از مرگ بھی زہد کا دامن نہ چھوڑا اور کسی کو نکتہ چینی کا موقع نہ دیا۔(۴۴)

۲ : حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت جمہوری طرز حکومت سے مشابہ تھی تمام ملکی و قومی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پاتے تھے۔ آپ نے خلیفہ وقت کے اختیارات کے متعلق خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعدد موقع پر تصریح کر دی تھی کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی ایک تقریر کے چند فقرے ملاحظہ ہوں:

"مجھ کو تمہارے مال میں اسی طرح حق ہے جس طرح یتیم کے مال میں اس کے مربی کا ہوتا ہے، اگر میں دولتمند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر صاحب حاجت ہوں

گا تو اندازہ سے کھانے کے لیے لوں گا۔ صاحبو! میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مؤاخذہ کرنا چاہیے ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بے جا طور پر صرف نہ ہونے پائے، ایک یہ کہ تمہارے روزینے بڑھاوں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔"(۴۵)

مذکورہ بالا تقریر صرف دلفریب خیالات کی نمائش نہ تھی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت سختی کے ساتھ اس پر عمال بھی تھے، واقعات اس کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں، ایک دفعہ آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا یہ خبر سن کر کہ مال غنیمت آیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المؤمنین! میں ذوالقربی میں سے ہوں، اس لیے اس مال میں سے مجھ کو بھی عنایت کیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بے شک تم میرے خاص مال میں حق رکھتی ہو لیکن یہ تو عام مسلمانوں کا مال ہے۔"(۴۶)

ایک دفعہ خود بیمار پڑے، لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا، بیت المال میں شہد موجود تھا، لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے کہا کہ "اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں"(۴۷)۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں جب حضرت عمرؓ کی احتیاط کا یہ حال تھا، تو ظاہر ہے کہ مہمات امور میں وہ کس قدر محتاط ہوں گے۔

آپ رضی اللہ عنہ حکام کی نگرانی اور قوم کے اخلاق وعادات کی حفاظت نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے، ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازہ پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ اسی کے ساتھ اس کے مال واسباب کی فہرست تیار کرا کے محفوظ رکھتے تھے اور بیت المال میں داخل کر لیتے تھے۔(۴۸)

ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیت المال کا جائزہ لیا، تو وہاں صرف ایک درہم موجود تھا۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے کو دے دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے درہم واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دیا اور ابو موسیٰ شعریؓ کو بلا کر فرمایا: افسوس کہ تم کو مدینہ میں

آل عمر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی کمزور نظر نہ آیا۔ تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام امت محمدیہ کا مطالبہ میری گردن پر ہو (۴۹)۔

ایک مرتبہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں، اس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا، لیکن قاصد جو لے کر گیا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کیے گئے تھے، چنانچہ جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے، اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا۔ (۵۰)

اس طرح ایک بازار میں ایک فربہ اونٹ فروخت ہوتے دیکھا، دریافت سے معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا ہے، ان سے پوچھا کہ یہ اونٹ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اس کو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا اور اب کچھ فربہ ہو گیا ہے، تو بیچنا چاہتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فربہ ہوا ہے، اس لیے تم صرف رأس المال کے مستحق ہو اور بقیہ قیمت لے کر بیت المال میں داخل کر دی۔ (۵۱)

ایک دفعہ شام کی طرف مال بھیجنا چاہا۔ روپیہ کی ضرورت ہوئی تو حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے قرض طلب کیا۔ انہوں نے کہا: آپ امیر المومنین ہیں، بیت المال سے اس قدر رقم قرض لے سکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیت المال سے نہیں لوں گا، کیونکہ ادا کرنے سے پہلے مر جاؤں گا تو تم لوگ میرے ورثاء سے مطالبہ نہ کرو گے اور یہ بار میرے سر رہ جائے گا، اس لیے چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص سے لوں جو میرے متروکہ وصول کرنے پر مجبور ہو۔ (۵۲)

بحرین سے مال غنیمت میں مشک و عنبر آیا اس کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لیے کسی ایسے شخص کی تلاش ہوئی، جس کو عطریات کے وزن میں دستگاہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں اس کام کو کر سکتی ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم سے یہ کام نہیں لوں گا، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ تمہاری انگلیوں میں جو کچھ لگ جائے گا، اسے اپنے جسم پر لگاؤ گی اور اس طرح عام مسلمانوں سے زیادہ میرے حصہ میں آجائے گا (۵۳)۔

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے عراق سے زیورات بھیجے، اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی گود میں آپ رضی اللہ عنہ کی سب سے محبوب بھتیجی اسماء بنت زید رضی اللہ عنہ کھیل رہی تھی۔ اس نے ایک انگوٹھی ہاتھ میں لے لی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلطائف الحیل اس سے لے کر زیورات میں ملادی[۵۴]۔ اسی طرح عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ نے معرکہ جلولا کے بعد زیورات بھیجے تو آپ رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے نے ایک انگوٹھی کی درخواست کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سوال پر خفا ہوئے اور کچھ نہ دیا۔[۵۵]

۳ : حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ طبعاً نہایت نرم تھے، بات بات پر رقّت طاری ہو جاتی تھی، اور ذاتی حیثیت سے تحمل بردباری، تساہل اور چشم پوشی آپ کا شیوہ تھا، لیکن ملکی معاملات میں انہوں نے تشدد و احتساب اور نکتہ چینی کو اپنا طرز عمل بنایا۔ سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لی، جس کو ادا نہ کر سکے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سختی سے باز پرس کی اور معزول کر دیا۔ ولید بن عقبہ نے بادہ نوشی کی، معزول کر کے علانیہ حد جاری کی۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے امیرانہ زندگی اختیار کی، تو انہیں بھی ذمہ داری کے عہدہ سے سبکدوش کر دیا۔ اسی طرح عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ والیٔ مصر خراج میں اضافہ نہ کر سکے تو ان کو علیحدہ کر لیا[۵۶]۔

ایک فرمان میں عمال کو تحریر فرماتے ہیں:

"وَلَيُوشِكَنَّ أَئِمَّتُكُمْ أَنْ يَصِيرُوا جُبَاةً وَلا يَكُونُوا رُعَاةً، فَإِذَا عَادُوا كَذَلِكَ انْقَطَعَ الْحَيَاءُ وَالأَمَانَةُ وَالْوَفَاءُ أَلا وَإِنَّ أَعْدَلَ السِّيرَةِ أَنْ تَنْظُرُوا فِي أُمُورِ الْمُسْلِمِينَ فِيمَا عَلَيْهِمْ فَتُعْطُوهُمْ مَا لَهُمْ،وَتَأْخُذُوهُمْ بِمَا عَلَيْهِمْ"[۵۷]

(قریب ہے کہ تمہارے ائمہ نگہبان ہونے کے بجائے صرف تحصیلدار ہو کر رہ جائیں جب ایسی حالت ہو جائے گی تو حیا، امانت اور وفاداری ناپید ہو جائے گی، ہاں بہتر طریقہ یہ ہے کہ تم مسلمان کے نفع و نقصان کا خیال رکھو ان کا حق ان کو دلائو جو ان سے لینا چاہیے وہ ان سے وصول کرے)۔

آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے مال میں ہمیشہ ایثار سے کام لیا۔ چنانچہ اپنے زمانہ خلافت میں ذاتی مصارف کے لیے بیت المال سے ایک حبہ نہیں لیا۔ اور اس طرح گویا اپنا مقررہ وظیفہ عام مسلمانوں کے لیے چھوڑ دیا۔

۴ : حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

ملکی نظم ونسق کے سلسلہ میں سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا خاص اہتمام مد نظر رکھا، وہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تھے تو اس کو نہایت مفید اور گراں بہا نصائح کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً عمال وحکام کے طرز عمل کی تحقیقات کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مأمور کیا تو یہ ہدایت فرمائی: "تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ ہو جاؤ اور عراق کے ہر ضلع میں پھر عمال کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر غائر نظر ڈالو۔"[۵۸]

عمال کے اسراف اور مالیات میں ان کی بد عنوانیوں کی سختی سے باز پرس فرماتے تھے۔ ایک دفعہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے قرض لے کر پانچ سو لونڈی اور غلام خرید کر آزاد کیے، کچھ دنوں کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سختی کے ساتھ اس رقم کا مطالبہ کیا۔ مصقلہ نے کہا: خدا کی قسم! عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک اتنی رقم کا چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی، لیکن یہ تو ایک ایک حبہ کا تقاضا کرتے ہیں اور ناداری کے باعث مجبور ہو کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پناہ میں چلے گئے۔ جناب امیر کو معلوم ہوا تو فرمایا:

> **" ما له برحه الله؛ فعل فعل السيد، وفر فرار العبد، وخان خيانة الفاجر! أما والله لو أنه أقام فعجز ما زدنا على حبسه، فإن وجدنا له شيئاً أخذناه، وإن لم نقدر على مال تركناه "**[۵۹]

> (خدا اس کا برا کرے! اس نے کام تو سید کا کیا، لیکن غلام کی طرح بھاگا اور فاجر کی طرح خیانت کی۔ خدا کی قسم! اگر وہ مقیم ہوتا، تو قید سے زیادہ اس کو سزا دیتا اور اگر اس کے پاس کچھ ہوتا تو لیتا، ورنہ معاف کر دیتا)۔

اس باز پرس سے آپ رضی اللہ عنہ کے مخصوص اعزہ واقارب بھی مستثنیٰ نہ تھے، ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کے چچیرے بھائی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ عامل بصرہ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم

لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چشم نمائی فرمائی تو جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا ہے لیکن اس کے عذر کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے(۶۰)۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک نارنگی اٹھالی جناب امیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی(۶۱)۔

ایام خلافت میں بھی زہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ موٹا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی۔ ایک دفعہ عبد اللہ بن زریر نامی ایک صاحب شریک طعام تھے، دستر خوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا، انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! آپ کو پرند کے گوشت سے شوق نہیں ہے۔ فرمایا: ابن زریر!

"لَا يَحِلُّ لِلْخَلِيفَةِ مِنْ مَالِ اللهِ إِلا قَصْعَتَانِ: قَصْعَةٌ يَأْكُلُهَا هُوَ وَأَهْلُهُ، وَقَصْعَةٌ يَضَعُهَا بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ"(۶۲)

(خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال میں سے صرف دو پیالوں کا حق ہے ایک خود کھائے اور اہل کو کھلائے اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے)۔

حکومت کے اہم ادارے اور ان کی ذمہ داریاں

حکومت کے اساسی و بنیادی ادارے درج ذیل ہیں۔

ا: انتظامیہ ۲ : محکمہ قضاء ۳: محکمہ فوج

ا- انتظامیہ: درحقیقت انتظامیہ حکومتی ایک سیاسی اور اصلاحی قوت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے نعمت سے تعبیر فرمایا ہے۔ انتظامیہ پر ضروری کہ وہ سرکاری مناصب کا صحیح استعمال کرتے ہوئے ریاستی اور انتظامی امور کے جتنے بھی عہدے اور مناصب ہیں، ان عہدوں اور مناصب پر اہل اور باصلاحیت اور امانت دار افراد کا تقرر کریں۔ اور یہ عہدے سیاسی رشوت اور اقربا پروری کی نذر نہ ہونے دیں ۔ کیونکہ جب کسی منصب و عہدے پر کسی نااہل اور جاہل کا تقرر ہوتا ہے، تو معاشرہ میں بدامنی، ظلم و زیادتی اور بے چینی آنا لازمی امر ہے۔ اور اس عمل کو لازمی بنائیں کہ بیوروکریٹس رشوت نہ لیں اور دباؤ میں آکر غلط فیصلے نہ کریں۔ سرکاری افسران اپنے محکمے سے ناجائز مراعات حاصل نہ کریں، ڈیوٹی پر پورا وقت دیں، دفتری اوقات میں غیر سرکاری کام نہ کریں۔

سرکاری ذرائع کو کام میں لا کر انسانی جان کا تحفظ، امن و امان، عدل و انصاف کے قیام کو یقینی بنائیں اور فتنہ وفساد، قتل وغارت ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ، جعلی ادویات، کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ، ٹیکس چوری، اسمگلنگ، سودی کاروبار، ہیروئن، چرس اور دیگر نشہ آور اور مضر صحت اشیاء پر کنٹرول کریں۔ اگر اور اپنی ترجیحات میں ان کو سر فہرست نہیں رکھیں گی وہ فلاحی مملکت کے قیام میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گی۔

۲- محکمہ قضاء: اللہ تعالی نے اپنے رسولوں، صحیفوں اور کتابوں کے بھیجنے کا بنیادی مقصد قیام عدل بتایا ہے۔ جو ظالم کے ہاتھ روکنے اور مظلوم کو حق دلانے کا ذریعہ ہے، لیکن جب قضاۃ حقوق دلوانے میں ناکام ہوتے ہیں تو اللہ کے نبی ﷺ نے اس بارے میں سخت وعیدیں سنائی ہیں۔

((الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ فِي النَّارِ فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ قَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ)) (۶۳)

(قاضی تین قسم کے ہیں: ایک قسم جنت میں جائے گی اور دو قسمیں دوزخ میں، جنت کا حقدار وہ شخص ہے جس نے حق کو پہچان کر اس کے مطابق فیصلہ کیا اور جس شخص نے حق کو پہچان کر فیصلہ کرنے میں ظلم کیا وہ دوزخ میں ہے۔ اسی طرح جس شخص نے جہالت میں لوگوں کے فیصلے کیے وہ بھی دوزخ میں ہو گا)۔

محکمہ قضاء ایک اہم سرکاری شعبہ ہے۔ اگر قاضی اپنا فرض منصبی صحیح طور پر ادا کر رہا ہے۔ تو ریاست کے استحکام کا سبب ہو گا۔ وگرنہ ریاست کی تباہی اور ظالم کو قوی کرنے اور مظلوم کی آہوں میں اضافے کا باعث ہو گا۔ جس سے ریاست کے ستونوں کو ہلنے کا خطرہ لاحق ہو گا۔ قاضی کی پاس قضاء کا عہدہ امانت ہے۔ قاضی کے تقرر میں قانون سے واقفیت کا حامل ہونا اور عدل کو یقینی بنانے کی صلاحیت کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ ایسے شخص کو قضاء کا منصب نہیں سونپا جا سکتا جو کسی کے دباؤ یا لالچ وغیرہ کو خاطر میں لانے والا ہو۔ لہٰذا قانون میں مساوات کا قیام از حد ضروری ہے، اس میں دوست دشمن کی تفریق بھی کسی

طور پر قابل لحاظ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اس قوم کو بزرگی نہیں دے گا اور تقدیس عطا نہیں کرے گا جس میں عدل سے فیصلے نہیں ہوتے اور غریب کا حق قوی سے نہیں لیا جاتا [۶۴]۔

۳۔ محکمہ فوج: ریاست کی حفاظت فوج کے پاس ایک عظیم امانت ہے یہی وجہ ہے کہ اگر وہ میدان جنگ یا محاذ جنگ میں مورچہ بند ہو کے ہمہ وقت اس امانت کا ہر طرح سے چوکنا ہو کر ذمہ داری ادا کر رہی ہے جو بڑے حوصلے اور عزیمت والا کام ہے اللہ نے ایمان والوں کو اس اہم ذمہ داری کی طرف ان الفاظ میں متوجہ کیا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱصۡبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ﴾ [۶۵]

(اے ایمان والو تم ثابت قدم رہو، ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لیے تیار رہو تاکہ تم مراد کو پہنچو)۔

اللہ نے حکم دیا ہے کہ دشمن کے مقابلے کے لئے بھرپور حربی قوت سے لیس ہو کر تیار رہو تاکہ اللہ کے دشمنوں کو اس سے خوف زدہ کر سکوں اس لیے حدیث میں اس امانت کی ادائیگی کی فضیلت ان الفاظ میں ذکر ہوئی ہے:

((رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنْ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا)) [۶۶]

(اللہ کے راستے میں ایک دن پڑاؤ ڈالنا یعنی مورچہ بند ہونا دنیا ومافیہا سے بہتر ہے)۔

چونکہ حفاظتِ ریاست کی ذمہ داریوں میں کوتاہی قوم وسلطنت کی تباہی ہے اس لیے اللہ اور رسول ﷺ نے اس کوتاہی کو ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَمَن يُوَلِّهِمۡ يَوۡمَئِذٖ دُبُرَهُۥٓ إِلَّا مُتَحَرِّفٗا لِّقِتَالٍ أَوۡ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٖ فَقَدۡ بَآءَ بِغَضَبٖ مِّنَ ٱللَّهِ وَمَأۡوَىٰهُ جَهَنَّمُۖ وَبِئۡسَ ٱلۡمَصِيرُ ﴾ [۶۷]

(جو دشمن سے مدمقابل ہو جائے تو ان سے پشت مت پھیرنا۔۔ اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اسکا ٹھکانہ جہنم ہو گا جو بہت بری جگہ ہے)۔

اس ذمہ داری اور امانت سے فرار پیغمبر اسلام نے سخت ناپسند فرمایا: اور اسے سات مہلکات میں سے شمار کیاہے۔ارشادنبوی ہے:((اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ.. وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ)) [٦٨] (سات مہلکات سے بچو۔۔۔(ان میں سے ایک)اور قتال کے دن بھاگنے سے بچو)۔

یہ سخت ترین سزا اس لیے مقرر ہے کہ ریاست کی حفاظت ایک امانت ہے اور اس امانت میں خیانت وکمزوری ساری قوم کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔

حاصل بحث

افسوس! آج ہم اس قوت کے برکات اور نعمتوں سے محروم ہیں، قتل وغارت گری،ڈھاکہ زنی،بدامنی،بے چینی اور بدانتظامی میں روز بروز اضافہ ہورہاہے۔اگر ہم بے لاگ طریقے سے اپنا محاسبہ کرلیں، تو ہم یہ ضرور تسلیم کرلیں گے کہ مالی معاملات میں گڑبڑ ہمارا قومی مزاج بن چکاہے۔بلکہ یہ مزاج کچھ ایسا بگڑا ہے کہ اب ہمیں حلال کھانے میں مزہ ہی نہیں آتا۔اوپر سے نیچے تک رشوت ستانی،لوٹ مار، فراڈ اور دھوکہ دہی کی داستانیں غریب کی جھونپڑی سے لے کر امیر کے محل تک پھیلی ہوئی ہیں۔وطن فروشی، ایمان فروشیاور ضمیر فروشی میں کوئی عیب نہیں۔ چوری ڈکیتی میں کوئی شرم نہیں ۔سودی کاروباراور مال کی شدید ترین محبت جو صرف یہود کا خاصہ تھی، وہ ہمارا قومی مزاج بن گئی ہے۔

یوں محسوس ہوتاہے کہ پوری قوم کرپٹ ہوچکی ہے،کوئی سرکاری سودابغیر کمیشن کے طے نہیں طے پاتا۔ہر محکمے میں رشوت کا چلن عام ہے۔تھانوں،کچہریوں،عدالتوں میں رشوت،علم کے حصول،داخلوں،امتحانات میں رشوت،امپورٹ ایکسپورٹ میں رشوت،شناختی کارڈ، پاسپورٹ بنوانے میں رشوت،ڈرائیونگ لائسنس حاصل کرنے میں رشوت....

جب فوجی ادارے اپنے ذمہ داریوں میں زبردست کوتاہی،خیانت،غلول کرنے لگ گئے اور اپنی ہی ریاستوں پر قابض ہو جائیں گے تو پھر ریاستوں کو استحکام کیسے میسر ہو گا ؟ ہر جگہ، ہر ریاست میں امت مسلمہ مصائب وآلام سے دوچار ہے اور ہر جگہ اسلامی حکومتیں دشمنوں کے نرغے میں ہے۔مصر، شام،الجزائر،پاکستان،افغانستان اور فلسطین وغیرہ اس کے واضح اور بیّن ثبوت ہیں۔ جب صاحب اقتدار کا رویہ یہ ہوجائے کہ وہ خود ظالم بن جائیں، ظلم روکنا تو دور کی بات ہے۔ تو پھر تمام انسانی سوسائٹی کیونکر

مبتلائے عذاب نہ ہو گی، ہر جگہ انتشار اور بے اطمینانی کیوں نہ ہو گی۔ اور جب سماج اور معاشرہ اس قسم کے ظلم کی آماجگاہ بن جائے تو پھر زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو۔

موجودہ دور میں مسلمان ملت کی ابتری کی غالب وجوہات یہی اقربا پروری، رشوت ستانی، غلط تعلقات اور مفادات کی سیاست اور تدبیر المنزل وحکومت کی غلط پالیسیاں جس نے مسلمانوں سے احساس ذمہ داری، ایمانداری اپنانے اور فرائض منصبی ادا کرنے سے غافل کر دیا ہے، نااہلوں اور کرپٹ افسران وکارندوں کی وجہ سے اداروں کے کروڑوں اور کھربوں، اربوں کی مشینریاں، سامان، کارخانے، ادارے اور سوسائٹیاں تباہی کے دہانے پر پہنچ چکے ہیں اور امت مسلمہ زبوں حالی وپریشانی کا زبردست شکار ہے۔ ہر جگہ اور ہر ادارے میں بڑے پیمانے پر تباہی وبربادی نظر آرہی ہے اور ہر سو قیامت برپا ہے۔ جس سے مخبر صادق ﷺ نے بہت پہلے ہی خبردار کر دیا ہے۔

جب حالات ایسے ہوں تو ملک میں امن وسلامتی، معاشی ترقی اور خوش حالی کیسے آئی گی؟ جب مناصب بیچے اور خریدے جاتے ہوں، ذمہ داریوں سے جی چرایا جاتا ہو، نااہلوں کو امانتیں سونپی جاتی ہوں، مظلوموں کے حقوق سے آنکھیں بند کی جاتی ہوں، ظالموں کی طرف داری کی جاتی ہوں اورانسانی حقوق پامال کرتے ہوئے عدل وانصاف کا خون کیا جاتا ہو۔

بخدا! آج ہماری قومی اور بین الاقوامی بگاڑ کی خاص وجہ صرف اور صرف امانت میں خیانت ہے۔ آج نظام کی خرابی صرف اور صرف قرآن اور نبی پاک ﷺ کی تعلیمات پر عمل نہ کرنے اور نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے کہ تعلقات اور سفارشوں اور رشوتوں سے عہدے تقسیم کئے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نااہل اور ناقابل اور بے صلاحیت لوگ عہدوں پر براجمان ہو جاتے ہیں اور ادارے ہوں یا حکومت سارا نظام برباد ہو جاتا ہے۔ جب تک ظلم کا خاتمہ نہیں کیا جاتا تو معاشرے میں امن وسکون نہیں آسکتا اور ظلم وظالم کی وجہ سے معاشرے کے تمام لوگ مبتلائے عذاب ہوں گے۔

موجودہ دور سائنسی انقلاب اور تمام تر ترقیوں کے باوجود ایک بڑے خطرناک طوفان کی خبر دے رہے ہیں اور یہ حضرت انسان ایسی خرابیوں میں گرفتار ہو چکا جو خود اس سے حل نہ ہونے والا ہے۔

بقول اقبال:

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا — آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کے شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا[۶۹]

ان ساری خرابیوں کا علاج صرف اسی میں پنہاں ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی قومی اور ملی ہر قسم کے منصب، عہدہ اور ذمہ داری میں ایمان داری اور ادائے امانات کا فریضہ صحیح طور پر ادا کریں، یعنی حکومت کے عہدوں پر صرف انہی لوگوں کو مقرر کریں جو صلاحیت کار امانت و دیانت کی رو سے اس عہدے کے لئے سب سے بہتر نظر آئیں، دوستی اور تعلقات یا محض سفارش یا رشوت کو آڑے نہ آنے دیں ورنہ نتیجہ یہ ہو گا کہ نااہل ناقابل، خائن اور ظالم لوگ عہدوں پر قابض ہو جائیں گے، پھر اگر کوئی چاہے بھی کہ سرکاری مناصب کے لئے جائز ذرائع عدل و انصاف استعمال کرنا چاہے تو یہ ناممکن ہو جائے گا کیونکہ یہ عہدہ داران حکومت ہی حکومت کے ہاتھ پیر ہوتے ہیں، جب یہ خائن ہو جائیں یا نااہل ہوں تو عدل و انصاف کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱) ابن منظور، لسان العرب، ص: ۱۲/۱۴۱، الطبعة الثالثة، دار صادر، بيروت، ١٤١٤ هـ

۲) الزّبيدي، تاج العروس من جواہر القاموس، ص:۴/۲۸۱، دار الهداية

۳) الدكتور أحمد مختار عمر، معجم اللغة العربية المعاصرة، ص:۵۴۰، عالم الكتب، القاهرة ۲۰۰۸

۴) المعجم الوسيط، مجمع اللغة العربية بالقاهرة، ص:۲/۹۲۴، دارالدعوة

۵) ابن منظور، لسان العرب، ص: ۸/۹۶

۶) ابن قیم، إعلام الموقعین، ۳/۱۱۷، دارالکتب العلمية، بيروت

۷) سورۃ النساء:۵۸

۸) ابن العربی، احکام القرآن، ص:۱/۴۵۰، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۸م

۹) مفتی شفیع، معارف القرآن، ص:۲/ ۴۴۶، ادارہ معارف القرآن، ۲۰۰۶ء

۱۰) ابوالأعلی مودودی، تفہیم القرآن، ص:۲/۱۳۴، اسلامک پبلی کیشن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور، ۲۰۰۳ء

۱۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۲۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت

۱۲) صحیح بخاری، حدیث نمبر ۱۵۶۱، :الناشر: دار طوق النجاة، الطبعة الأولى، ١٤٢٢ هـ

۱۳) صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۲۰

۱۴) ﴿قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ سورۃ البقرۃ:۲۴۷

۱۵) ﴿قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ﴾ سورۃ یوسف:۵۵

۱۶) ﴿إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ﴾ سورۃ القصص:۲۶

۱۷) مسند أحمد، مسند ابی ہریرۃ، حدیث نمبر ۸۶۸۷، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، ۲۰۰۱م

۱۸) مسند أحمد، مسند ابی ہریرۃ، حدیث نمبر ۸۷۲۹

۱۹) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر ۵۱۴، المكتبة العصرية، صيدا، بيروت

۲۰) صحیح بخاری، حدیث نمبر ۸۵۹

۲۱) مسند أحمد، مسند حذيفة بن اليمان، حدیث نمبر ۲۳۳۷۷

۲۲) مسند أحمد، مسند ابی ہریرۃ، حدیث نمبر ۷۸۸۷

۲۳) صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۶

۲۴) المعجم الکبیر،الطبرانی حدیث نمبر۱۱۲۱۶،دار النشر:مكتبة ابن تيمية، القاهرة
۲۵) مسند أحمد، مسند ابی بکر، حدیث نمبر ۲
۲۶) ابن کثیر، مسند الفاروق، ص:۲/ ۵۳۷، دار النشر:دارالوفاء، المنصورة
۲۷) ابن کثیر، مسند الفاروق، ص:۲/۵۳۷
۲۸) البیہقی، السنن الکبری، حدیث نمبر۲۰۴۷۴،دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان، ١٤٢٤ هـ
۲۹) صحیح بخاری، حدیث نمبر ۲۰۶۴
۳۰) صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۲۷
۳۱) البیہقی ، شعب الإیمان، حدیث نمبر ۷۲۶۹، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض، الطبعة الأولى، ١٤٢٣ هـ-٢٠٠٣ م
۳۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر ۳۰
۳۳) مسند احمد، حدیث عدی بن عمیرہ الکندی، حدیث نمبر ۱۷۷۱۷
۳۴) مسند احمد، حدیث مستورد بن شداد، حدیث نمبر ۱۸۰۱۷
۳۵) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر ۱۱۷۶
۳۶) صحیح مسلم، حدیث نمبر ۳۰
۳۷) صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۹
۳۸) مسند أحمد، حدیث مقداد بن الأسود، حدیث نمبر ۲۳۸۱۵
۳۹) سورۃ النساء:۸۵
۴۰) مسند أحمد، حدیث ابي موسی الأشعری، حدیث نمبر ۱۹۷۰۶
۴۱) مسند أحمد، مسند ابي بکر الصدیق، حدیث نمبر ۲۱
۴۲) ابن سعد ، الطبقات، ص:۳ /۱۳۷ ، دار صادر بيروت، الطبعة الأولى، ١٩٦٨ م
۴۳) ابن سعد ، الطبقات، ص:۳ /۱۳۷
۴۴) ابن سعد ، الطبقات، ص:۳ /۱۳۷
۴۵) القاضی أبو یوسف، کتاب الخراج، ص:۶۷، دار المعرفة بيروت لبنان بولاق عام ۱۳۰۲ھ
۴۶) علی متقی ، کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، ص:۶/ ۳۵۰، مؤسسة الرسالة
۴۷) ابن سعد ، الطبقات، ص:۳ /۱۹۹

۴۸) محمد بن جریر الطبری، تاریخ الطبری ،ص:۴/۲۴۱ دار التراث بیروت، الطبعة الثانية - ۱۳۸۷ ھ
۴۹) کنز العمال، ص:۶/۳۶۰
۵۰) کنز العمال، ص:۶/۳۵۷
۵۱) کنز العمال، ص:۶/۳۵۷
۵۲) ابن سعد ، الطبقات، ص:۳/۱۹۹
۵۳) کنز العمال، ص:۶/۳۶۰
۵۴) کنز العمال، ص:۶/۳۵۰
۵۵) کنز العمال، ص:۶/۳۶۰
۵۶) محمد بن جریر الطبری، تاریخ الطبری، ص:۴/۲۴۵
۵۷) محمد بن جریر الطبری، تاریخ الطبری، ص:۴/۲۴۵
۵۸) القاضي أبو یوسف، کتاب الخراج، ص:۲۶۷
۵۹) محمد بن جریر الطبری، تاریخ الطبری، ص:۵/۱۳۰
۶۰) محمد بن جریر الطبری، تاریخ الطبری، ص:۴/۶۹
۶۱) ابن شیبه، مصنف ابن شیبه، ص:۶/۴۵۸ مكتبة الرشد، الرياض
۶۲) مسند أحمد، مسند علی بن طالب، حدیث نمبر ۵۷۸
۶۳) سنن ابو داؤد، حدیث نمبر ۱۸۰
۶۴) الطبرانی، الطبرانی الکبیر، ص: ۲/۱۹، مكتبة ابن تيمية، القاهرة
۶۵) سورۃ آل عمرآن :۲۰۰
۶۶) صحیح بخاری، حدیث نمبر ۱۶۳
۶۷) سورۃ الأنفال:۱۶
۶۸) صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر ۴۲
۶۹) اقبال، ضرب کلیم، ص:۹۳، "زمانہ حاضر کا انسان"،۱۹۹۶ء، نیشنل بک فاؤنڈیشن۔

* *

زیب وزینت میں لباس کی شرعی حیثیت

Fashionable Dressing according to Shariah

سبین اکبر*

ABSTRACT

Fashionable dressing is a very sensitive issue for females, it creates sometimes confusion that what are the limits and orders of "Shariah" for it. So I try to inform all females a proper dress code in the light of Islamic "Shariah".

Islam is not against the fashion but it says that it should be only for "Mahrams" and it should not be out of limits. So the article deals to clarify needs and importance of dress, dress codes in Islam as well as the usage of different type of dressings like thin, fitted, expensive and costly, male dresses, uneven *(not according to Islam) etc.It* will clarify the confusion which makes us confused in fashionable dressing and how much it is allowed to keep them in use.

Islam has provided guidance in dressing like in any other fields of life as well as fashion is allowed by Allah as blessing but according to the rules and regulation of Islamic "Shariah" and do not try to go against it. That is why we have to be aware and careful while fashioning.

Keywords: Fashion, Dress ,Shariah, Usage of dresses, Females.

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، بلوچستان یونیورسٹی آف آئی ٹی اینڈ منیجمنٹ سائنس، کوئٹہ

شریعت اسلامیہ نے جیسے دیگر امور و معاملات میں فطرت انسانیہ وطبیعت انسانیہ کے تقاضوں کے پیش نظر عرف وعادات کو سوار حکم بنایا، ایسے ہی زیب و زینت کے معاملہ میں دائرہ جواز کو بڑا وسیع رکھا۔ دوسری طرف دینِ حنیف کو چونکہ قانونِ الٰہی کا شرف حاصل ہے جو انسان کے فطرتِ سلیمہ کے عین مطابق ہے اس لئے اس میں ان فطری تقاضوں کا لحاظ بھی ایک لازمی امر تھا۔ تاکہ عرف وعادات کی آڑلے کر کہیں سادہ لوح مسلمان یورپی بہیمانہ تہذیب کے خوگر نہ بنیں، اس لئے انسانی زندگی کے دیگر پہلوؤں کی طرح اسلام میں زیب وزینت میں لباس کو خاطر خواہ اہمیت حاصل ہے۔

زیب وزینت کا معنی ومفہوم:

زیب و زینت کا استعمال تزئین اور تجمل میں ہے اور اس کے معنی خوبصورت بننا اور اس کی کوشش کرنا اور خوبصورت بننے کے ذرائع استعمال کرنا ہے۔ مولانا وحید الزمان اپنی کتاب "القاموس الوحید" میں زیب و زینت کے لغوی معنی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ: "زیب و زینت کے لغوی معنی آراستہ کرنے، خوبصورت بنانے" کے ہیں۔ عربی میں "امراۃ زائنۃ" کے لغوی معنی "بنی سنوری ہوئی عورت" کے آتے ہیں(۱)۔

جبکہ "لسان العرب" میں زیب وزینت کا تقابل کچھ یوں بیان ہوا ہے کہ:

> "اس کا مد مقابل لفظ عربی میں "شین" بگڑا ہوا آتا ہے۔ زینت کا اصل مادہ "زین" ہے اس لئے بننے سنورنے والے کو مذین کہتے ہیں اسی طرح زینت کے معنی ہر اس چیز کے آتے ہیں جس سے آراستگی کی جائے آراستہ ہو جائے یا بنا سنورا جائے اس کا ایک لفظ "تزین" بھی آتا ہے جس کے باب تفصل ہونے کی وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ "زینت" کا لغت میں کسی زائد چیز پر اطلاق ہوتا ہے۔"(۲)

مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں زیب و زینت کا اصطلاحی مفہوم بھی واضح ہوتا ہے جس سے مراد وہ تمام طریقے یا ذرائع ہیں کہ جن مدد سے کوئی شخص اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کرتا ہے اور اس کے علاوہ زینت و سنگھار کا لفظ اصلی حسن کو بھی شامل ہے اور اس کو بھی حسن اصل میں اضافہ کیا جائے۔ کیونکہ قرآن کریم میں اصلی حسن کی بعض چیزوں کو بھی زینت کہا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ﴾[۳]

(اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنی ستر کو اور نہ دکھلائیں اپنا سنگھار۔)

مندرجہ بالا آیت میں ستر پوشی، زینت اور حُسنِ اصلی کی نمائش مراد لی گئی ہے، مزید مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ زینت کا مفہوم کچھ یوں لکھتے ہیں کہ:

"سنگھار عرف میں خارجی اور کسی آرائش کو کہتے ہیں جو مثلاً لباس یا زیور وغیرہ سے حاصل ہو۔ احقر کے نزدیک یہاں "زینت" کا ترجمہ "سنگھار" کے بجائے زیبائش کیا جاتا تو زیادہ جامع اور مناسب ہوتا، زیبائش کا لفظ ہر قسم کی خلقی اور زینت کو شامل ہے، خواہ جسم کی پیدائشی ساخت سے متعلق ہو یا پوشاک وغیرہ خارجی ٹیپ ٹاپ سے۔"[۴]

زیب وزینت کی ضرورت واہمیت:

ہر انسان مرد ہو یا عورت اگر فطرت سلیمہ پر قائم ہو، لباس و پوشاک اور جسم کی صفائی و ستھرائی کا خیال رکھتا ہے۔ لباس بھی ایسا کہ اس کا جسم دوسروں سے مستور رہے یہ انسان کا فطری تقاضا ہے۔ اور پھر جہاں عورتوں کی بات آتی ہے تو عورت کو انسانی زندگی میں بہت اہم مقام حاصل ہے۔ عورت مرقعِ فطرت ہے، کائنات کا سارا حُسن عورت ہی کے دم قدم سے ہے اور اسلام نے عورت کو سب سے پہلے اس کے وجود، حیثیت اور مرتبے کا احساس دلایا ہے اور یہ عورت پر اسلام کا احسان ہے اور اس کے علاوہ عورت کو زیب وزینت کا بنیادی و فطری حق بھی دیا ہے، جو کہ بعض حالات میں اس پر واجب ہو جاتا ہے لیکن موجودہ زمانے میں نت نئے فیشن نے ہر معاملے میں آگے بڑھنے کی دوڑ نے عورت کو بناؤ سنگھار کے معاملے میں حدود سے آگے نکال دیا ہے، حالانکہ دین اسلام میں صرف محرموں کے سامنے زیب وزینت کا اظہار کرنا جائز قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَآئِهِنَّ أَوْ أَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ

إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ أَخَوَٰتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُنَّ أَوِ ٱلتَّٰبِعِينَ غَيْرِ أُو۟لِى ٱلْإِرْبَةِ مِنَ ٱلرِّجَالِ أَوِ ٱلطِّفْلِ ٱلَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا۟ عَلَىٰ عَوْرَٰتِ ٱلنِّسَآءِ ﴾ (۵)

(اور نہ کھولیں اپنا سنگھار مگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے خاوند کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں کے یا اپنے ہاتھ کے مال یا کاروبار کرنے والوں کے جو مرد کہ کچھ غرض نہیں رکھتے یا لڑکوں کے جنہوں نے ابھی نہیں پہچانا عورتوں کے بھید کو)۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ترجمے کی تفسیر "تفسیر القرآن الحکیم" میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ:

"یہاں سلف یہ بتلاتا ہے کہ جس قدر ستر کا اہتمام اجنبیوں سے تھا، اتنا محارم سے نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک عضو کو ان میں سے ہر ایک کے آگے کھول سکتی ہے یعنی جو عورتیں اس کے پاس بیٹھنے والی ہوں بشرطیکہ نیک چلن ہوں۔ بدراہ عورتوں کے سامنے نہیں اور بہت سے سلف کے نزدیک اس سے مسلمان عورتیں مراد ہیں۔ کافر عورت اجنبی مرد کے حکم میں ہیں، یعنی اپنی لونڈیاں (باندیاں) اور بعض سلف کے نزدیک محلوک غلام بھی اس میں داخل ہیں اور ظاہر قرآن سے اس کی تائید ہوتی ہے لیکن جمہور ائمہ وسلف کا یہ مذہب نہیں، یعنی کمیرے، خدمتگار جو محض اپنے کام سے کام رکھیں اور کھانے سونے میں غرق ہوں شوخی نہ رکھتے ہوں یا فاتر العقل، پاگل جن کے حواس وغیرہ بھی ٹھکانے نہ ہوں۔ محض کھانے پینے میں گھر والوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں یا جن لڑکوں کو ابھی تک نسوانی سرائر کی کوئی تمیز نہیں، نہ نسوانی جذبات رکھتے ہیں۔" (۶)

اسلام عورت کے بناؤ سنگھار کا قطعی مخالف نہیں ہے، لیکن اتنا ضرور چاہتا ہے کہ عورت کا بناؤ سنگھار حدود سے باہر نہ ہو، دنیا کے ہر رخ پہ ہونے کے بجائے صرف ایک رخ پہ ہو جائے، پردے کی شرعی پابندی کے ساتھ ہو۔ نامحرم مردوں کے بجائے صرف ایک ہی مرد کے لئے کیا جائے اور اس بناؤ سنگھار کو اس کے محارم ہی دیکھ سکیں اور وہ بھی مکمل آداب کے ساتھ۔ جیسا کہ شریعت نے زیب و زینت اختیار

کرنے، صاف ستھرا رہنے اور لباس و پوشاک کا خیال رکھنے کی اجازت دی ہے۔ وہیں کچھ حدود و قیود بیان کئے ہیں جن کی پابندی کا حکم ہے۔ اس سلسلے میں رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ:

((لا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ، قَالَ رَجُلٌ: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا، وَنَعْلُهُ حَسَنَةً، قَالَ: إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ)) [۷]

(جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو گا، وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔ اس پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس عمدہ ہو، جوتا عمدہ ہو، تو کیا یہ بھی تکبر میں داخل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جمیل ہے، حسن و جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو یہ ہے کہ حق بات کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا اور ان کے ساتھ توہین آمیز رویہ رکھنا۔)

اس سے واضح ہوا کہ شرعی حدود میں رہ کر عمدہ لباس سے زیب و زینت اختیار کرنا شرعاً ممنوع نہیں، بلکہ محمود ہے۔ لہٰذا مرد و عورت دونوں کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اور اسلام کے بنیادی احکامات کو مد نظر رکھتے ہوئے لباس زیب تن رکھنا چاہیئے۔

لباس کا مفہوم:

"لباس" عربی زبان کا لفظ ہے اور لغت کے اعتبار سے لباس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو انسان زیب تن کرے۔ عربی لغت کے مشہور عالم علامہ ابن منظور افریقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

واللِّباسُ: ما يُلْبَس، وكذلك المَلْبَس واللِّبْسُ، بالكسر، مثلُه[۸]

(اور لباس نام اس چیز کا جو پہنی جائے اور اسی طرح اس کو ملبس (بروزن مذہب) بھی کہتے ہیں، نیز لبس بھی اسی طرح ہے)۔

جہاں تک لباس کے شرعی معنی کا تعلق ہے تو شریعت اسلامیہ نے جیسے دیگر امور و معاملات میں فطرت انسانیہ و طبیعت انسانیہ کے پیش نظر عرف و عادات کو مدار حکم بنایا، ایسے ہی لباس کے معاملے میں دائرہ جواز کو بڑا وسیع رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام نے سکھ قوم کی طرح امت مسلمہ کے افراد کو ایک

خاص ہیت و وردی کا پابند نہیں کیا۔ بلکہ انسانی زندگی کے وسیع ترین پہلو لباس کے معاملے میں وسعت نظری کو ملحوظ رکھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ قَدۡ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسٗا يُوَٰرِي سَوۡءَٰتِكُمۡ وَرِيشٗاۖ ﴾ (۹)

(اے اولاد آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہاری پردہ داریوں کو چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے۔)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"یعنی اس ظاہری لباس کے علاوہ جس سے صرف بدن کا ستر یا تزین ہوتا ہے ایک معنوی پوشاک بھی ہے جس سے انسان کی باطنی کمزوریاں جن کے ظاہر کرنے کی اس میں استطاعت پائی جاتی ہے پر وہ خفا میں رہتی ہیں، منصّہ ظہور و فعلیت پر نہیں آنے پاتیں اور یہی معنوی پوشاک سے قرآن نے لباس التقوی فرمایا باطن کی زینت و آرائش کا ذریعہ بنتی ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو ظاہری بدنی لباس بھی اس باطنی لباس کو زیب تن کرنے کے لئے شرعاً مطلوب ہے۔"(۱۰)

لباس کی ضرورت واہمیت:

لباس سے ستر ڈھانکنا بے حد ضروری اور بنیادی احکامات میں سے ہے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کسی قول و عمل سے بات ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے کسی خاص لباس کو تمام مسلمانوں کے لئے لازم کر دیا ہو۔ تاہم ذخیرۂ احادیث اور کتب فقہ کے مطالعے سے یہ ضرور ثابت ہے کہ لباس کے سلسلے میں چند اہم شرائط ہیں اور ان شرائط کو مد نظر رکھ کر کوئی بھی لباس پہنا جاسکتا ہے۔ جبکہ خواتین کے لباس میں دور حاضر میں جو طریقہ کار عام ہیں وہ یہ ہیں کہ:

- باریک لباس کا استعمال
- تنگ لباس کا استعمال
- قیمتی و مہنگے لباس کا استعمال
- مردانہ لباس کا استعمال

- غیر اسلامی لباس کا استعمال وغیرہ

اسلام میں ستر پوشی کی حدود:

اسلام جس طرح باقی مذاہب سے ممتاز اور کامل دین ہے۔ اسی طرح اسلامی لباس بھی دیگر قوموں کے لباس سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے جسے اختیار کئے بغیر کوئی شخص کامل مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اسلام نے کسی خاص لباس کو شرعی لباس قرار نہیں دیا، بلکہ لباس کے بارے میں حدود متعین کر دیئے ہیں۔ وہ بھی اس لئے کہ معاشرے میں فتنے کو تقویت نہ ملے اور تاکید کی گئی کہ لباس ایسا ہو، جو سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم کو ڈھک دے۔ کیونکہ ستر ڈھانپنے کے بعد لباس پہننا واجب ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ قَدۡ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسٗا يُوَٰرِي سَوۡءَٰتِكُمۡ وَرِيشٗاۖ وَلِبَاسُ ٱلتَّقۡوَىٰ ذَٰلِكَ خَيۡرٞۚ ذَٰلِكَ مِنۡ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُونَ ﴾ (11)

(اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا کہ تمہارے جسم کے قابل حصوں کو ڈھانکے اور تمہارے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔)

یعنی یہ نہ سمجھو کہ نعمت تو ظاہری لباس ہی ہے، جیسے کیسے بھی ہو۔ بلکہ لباس ظاہری کی مشروعیت ہی اصل میں اس لئے ہے کہ تم اس کے ذریعے لباس تقویٰ یعنی پرہیز گاری اور گناہوں سے حد درجہ دور رہنے کا لباس حاصل کر سکو، جو تمہیں گناہوں سے دور رکھ کر تمہارے ظاہری و باطنی حسن کے نکھار کا سبب بنے۔ مزید یہ کہ لباس اپنی استطاعت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ فخر و نمائش اور تکلف کا اہتمام کرنا درست نہیں چنانچہ فخر، تکبر اور دکھاوے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ارشاد نبوی ہے:

((من لبس ثياب شهرة في الدنيا ألبسه الله لباس الذل يوم القيامة)) (12)

"جو شخص اپنی عزت طلبی اور بڑائی کے اظہار کی غرض سے اعلیٰ و نفیس لباس پہنے، اللہ رب العزت اسے قیامت کے دن ذلت و حقارت کا لباس پہنائے گا۔"

یعنی کا پورا بدن "ستر" ہے۔ جسے چھپانا شرعی، طبعی اور عقلی طور پر فرض ہے اور ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض جس پر عمل ضروری ہے وہ ستر عورت ہے یعنی اعضائے مستورہ کو چھپانا ہے۔

باریک لباس کا استعمال:

اسلام نے عورت کو حیاء اور شرم سکھائی ہے اور ایسے کپڑے پہننے کی ممانعت فرمائی ہے جن کا پہننا یا نہ پہننا برابر ہو۔ عورتیں سروں پر ایسے دوپٹے اوڑھیں جن سے بال چھپ جائیں، گردن اور گلہ ڈھک جائے۔ قمیض، جمپر اور فراک بھی ایسا پہنیں جن سے بدن نظر نہ آئے۔ آستین پورے ہوں، گلے اور گریبان میں اس بات کا خیال رکھیں کہ پیچھے اور آگے سینے کا کچھ بھی حصہ کھلا نہ رہے۔ شلوار اور ساڑھی وغیرہ بھی ایسے کپڑوں کی پہنیں، جس سے ران، پنڈلی وغیرہ کا کوئی حصہ دکھائی نہ دے یعنی لباس اتنا ہلکا و باریک نہ ہو کہ جسم اندر سے نظر آئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

((أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ ، فَأَعْرَضَ عَنْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) (١٣)

(اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں اور انہوں نے باریک لباس زین تن کیا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منہ موڑ لیا۔)

دراصل باریک لباس جس سے جسم نظر آئے، ایسے کپڑے کا پہننا یا نہ پہننا برابر ہے۔ ایسا لباس شریعت کی نظر میں لباس ہی نہیں ہے۔ اور جو خواتین بہت باریک اور چست لباس پہنتی ہیں جس کی وجہ سے کپڑے پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ دوسروں کے سامنے نمایاں ہوتی ہے، ایسی خواتین کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا: قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ. وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ، رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ. لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا)) (١٤)

(دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھوں میں گائے کی دموں کی طرح کوڑے ہیں جن سے وہ لوگوں کو پیٹ رہے ہیں۔ ایک جماعت ایسی عورتوں کی ہوگی جو کپڑے پہنے ہوں گی (مگر اُس کے باوجود) ننگی ہوں گی۔ (مردوں کو) مائل کرنے والی اور (خود اُن کی طرف) مائل ہونے والی ہوں گی

اُن کے سر خوب بڑے بڑے اونٹوں کے کوہانوں کی طرح ہوں گے، جو جھکے ہوئے ہوں
گے۔ یہ عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اُس کی خوشبو سونگھیں گی۔ اور اس میں
شک نہیں کہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی دور سے سونگھی جاسکتی ہیں۔)

دورِ حاضر کے فیشن نے لباس کے اصل مقصد کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ آج کل خواتین میں ایسے لباس کا زیب تن کرنا عام رواج ہو گیا ہے جس نے رسول ﷺ کی پیشینگوئی کو سچا اور پورا کر دیا۔ اور ایسا لگتا ہے کہ آپ ﷺ نے آج کی فیشن ایبل عورتوں کو دیکھ کر یہ بات ارشاد فرمائی۔ لہذا ہمیں لباس زیب تن کرتے ہوئے اس قسم کی زیب وزینت سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "احکام القرآن" میں باریک لباس سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"جس طرح سرے سے بے پردہ لباس پہننا حرام ہے بالکل اسی طرح ایسی فیشنی چادروں
اور برقعوں اور کپڑوں سے کہ جن سے بدن یا اپنے کپڑے جھلکتے ہوں، پردہ کرنا جائز نہیں
بلکہ پردہ اور ستر کو موٹے جس سے بدن نظر نہ آئے کپڑے سے کرنا چاہیئے۔ یہ بھی تبرج
میں سے ہے کہ کہ عورت ایسا باریک لباس پہنے جس سے اس کا بدن نظر آئے"۔[۱۵]

خلاصہ یہ ہے کہ خواتین کا ایسا لباس پہننا جس میں جسم کے پوشیدہ اعضاء کی وضاحت ہوتی ہو، حرام اور ناجائز ہے۔

تنگ لباس کا استعمال:

لباس پہننے کا اصل مقصد ستر عورت ہے اور عورتوں کو مکمل بدن ڈھانپنے کا پابند کیا گیا ہے۔ اسی لئے عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ باہر نکلتے وقت بڑی چادر اوڑھ لیں، تاکہ ان کے جسم کا کوئی حصہ کھلا نظر نہ آئے۔ لہذا ایسا لباس پہننا، جو جسم کے پوشیدہ اعضاء کی نمائش کا باعث بنے، قِلّتِ حیاء کی علامت ہے۔ مسلمان عورت قطعاً اس کو پسند نہیں کرتی کہ اپنے جسم کے اعضاء کی نمائش کراتی پھرے، کیونکہ اس سے عورت کا جسم ظاہر ہوتا ہے اور صورتاً یہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں مگر حقیقتاً برہنہ ہیں۔

دراصل تنگ لباس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سے جسم کی ساخت، ابھار اور مکمل خدوخال نمایاں ہوتے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جو گزشتہ سطور میں ذکر کی گئی، بعض جہنمی عورتوں کی خاصیت

بیان کی گئی ہے کہ وہ حقیقت میں برہنہ، بظاہر کپڑے پہنے ہوں گی، اس حدیث کو مد نظر رکھتے ہوئے تنگ لباس کی ممانعت کا قاعدہ کلیہ علامہ کاسانی "بدائع الصنائع" میں لکھتے ہیں:

"ثم إنما يحرم النظر من الأجنبية إلى سائر أعضائها سوى الوجه والكفين أو القدمين إذا كانت مكشوفة فأما إذا كانت مستورة بالثوب فإن كان ثوبها صفيقا لا يلتزق ببدنها فلا بأس أن يتأملها ويتأمل جسدها لأن المنظور إليه الثوب دون البدن وإن كان ثوبها رقيقا يصف ما تحته ويشف أو كان صفيقا لكنه يلتزق ببدنها حتى يستبين له جسدها فلا يحل له النظر لأنه إذا استبان جسدها كانت كاسية صورة عارية حقيقة وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم لعن الله الكاسيات العاريات" [١٦]

(اجنبی عورت کا تمام بدن، چہرہ ہاتھ اور دونوں پاؤں کے سوا دوسرے حصوں پر نظر ڈالنا اُس وقت حرام ہیں جب وہ کھلے ہوں لیکن اگر وہ کپڑے میں چھپے ہوں پھر اگر کپڑا موٹا ہو جو اُس کے بدن کے ساتھ چپکا ہوا نہ ہو تو اُس کو غور سے دیکھنے اور اُس کے جسم پر نگاہ ڈالنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ اس صورت میں اُس کی نگاہ کا مرکز کپڑا ہے بدن نہیں ہے اور اگر وہ کپڑا باریک ہو جس سے نیچے والا حصہ جھانکتا ہوا نظر آتا ہو یا پھر وہ کپڑا دبیز ہو لیکن جسم کے ساتھ چپکا ہوا ہو یہاں تک کہ اس میں اُس کا جسم نظر آتا ہو تو اس صورت میں اُس کے لئے اُسے دیکھنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس صورت میں یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ اُس کا بدن اگرچہ بظاہر ڈھانپا ہوا ہے مگر حقیقت میں برہنہ ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ایسی عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔)

اسلام پردے، حیاء اور وقار کا مذہب ہے اس لئے اسلامی لباس کھلا ہونا چاہیئے، کیونکہ سر عام نمائش غیر ایمانی کے سراسر خلاف ہے۔ ایسے حیاسوز لباس سے قطعاً اجتناب کیا جائے۔

قیمتی و مہنگے لباس کا استعمال:

اللہ رب العزت نے اگر وسعت دی، تو اس کا اظہار کرنا جائز ہے، بشرطیکہ نام ونمود اور شہرت مقصود نہ ہوں۔ فتاویٰ بر ازیہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے بارے میں کچھ یوں آیا ہے کہ:

عن محمد أنه لم یر بأسا باللباس المرتفع جدا،قال علیه الصلاۃ والسلام تزین لعبادۃ ربك وقال علیه السلام إن الله جمیل یحب الجمال (۱۷)

(امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت قیمتی لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کیے لئے تزئین کیجیئے۔اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم مزید نے فرمایا بیشک اللہ تعالی خوبصورت ہے۔خوبصورتی کو پسند کرتا ہے)۔

گویا بہت قیمتی لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ نام ونمود کے لئے نہ ہو دراصل لباس اپنی مالی استطاعت کے مطابق ہونا چاہیئے،مالی استطاعت سے بڑھ کر فخر ونمائش اور تکلف کا اہتمام کرنا درست نہیں اور اس میں اسراف کرنا ناجائز ہے۔

اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا اصولی ارشاد ہے:

((كُلُوا وَاشْرَبُوا، وَتَصَدَّقُوا وَالْبَسُوا، مَا لَمْ يُخَالِطْهُ إِسْرَافٌ أَوْ مَخِيلَةٌ)) (۱۸)

(کھاؤ پیو اور صدقہ کرو البتہ اسراف اور تکبر سے اجتناب کرو۔)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کا کپڑا چاہو، پہنو، تمہارے لئے جائز ہے، لیکن اس میں اسراف نہ ہو اور اسراف اسی وقت ہوتا ہے جب آدمی اپنی حیثیت سے بڑھ کر نمائش کے لئے کپڑا پہنتا ہے اور جس کے پہننے سے تکبر پیدا ہوتا ہے، لیکن اگر اسراف و نمائش سے بچتے ہوئے اپنا دل خوش کرنے کے لئے قیمتی لباس پہنا جائز ہے، یعنی ایسا لباس پہننا جس سے جسم کو راحت و آرام اور تھوڑا سا آسائش کا مقصد بھی حاصل ہو، اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ جائز ہے۔اس ضمن میں علامہ صابونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ومما یؤکد أن التزین والتجمل مطلوب، وانه لیس من الکبریا الذی نهی عنه الإسلام (۱۹)

(شرعی دائرے میں رہ کر زیب و زینت حاصل کرنا یہ تکبر میں داخل نہیں۔یہ اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ زیب و زینت حاصل کرنا مطلوب ہے اور یہ اس تکبر میں داخل نہیں، جسے اسلام نے منع کیا ہے۔)

مردانہ لباس کا استعمال:

آج کل معاشرہ میں یہ چیزیں زیادہ مقبول ہو رہی ہیں کہ لڑکے، لڑکیوں کا لباس اور لڑکیاں، لڑکوں کے لباس سے زیب تن کرنے کے سیلاب کے بہاؤ میں بہہ رہے ہیں۔ مگر اسلام میں یہ سب باعث لعنت ہے۔ عورتوں کو مردانہ وضع اختیار کرنے کی ممانعت کے ضمن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ، وَالمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ)) [۲۰]

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مرد پر لعنت کی جو عورت کا لباس پہنے اور ایسی عورت پر لعنت کی جو مرد کا لباس پہنے۔)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

((وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَهِيَ تَخْتَمِرُ فَقَالَ: لَيَّةً لَا لَيَّتَينِ)) [۲۱]

(حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ وہ دوپٹہ باندھے ہوئے تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوپٹہ ایک بار لپیٹ کر اوڑھا کرو، مردوں کے دھاڑے کی طرح نہ باندھا کرو۔)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے بہت ہی نفرت تھی کہ مرد، زنانہ لباس پہنے یا کسی طرح بھی زنانہ پن اختیار کرے۔ اور اس بات سے بھی سخت نفرت تھی کہ عورتیں مردانہ لباس پہنیں یا مردانہ لباس اور چال ڈھال اختیار کریں اور اس نفرت کے باعث اس طرح کے مردوں اور عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

لیکن اگر مردانہ لباس کا استعمال گھر ہی میں ہو تو ضرورت کے وقت جائز ہے، بلا ضرورت گھر میں بھی جائز نہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ابن سیرین کا قول مردانہ لباس کے بارے میں یوں ہے کہ:

كانوا يكرهون زي الرجال للنساء، وزي النساء للرجال [۲۲]

(صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم مردوں کے طور طریقوں کو عورتوں کے لئے اور عورتوں کے طور طریقے مردوں کے لئے پسند نہیں کرتے تھے۔)

مصنف ابن ابی شیبہ اپنی کتاب "كتاب اللباس و الزينة" میں کچھ یوں لکھتے ہیں کہ:

"لأن الضرورات تبيح المحظورات" [٢٣]۔

(ضرورتیں محظورات کو جائز قرار دے دیتی ہیں۔)

غیر اسلامی لباس کا استعمال:

فیشن کے پیچھے چلنے میں خواتین سب سے آگے ہیں، خاص طور پر اس زمانے میں فیشن کی اتباع میں ان کا جو مزاج بن چکا ہے وہ قابل اصلاح ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ لباس اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے ہے، جس میں باریک دوپٹہ اوڑھنا، آدھی آستین کی قمیض پہننا، شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھنا، باریک لباس، بلاؤز، منی، جاندار کی تصاویر والے لباس، مزین برقع وغیرہ اس قسم کے لباس زیب تن کر کے وہ اپنے آپ کو فیشن ایبل سمجھتی ہیں۔ اور اسی راہ پر سمجھتے ہوئے وہ غیر اسلامی لباس سے زیب وزینت اختیار کرنے میں فخر محسوس کرتی ہیں، جبکہ شریعت میں اس قسم کے لباس کی شدید ممانعت ہے۔

باریک دوپٹہ کے بارے میں حضرت علقمہ ابی بن علقمہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں:

وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ عَنْ أُمِّهِ قَالَتْ: دَخَلَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَلَى عَائِشَةَ وَعَلَيْهَا خِمَارٌ رَقِيقٌ فَشَقَّتْهُ عَائِشَةُ وَكَسَتْهَا خمارا كثيفا [٢٤]

(حضرت حفصہ بنت عبدالرحمن اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائیں، انہوں نے باریک دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے پھاڑا اور اسے موٹا دوپٹہ پہنایا۔)

جبکہ آدھی آستین کی قمیض کے بارے میں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا کا عمل یوں بیان کرتے ہیں کہ:

وكانت هند لها أزرار في كميها بين أصابعها والمعنى أنها كانت تخشى أن يبدو من جسدها شيء بسبب سعة كميها فكانت تزرر ذلك لئلا يبدو منه شيء فتدخل في قوله "كاسية عارية [٢٥]

(حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا کا عمل منقول ہے کہ ان کی آستین کھلی ہوتی تھیں اور وہ اپنی آستینوں میں بٹن لگا کر اپنی انگلیوں میں ڈال دیتی تھی کہ وعید نبوی میں داخل نہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔اُس عورت کا بدن اگرچہ بظاہر ڈھانپا ہوا ہے مگر حقیقت میں وہ برہنہ ہے۔)

اسی طرح جہاں شریعت نے مردوں کو ٹخنے ڈھکنے سے منع فرمایا ہے، وہیں عورتوں کو ٹخنے چھپانے کا پابند کیا ہے۔ لہذا شریعت کے حکم کی خلاف ورزی یعنی مردوں کا ٹخنے ڈھکنا اور عورتوں کے ٹخنے کھلے رکھنا شیوۂ مسلمانی نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

((عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ مِنْ الْخُيَلَاءِ لَمْ يَنْظُرْ اللَّهُ إِلَيْهِ قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَكَيْفَ تَصْنَعُ النِّسَاءُ بِذُيُولِهِنَّ قَالَ تُرْخِينَهُ شِبْرًا قَالَتْ إِذًا تَنْكَشِفَ أَقْدَامُهُنَّ قَالَ تُرْخِينَهُ ذِرَاعًا لَا تَزِدْنَ عَلَيْهِ)) [۲۶]

(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو از راہ تکبر اپنے لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر نظر رحمت نہیں کریں گے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا" عورتیں اپنے لباس کا کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتیں ایک بالشت نیچے لٹکالیں، اس پر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاتھ بھر اور نیچے لٹکالیں، اس سے زائد نہ لٹکائیں۔)

اسی طرح برقع یا بڑی چادر (دوپٹہ) پہننے کا مقصد اجانب و غیر محارم کی نگاہوں سے محفوظ رہنا اور اس بات کی اطلاع ہے کہ عورت پردہ دار ہے۔ جبکہ ایسا برقع جو بوڑھی عورتوں کو بھی جاذب نظر بنادے ہرگز پہننا جائز نہیں۔ مفتی محمد شفیع عثمانی "معارف القرآن" میں رقم طراز ہیں:

"جب زیور کی آواز تک کو قرآن نے اظہار زینت میں داخل قرار دے کر ممنوع فرمادیا تو مزین رنگوں کا کامدار برقع پہن کر نکلنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہو گا۔"[۲۷]

سفارشات:

شریعت میں لباس سے زیب وزینت کو خاص اہمیت حاصل ہے،بحیثیت اشرف المخلوقات اُسے دیگر حیوانات سے ممیز کرنے والی نہایت اہم شئے اس کا لباس ہے، لہذا ہمیں لباس کا چناؤ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل چیزوں کو مد نظر رکھنا چاہیئے۔

- ستر ڈھانپنے کے بقدر لباس پہننا جائے،جو خلاف شرع نہ ہو۔
- لباس اتنا ہلکا اور باریک نہ ہو کہ جسم اندر سے نظر آئے۔
- تنگ و چست نہ ہو۔
- عورتوں کو مردوں جیسا لباس زیب تن کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔
- لباس اپنی مالی استطاعت کے مطابق ہونا چاہیئے، فخر و نمائش اور تکلف کا اہتمام کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

حواشی وحوالہ جات

۱) کیرانوی، مولاناوحیدالزمان قاسمی، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۷۳۲

۲) ابن منظور الافریقی، علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، دارالفکر، بیروت، ۱۹۵۶ء، ص:۱۳/۲۰۱

۳) سورۃالنور:۳۱

۴) شبیر احمد عثمانی، فوائد القرآن (تفسیر عثمانی)، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۶۰۹

۵) سورۃالنور:۳۱

۶) شبیر احمد عثمانی، القرآن الحکیم، ص:۶۱۰

۷) مسلم بن حجاج القشیریؒ، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانه، دارالسلام، ریاض، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث:۲۶۵

۸) ابن منظور الافریقی، لسان العرب، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸ء، ص:۱۲/۲۲۳

۹) سورۃالاعراف:۷/۲۶

۱۰) عثمانی، علامہ شبیر احمد، تفسیر عثمانی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور۔۲۰۰۱ء، ص:۲۷۵

۱۱) سورۃالاعراف:۷/۲۶

۱۲) احمد بن حنبل، المسند، بیروت، ۱۳۹۶ھ، ص:۲/۲۲۱

۱۳) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب اللباس، باب فیما تبدی المرأة من زینتها، دارلسلام، ریاض، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث:۱۴۰۴ : ۱۵۲۲

۱۴) مسلم بن حجاج القشیریؒ، کتاب اللباس والزینة، باب النساء الکاسیات العاریات المائلات والممیلات، رقم الحدیث:۵۵۸۲

۱۵) ابن العربی، ابی بکر محمد بن عبداللہ، احکام القرآن، ص:۳/۵۶۸

۱۶) الکاسانی، علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود، بدائع الصنائع، کتاب الإستحسان، النوع السادس، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰۴ھ، ص:۶/۴۹۶

۱۷) محمد بن شہاب، الفتاویٰ البزازیہ، کتاب الإستحسان، مکتبہ رشیدیہ، راولپنڈی، ۱۹۹۱ء، ص:۶/ ۳۷۷

۱۸) البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ ٱللَّهِ ٱلَّتِىٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِۦ ﴾، دارالسلام، ریاض، ۱۹۹۹ء، ص:۴۹۴

۱۹) **مسلم بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح**، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانه، **رقم الحدیث، ۱۴۹**

۲۰) **ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، "السنن"**، کتاب اللباس، **رقم الحدیث، ۴۰۹۸، ۱۵۲۲**

۲۱) **ایضاً**، باب کیف الإختمار، **رقم الحدیث، ۴۱۱۵ : ۱۵۲۳**

۲۲) **ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد، المصنف**، کتاب اللباس والزینة، باب فی رکوب النساء السروج، **ص: ۲۰۵/۵**

۲۳) **ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد، المصنف**، کتاب اللباس والزینة، باب فی رکوب النساء السروج، **ص: ۲۰۵/۵**

۲۴) **ملا علی قاری، المرقاۃ المفاتیح**، کتاب اللباس، **مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ۱۹۹۷ء، ص: ۸/ ۲۴۷**

۲۵) **العسقلانی، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری شرح البخاری**، کتاب اللباس، باب ما کان النبی یتجوز من اللباس والبسط، **قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۹۶، ص: ۱۰/ ۳۷۳**

۲۶) **الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن**، کتاب اللباس، باب ماجاء فی ذیول النساء، **دارالسلام، ریاض، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث، ۱۷۳۱**

۲۷) **عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۰۲ء، ص: ۶/ ۴۰۶**

* *

دورِ جدید میں میڈیا کی ضرورت واہمیت اور حقیقت احوال

Mass Media in the New Era: Importance & Realities

ڈاکٹر نور حیات خان*

ABSTRACT

This article highlights the role of media in the contemporary world. Man since his birth had bestowed with quest to enfold the encompassing surroundings. In addition, due to his very nature, it is almost impossible for him to keep himself indifferent from environment. With the process of time, his primitive means of communication enhanced to the level that is playing a vital role in the current globalized social set up. Consequently, string of communication has been expended and manifested in print, electronic and social media.

Media can play a very constructive, positive and meaningful role in accordance with the parameters laid down in Islam. But at the same time, it has a negative edge that can put human social set up in chaos and destruction. Current situation is that media specially western media is plaing a very undesirable role that is not only detrimental for the world as a whole, but specifically for the Muslim World.

Greater responsibility lies on the shoulders of media to play his positive and apostolic role. In the article, the writer highlights the incredible role of media for establishment of interfaith harmony and peace in human society. He stresses that man is in nuclear era, the situation is very tense and little mis-happening can destroy the whole world.

Keywords: Media, Social Media, Print Media, Mass Media, Meaningful role.

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد

بین المذاہب ہم آہنگی اور امن وسلامتی کے لئے میڈیا کا کردار بہت اہم اور بنیادی ہے۔ اس سے انکار ناممکن ہے، انسانی معاشرہ اپنے ماحول اور گرو پیش سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ جدید دور ہو یا قدیم، انسان اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے ابلاغی ذرائع استعمال میں لاتا رہا ہے۔ اور ہر دور کے مطابق جدید سے جدید تر وسائل کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک رہنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

صحافت کی تاریخ، انسانی تاریخ کی طرح دلچسپیوں سے عبارت ہے، پتھر کا زمانہ ہو یا لوہے کا، ہر دور میں انسان کو اپنے گرد و پیش میں دلچسپی رہی ہے اور یہی دلچسپی صحافت کو موجودہ عروج پر لے گئی ہے[۱]۔

میڈیا کا تعارف

صحافت (Journalism) یا ذرائع ابلاغ کے لئے انگریزی میں متبادل لفظ میڈیا استعمال ہوتا ہے۔ جس کی دو قسموں سے عموماً بحث کی گئی ہے:

۱۔ الیکٹرانک میڈیا جیسے ریڈیو، ٹی وی، ای میل وغیرہ

۲۔ پرنٹ میڈیا جیسے اخبار و رسائل، میگزین وغیرہ[۲]

لیکن آج کل میڈیا کی ایک تیسری قسم سوشل میڈیا (Social Media) کے نام سے جانا جاتا ہے جس سے مراد انٹرنیٹ بلوگز، سماجی روابط کی ویب سائٹس، موبائل ایس ایم ایس اور دیگر ذرائع ہیں، جن کے ذریعے خبریں اور معلوماتی مواد کو فروغ دیا جاتا ہے۔ آج کے دور میں سوشل میڈیا کی اہمیت میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روایتی میڈیا سے تعلق رکھنے والے صحافی اور دیگر کاروباری افراد معلومات کو عوام تک پہنچانے کے لئے بڑی تعداد میں سوشل میڈیا سائٹس جیسے فیس بک (Facebook)، ٹوئٹر (Twitter)، مائی اسپیس (MySpace)، گوگل پلس (Google Plus)، اور دیگر سے جڑے ہوئے ہیں[۳]۔

ضرورت واہمیت:

میڈیا خواہ پرنٹ ہو یا الیکٹرانک یا پھر سوشل میڈیا، در حقیقت اپنے مفہوم کے اعتبار سے ایک مقدس کام اور ایک بڑی طاقت ہے، جو مفید بھی ہے اور مضر بھی۔ بالفاظ دیگر صحافت دراصل حقائق کے انکشاف کا نام ہے، جو ظلمات و تاریکی سے نکالنے اور نور روشنی میں لانے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ قرآن کی

زبان میں یہ ایک پیغمبرانہ مشن کا نام ہے، ایسے مشن پر کام کرنے والوں کا سرپرست اللہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ٱللَّهُ وَلِيُّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ يُخۡرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِۖ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ أَوۡلِيَآؤُهُمُ ٱلطَّٰغُوتُ يُخۡرِجُونَهُم مِّنَ ٱلنُّورِ إِلَى ٱلظُّلُمَٰتِۗ أُوْلَٰٓئِكَ أَصۡحَٰبُ ٱلنَّارِۖ هُمۡ فِيهَا خَٰلِدُونَ﴾ (۴)

(اللہ ان لوگوں کا جو ایمان لا کر حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں، ولی ہے۔ ان کو ظلمات سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور جو حقیقت کو چھپاتے ہیں طاغوت (شیطان) ان کا سرپرست ہے جو ان کو نور سے ظلمات میں داخل کردے گا)۔

میڈیا کسی اعلیٰ بلند و بالا اور انقلابی مقصد کی تیاری کا مؤثر ترین ذریعہ اور قوموں کی نظریاتی تربیت کا عمدہ اور فطری وسیلہ بھی ہے، لیکن اس میں جائز حدود سے تجاوز کرنا قرآن کی زبان میں طاغوت کی پیروی کے مترادف ہے۔ خدائی احکام حقیقت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا سے انسانوں کو باخبر رکھنا ایک فرض بھی ہے۔ اور درحقیقت یہی سچائی ہے:

﴿وَمَنۡ أَصۡدَقُ مِنَ ٱللَّهِ قِيلٗا﴾ (۵)

(اور اللہ کی بات سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہوسکتی ہے)۔

﴿وَمَنۡ أَصۡدَقُ مِنَ ٱللَّهِ حَدِيثٗا﴾ (۶)

(اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنی بات میں سچا ہوگا)۔

اور اس پیغام کے لانے والے کا نام نبی یا پیغمبر ہے اور یہ پیغمبری مشن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے آخری نبی ﷺ نے فرمایا:

((نَضَّرَ اللَّهُ امْرَءًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا، وَحَفِظَهَا وَبَلَّغَهَا ......)) (۷)

(اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو میری بات کو سنے اور دوسروں تک بے کم وکاست پہنچائے)۔

جبکہ ایک اور حدیث میں فرمایا: ((بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً)) (۸)

(میری طرف سے پہنچاؤ خواہ ایک (ہی) آیت کیوں نہ ہو)

حق کو آشکارا کرنا اور لوگوں تک پہنچانا ایک ذمہ داری اور شہادت ہے اس میں خیانت اور جھول رکھنا اسلام میں نا قابلِ معافی جرم اور اس میں غلط بیانی گناہ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو حکم دیتے ہیں:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ أَوِ ٱلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَٱللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُواْ ٱلْهَوَىٰٓ أَن تَعْدِلُواْ ۚ وَإِن تَلْوُۥٓاْ أَوْ تُعْرِضُواْ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ (۹)

(وہ انصاف کے علمبردار اور خدا کے واسطے گواہ بنے، اگر چہ یہ خود اس کی اپنی ذات، والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو، فریق معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب، اللہ زیادہ ان کا خیر خواہ ہے لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز رہنا اور لگی لپٹی بات کہنا یا سچائی سے پہلو بچانا، سب کچھ سے اللہ باخبر ہے"۔

سچائی کی شہادت چھپانا ظلم ہے:

اسلام میں سچائی اور حقیقت کی شہادت کو چھپانا، ظلم عظیم قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَتَمَ شَهَٰدَةً عِندَهُۥ مِنَ ٱللَّهِ ۗ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ (۱۱)

(اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہے جس کے ذمے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے؟ اللہ تمہاری حرکات سے غافل تو نہیں ہے۔)

حقیقت کی گواہی شہادت ہے، اسے چھپانا انسانی ضمیر کے لئے بوجھ اور تباہی کا سبب ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا تَكْتُمُواْ ٱلشَّهَٰدَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُۥٓ ءَاثِمٌ قَلْبُهُۥ ۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (۱۲)

(اور شہادت کو ہر گز نہ چھپاؤ، جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے)۔

اس ضمن میں ایک مشہور صحافی شاہنواز فاروقی رقمطراز ہیں:

"اسلامی معاشرے میں صداقت، زندگی کے اہم معنی ہے اور صداقت کا ابلاغ، زندگی کا ابلاغ ہے، صداقت کا تحفظ زندگی کا تحفظ ہے۔ جس معاشرے میں صداقت مسخ ہوتی ہے، تو زندگی مسخ ہو جاتی ہے، صداقت حسن سے محروم ہے تو زندگی جمال سے عاری ہو جاتی ہے اور انسان کا اپنے خالق ومالک سے تعلق بری طرح مجروح ہو جاتا ہے"(١٤)

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خبر کو قبول کرنے اور پھیلانے سے پہلے بھرپور تحقیق کا حکم دیا گیاہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقُۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓاْ أَن تُصِيبُواْ قَوْمًۢا بِجَهَـٰلَةٍ فَتُصْبِحُواْ عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَـٰدِمِينَ﴾ (١٥)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق (شخص) تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو)۔

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ اصولی ہدایت دی گئی ہے کہ جب کوئی اہمیت رکھنے والی خبر جس پر کوئی بڑا نتیجہ مرتب ہوتا ہو، تمہیں ملے تو اس کو قبول کرنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ خبر لانے والا کیسا آدمی ہے۔ اگر وہ کوئی فاسق شخص ہو، یعنی جس کا ظاہر حال یہ بتا رہا ہو کہ اس کی بات اعتماد کے لائق نہیں ہے۔ تو اس کی دی ہوئی خبر پر عمل کرنے سے پہلے تحقیق کر لو کہ امر واقعہ کیا ہے؟ (١٦)

قلم و قرطاس کی تقدس و تطہیر:

قلم و قرطاس ذرائع معلومات ہیں۔ اس کے تقدس کے لئے یہ کافی ہے کہ اللہ نے قلم کی قسم کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَٱلْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾ (١٧)

(قسم ہے اس قلم کی! جس کے ذریعے انسان کو لکھنا پڑھنا سکھایا۔)(١٨)

قلم کی بزرگی واہمیت کو محمد کرم شاہ ازہری نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

" قلم ایک ایسا آلہ ہے جو زمان و مکان کی مسافتوں کو تسلیم نہیں کرتا، وہ گزشتہ صدیوں کے علوم وفنون سے حال و مستقبل کو روشن کرتا ہے اور دور دراز علاقوں میں پیدا ہونے والے اولوالعزم حکماء وفضلاء کے افکار و نظریات کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچاتا ہے۔ قرآن کریم نے قلم کو جو علم کی نشرواشاعت کا مؤثر اور بے مثال ذریعہ ہے اس کی جلالت شان کو ظاہر کرنے کے لئے اس کی قسم کھائی۔ صرف قلم کی قسم کھا کر اس کی عزت افزائی نہیں کی گئی بلکہ ﴿وَمَا يَسْطُرُونَ﴾ (۱۹) فرما کر علم کے ان جواہر پاروں کی بھی قسم کھائی گئی ہے جو نوک قلم سے صفحہ قرطاس کی زینت بنتے ہیں اس طرح ان کی شان کو بھی دوبالا کر دیا" (۲۰)

قلم و قرطاس سے تعلق رکھنے والا پیشہ ٗخواہ معلمی کا ہو یا صحافت کا ٗمقدس پیشہ اور اہم ذمہ داری ہے۔ قلم و قرطاس کے ناموس اور عظمت کو پامال ہونے سے بچانے میں اعلیٰ مقاصد کا تحفظ ہے، ورنہ بقول شورش کاشمیری:

" قلم فروشی ٗعصمت فروشی سے بھی زیادہ بدترین کاروبار ہے" (۲۱)

اگر اساتذہ محض علم فروش اور صحافی زر فروش اور قلم فروش نہ ہوں، تو اطلاعات کا ہمہ گیر اور مربوط نظام قومی سطح پر یکجہتی و استحکام اور سیاسی و ملی شعور بیدار کرتا ہے اور عوام کو کسی اعلیٰ مقصد کے لئے تیار کرنے کا نہایت مؤثر ذریعہ ہے۔ علاوہ ازیں بین الاقوامی سطح پر قوموں کے درمیان آگاہی، رابطے، ابلاغ اور تفہیم کا بھی بہترین ذریعہ ہے۔

پیشۂ صحافت سے حاصل شدہ رزق کی تطہیر قلم و قرطاس کی تطہیر میں پنہاں ہے۔ اس میں کسی قسم کی بے ایمانی، چشم پوشی، قلم و قرطاس کے پیشے کو غلیظ کرنے کے مترادف ہے، جس کے اثرات صدیوں تک وقوع پذیر رہتے ہیں۔ حق و صداقت پر مبنی اوراق کو اللہ نے ﴿صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾ (۲۳) قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پورا اسلام میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے (۲۴)۔ جس کا تقاضا ہے کہ ہماری زندگی انفرادی ہو، یا اجتماعی، یا پیشہ وارانہ (صحافتی) ٗاسلام کے مطابق ہو۔ صحافت محض تفریح نہیں، بلکہ راہنمائی اور تعلیم بھی ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے صحافت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ تازہ ترین خبروں کی

فراہمی کے ساتھ واقعات وحالات کی تشریح اور تعبیر کے ذریعے رائے عامہ کی اس طرح راہنمائی کی جائے جس سے خیر اور صداقت کو فروغ اور شر اور باطل کی قوتوں اور منکرات کی بیخ کنی ہو سکے (۲۵)۔

ذرائع ابلاغ جہاد بھی امانت بھی:

صدق وسچائی کی ابلاغ امانت بھی ہے، شہادت بھی ہے، تعلیم بھی ہے اصلاح اور جہاد بھی ہے ،علم بھی ہے، عمل بھی ہے۔اگر اس میں قتل ہونا پڑے تو یہ شہادت بھی ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ))(۲۶)

(سب سے افضل جہاد ظالم حکمران کے سامنے انصاف (حق) کی بات کرنا ہے۔)

قرآن مجید کا مقصدِ تنزیل انسانوں کو تاریکیوں سے نکالنا قرار پایا ہے۔جس دور میں نبی ﷺ کو اللہ نے مبعوث ہوئے، دنیا پر جہالت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔اس میں اللہ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے ذریعے اپنے دین کی روشنی پھیلائی، جو ہمارے پاس اصلی حالت میں موجود ہے۔اس کا پھیلانا صرف علمائے دین ہی کے نہیں، بلکہ تمام باشعور مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ دین حق کی ابلاغ کا فریضہ انجام دیں۔دوسرے لوگوں کی بہ نسبت میڈیا کے میدان میں کام کرنے والے افراد یہ فریضہ بحسن وخوبی ادا کر سکتے ہیں، جہاں سے بآسانی پوری دنیا کو پیغامِ حق دیا جاسکتا ہے۔میڈیا کے فورم سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم محمد علی جناح نے کہا تھا:

"آپ کے پاس بڑی طاقت ہے، آپ لوگوں کو راہ دکھا سکتے ہیں یا انہیں گمراہ کر سکتے ہیں۔آپ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو بنا سکتے یا تباہ کر سکتے ہیں۔صحافت کی طاقت واقعتاً بہت بڑی ہے لیکن آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ طاقت ایک امانت ہے۔اس طاقت کو امانت سمجھ کر اپنی قوم کی بہبود وترقی کے راستے پر راہنمائی کریں۔"(۲۹)

بامقصد ابلاغ کی اہمیت کو مرحوم صحافی محمد صلاح الدین نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"روشنی درحقیقت خبر ہی کا دوسرا نام ہے۔اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے ہمیں اندھیرے سے نکال کر جس روشنی میں پہنچایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے وجود ،اس کی وحدانیت،اس کے جملہ صفات، آخرت میں اس کے حضور پیشی اور پھر جزاوسزا کے طور پر جنت اور جہنم کی زندگی سے متعلق "خبر" ہی تھی جو ہمیں پہنچائی گئی اور اس مصدقہ

خبر سے محرومی کی صورت میں ہم اندھیرے میں تھے۔ صحیح خبر پہنچانے ہی کی بناء پر خدا کے رسول ﷺ کا ایک نام مخبر صادق بھی ہے۔ خبر روشنی ہے اور بے خبری اندھیرا، اور یہ بھی ذہن نشین کرلیجئے کہ روشنی انسداد جرائم کا سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ ہے۔ اندھیرا ہی مجرم کی بنیادی ضرورت، اس کا سب سے بڑا سہارا اور اس کا مضبوط ترین محافظ ہے۔ ہر مجرم خواہ وہ رشوت خور ہو، خائن اور چور ہو، زانی اور شرابی ہو، ملاوٹ، سمگلنگ، اور کم تولنے کا مرتکب ہو، تخریب کار، وطن دشمن، اور بیرونی ایجنٹ ہو، ان سب کی مشترکہ ضرورت اخفاء اور اندھیرا ہے۔ خبر اور روشنی ان کی موت ہے۔"[۳۰]

میڈیا کا حدودِ کار:

مسلمانوں کو تمام معاملاتِ زندگی اسلام کے مطابق ڈالنے نے کا حکم دیا ہے۔ اللہ نے مومنوں کو قول سدید[۳۱] اور قول معروف[۳۲] اور قول بلیغ[۳۳] یعنی دل میں اترنے والی بات کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس میں مکمل خیر خواہی اور حکمت بھی ہو[۳۴] اور ساتھ ساتھ لہجہ نرم[۳۵] اور گالی گلوچ و دل آزاری سے بھی پاک ہو[۳۶]۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ))[۳۷]

(مسلمان وہ ہے جس کی زبانی اور ہاتھ کی ایذا سے دوسرے انسان محفوظ رہوں۔)

مسلم معاشرے کا میڈیا ان تمام ضابطوں اور اخلاقیات کا پابند ہے جو اسلام نے مقرر کئے ہیں۔ اس لئے کہ انسان دنیا میں اللہ کا خلیفہ ہے، جو اپنے مالک اور آقا کے احکامات کا پابند ہے۔ اس کے اختیارات عطا کردہ ہیں، ذاتی نہیں۔ اور سب کا مقصد خیر کا فروغ اور شر کا انسداد ہے، سب کے حقوق وفرائض اور دائرہ ہائے کار متعین ہیں، اس سے تجاوز اختیار کرنا بغاوت کہلائے گا۔

میڈیا کے اہلکار کے لئے اپنے فرائض میں لالچ یا ظلم اور مصلحتوں کی بناء پر کوتاہی جائز نہیں۔ رنگ ونسل، زبان وعلاقے اور عصبیت کی بنیادوں پر ناانصافی اور حق گوئی میں کوتاہی اور سستی ناقابل معافی جرم ہے۔ مجرموں کی پشت پناہی، قانون شکنوں، ذخیرہ اندوزوں سے چشم پوشی اور رشوت خوروں کی پردہ پوشی فحاشی وعریانی اور بدکرداری اور بداخلاقی سے صرف نظر کسی طرح جائز نہیں بلکہ اس قسم کے تمام بدعنوانیوں کو تشت ازبام کرنا میڈیا کی بنیادی ذمہ داری بنتی ہے۔ لوح وقلم کے جہاد کو، تحریف

وضمیر فرشی، غیبت و تجسس اور بدگمانی وبدزبانی اور مذاق اڑانے اور جاہلوں سے الجھانے سے اس کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ فحش گوئی اور فحش نگاری اور دل آزاری سے قلم و قرطاس کی تقدس کو پامال کرنا کسی طرح جائز نہیں، بداخلاقی، بدکرداری، بدانتظامی، کام چوری، ذخیرہ اندوزی، رشوت خوری، ناانصافی اور بے ایمانی وبدعہدی جیسے اخلاق ذمیمہ کی روک تھام صحافی اور اس فیلڈ کے ماہرین کی اہم ذمہ داری ہے۔ حق وصداقت اور مثبت انداز فکر کی ترجمانی اور ابلاغ میڈیا سے وابستہ ماہرین فن کی دینی واخلاقی ذمہ داری بنتی ہے۔

ہر قسم کے حقوق، خواہ انسانوں کے ہوں یا حیوانوں کے، عورتوں کے ہوں یا بچوں کے، زندوں کے حقوق ہوں یا مردوں کے، اسلام میں متعین کئے گئے ہیں وقتاً فوقتاً اس کی اشاعت کا اہتمام میڈیا پر کام کرنے والوں کی مذہبی واخلاقی اور سماجی ذمہ داری بنتی ہے۔

میڈیا کے کمالات:

موجودہ دور سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کا دور ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں نت نئے ایجادات نے ہل چل مچادی ہے اور انسان کو بام عروج پر پہنچایا ہے۔ خصوصاً سوشل میڈیا نے اطلاعاتی امور میں تلاطم خیز سرعت بپا کی۔ وقت ضائع کئے بغیر انسان گھر بیٹھے بیٹھے پوری دنیا سے سوشل میڈیا کے ذریعے ہر قسم کے رابطہ میں رہ سکتا ہے اور حالات وواقعات کی مناسبت سے فوری اور راست اقدامات کر سکتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں تقریباً دو کروڑ چار لاکھ اکتیس ہزار سے زیادہ لوگ انٹرنیٹ کا استعمال کرتے ہیں اور ان میں سے تیس سے چالیس فیصد سوشل میڈیا سے کہیں نہ کہیں سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس کے ذریعے مواد کو شائع کرنا عام میڈیا کی نسبت زیادہ لچکدار ہے اور تازہ خبروں، مضمون کو فوری کئی لوگوں میں عام کیا جا سکتا ہے [۳۹]۔

میڈیا پر مختلف امور میں ہونے والے بحث ومباحثے نے نوجوان نسل کا شعور بیدار کر کے آگاہی کو فروغ دیا ہے۔ عالمی حالات کے تناظر میں نوجوان نسل نے مظاہروں اور تحریکوں میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا ہے [۴۰]۔ خواہ یہ عرب دنیا، مصر، شام، اردن وغیرہ ہو یا امریکہ، وال سٹریٹ یا پاکستان ہو، میڈیا نے ہر جگہ بیداری اور سرعت اتصال و آگاہی میں انقلاب اور آسانی پیدا کر دی ہے۔

اس تناظر میں میڈیا کے پیشہ سے وابستہ لوگوں اور ماہرین کی ذمہ داری بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ خبروں اور واقعات کو انتہائی جانچ پرکھ اور جان کاری کے بعد شائع کرنا وقت کا تقاضا ہے۔

میڈیا اور بگاڑ:

انتہائی افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ جس طرح زندگی کے تمام شعبہ جات میں فساد پیدا ہوا ہے بالکل اسی طرح میڈیا میں بھی بگاڑ رونما ہوتا چلا گیا ہے اور آج کل تو یہ بگاڑ اپنے عروج و کمال کو پہنچ چکا ہے گویا اب میڈیا اپنے حقیقی مقاصد سے بے نیاز اور کسی بھی اخلاقی ضابطہ کی پابند نہیں ہے[۴۱] اور بین الاقوامی میڈیا کی طرح قومی میڈیا بھی ایک فوج ظفر بن گئی ہے جس نے حکمرانوں کے سامنے لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ قوم کی صحیح راہنمائی کا فریضہ ادا نہ کرتے ہوئے ۱۹۷۱ء میں ملک ٹوٹ گیا، عالمی میڈیا کا اثر تھا کہ قومی میڈیا قوم میں یکجہتی پیدا نہ کر سکا۔ حکمرانوں کے زیر اثر میڈیا کا کمال ہے کہ فرقہ واریت اور سیاسی پارٹیوں کا ایک دوسرے سے نوک جھونک جاری ہے اور حقیقی دشمن کے بجائے قوم ایک دوسرے کی دشمن بنی ہوئی ہے۔ اپنے ملک کے اندر جرائم کی روک تھام کے بجائے عورت اور میڈیا کی آزادی کے نام پر اپنے معاشرتی، سماجی زندگی پر خود ہی وار کر رہے ہیں۔ نام نہاد میڈیا اور عورت کی آزادی کے دھماکے کی تابکاری (فحاشی، بداخلاقی، کرپشن کی بھرمار، بے مقصدیت اور بے راہ روی) میں قوم بری طرح جھلس رہی ہے۔ جس کے بارے میں اللہ نے سخت وعید سنائی ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلْفَٰحِشَةُ فِى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾[۴۲]

(جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔)

عصرِ حاضر میں میڈیا کی حقیقتِ حال:

اشتراکیت کا شیرازہ بکھرنے سے دنیا یک قطبی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس پر امریکی ورلڈ آرڈر کی تسلط ہو گئی تو پوری دنیا کا میڈیا' امریکی میڈیا بن چکا ہے، جس پر یہودیوں کا کنٹرول ہے اور اس کے ذریعے مغربی یہودی کلچر کو عام کیا جا رہا ہے اور مکمل اسلام دشمنی کا بیڑا سر پر اٹھا رکھا ہے۔ اور اس پر اربوں ڈالر

خرچ کئے جارہے ہیں۔ سابق صدر بل کلنٹن اور نائب صدر ایل گور نے ایک انتخابی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ امریکہ کے لئے بنیادی جنگوں میں سے ایک جنگ "ذرائع ابلاغ" (میڈیا) سے تعلق رکھتی ہے اور اس موقع پر ایل گور نے یہ بھی اعتراف کیا کہ امریکہ گزشتہ دس سالوں میں اس جنگ کو جیتنے کے لئے ایک سو ارب ڈالر خرچ کر چکا ہے جبکہ پینٹا گان کے سابق رکن اور کینیڈی کالج (ہارورڈ یونیورسٹی) کے سربراہ "جوزف ایس نائی" کا کہنا ہے:

"امریکہ اپنی بے مثال صلاحیتوں کی بناء پر مستقبل قریب میں عالمی ذرائع ابلاغ اور مواصلاتی نظام کا تنہا مالک ہو گا۔"[۴۳]

دنیا کے سیاسیات اور اقتصادیات پر پنجے گاڑنے کی طرح امریکی یہودی مواصلاتی نظام کے تن تنہا مالک بن بیٹھے ہیں، جس کے نتیجے میں آج اسلام کے خلاف مغرب کی جنگ جاری ہے، فرانس سے نکلنے والا ایک رسالہ لکھتا ہے:

"اسلام کے خلاف جنگ صرف فوجی میدان میں نہیں ہو گی بلکہ ثقافتی اور تہذیبی میدان میں معرکہ آرائی ہو گی۔"[۴۴]

اسلام مخالف سازشوں کے مرکز ہالی وڈ سے ایک صدی سے زائد مدت کے دوران فلموں کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت و کدورت، بغض و کینہ پوری دنیا میں پھیلایا جارہا ہے۔ بیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں میں اس نے مسلم دشمنی پر مبنی فلمیں ڈیلٹا فورس، انتقام، آسمان کی چوری وغیرہ بنائیں، جب کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا تجرباتی ڈراما اسٹیج کرنے کے لئے ۱۹۹۲ء میں حقیقی جھوٹ اور حصار وغیرہ نامی فلمیں تیار کی گئیں۔ ان فلموں میں اسلام اور مسلمانوں کا تشخص بری طرح مجروح کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو امن دشمن اور دہشت گرد بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اور ۹/۱۱ تاحال اسلام دشمن جدید میڈیا پروپیگنڈہ وار جاری ہے[۴۵]۔

مغربی میڈیا قوموں کے دل و دماغ پر کس طرح قبضہ کر لیتی ہے، بطروس غالی[۴۶] نے ABC ٹی وی کے نمائندے کے (صومالیہ کے حوالے سے) سوال کے جواب میں کہا تھا:

"صومالیہ میں امریکی فوج بھیجنے کی کارروائی اس لئے ممکن ہو سکی کہ ہم نے اس مقصد کے لئے مسلسل دس مہینے تک ذرائع ابلاغ کو وقف کر دیا تھا"۔

ڈاکٹر غالی کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ صومالیہ میں امریکی فوجی مداخلت کو پوری دنیا کی نظروں میں قابل قبول بنانے کے لئے سب سے پہلے میڈیا کے ذریعے صومالیہ کے اندر بھوک اور قحط سالی کے واقعات کو ہولناک بنا کر پیش کیے گئے۔ دنیا بھر کو میڈیا کے ذریعے قحط اور بھوک وافلاس کی خبریں اور تصویریں فراہم کرتے رہے کہ وہاں لوگ وجہ سے مر رہے ہیں اور پوری دنیا کو یہ باور کراتے رہے کہ اس چٹیل اور بے آب وگیاہ صحرا میں نہ پانی ہے نہ کھانا۔لوگ بنیادی ضرورتوں سے محروم ہیں اگر کہیں سے کوئی امداد ملتی بھی ہے تو یہ غیر مہذب اور وحشی لوگ آپس میں لڑنے لگتے ہیں،جب ہر طرح سے فضا تیار ہوگئی تو پھر بغیر کسی مشورے کے فوجی مداخلت کا لمحہ آپہنچا،ملک پر فوجی یورش کے لئے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوئی کہ اس کے اصل مسائل ومشکلات کیا ہیں؟پوری دنیا یہ مؤثر اور دلکش منظر دیکھنے لگی کہ امریکی فوجی نجات دہندہ اور مسیح الملک بن کر صومالی عوام کے لئے غذائی امداد کا سامان اپنے کاندھوں پر لئے پھر رہے ہیں۔امریکہ کی انسانیت نوازی سے قوم کا ہر فرد یہ چاہتا ہے کہ امریکی فوجیں یہیں رہ جائیں۔یہی ڈرامہ خلیجی جنگ کے موقع پر رچایا گیا،امریکی قوم ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کو صدام کے مظالم کے بارے میں تفصیل سے بتایا گیااور اسی طرح عالمی نظام کی تجربہ گاہ عراق کو بنایا گیا۔جب بھی مالی تنگی اور پریشانی ہوئی، عربوں کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانے اور ان پر سیاسی ومعاشی دباؤ بڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے تو صدام کے ذریعے فوجی اقدامات کرائے جاتے ہیں تاکہ یہ کمزور اور سادہ دل عرب امریکی (صہیونی) گود میں اپنے کو پوری طرح ڈال دیں[۴۷]۔

اسی طرح مشرق وسطیٰ میں سرگرم استعماری طاقتوں کی ریشہ دوانیوں اور ان کی سازشوں کے لئے مشرق وسطیٰ ایک آئینہ ہے جس میں پوری امت مسلمہ کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔امریکہ، مغربی اقوام،اقوام متحدہ، اسرائیل، عرب دنیا کے حکمران، دیگر مسلم ممالک کی قیادتیں، یہ سب اس ڈرامے کے مختلف کردار ہیں۔

میڈیا کا متعصبانہ وریہ:

مغربی میڈیا نے مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرکے دہشت گردی سے نتھی کردیا ہے، لیکن خود مغربی حقیقت شناس اس بات سے انکار کرتے ہیں مثلاً رابرٹ پیپ، شکاگو یونیورسٹی کا ایک پروفیسر رقمطراز ہے:

"خود کش حملوں کے وجوہات وعلل تلاش کر کے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مسلمان کبھی خود کش، انتہاپسند اور دہشت گرد نہیں تھے اور جو کچھ آج ہم دیکھتے ہیں اس کی وجہ خود امریکہ ہے۔ پچانوے فیصد خود کش حملے مقبوضہ علاقوں میں ہوئے ہیں۔ لبنان سے سری لنکا اور چیچنیا سے کشمیر تک حق خود ارادیت کی لڑائی جاری ہے۔ جو جمہویت کے لئے جدوجہد ہے۔"(۴۸)

فاضل پروفیسر نے کئی ایک مثالیں دی ہیں کہ ایران ،سوڈان اور عراق وغیرہ کے لوگ خود کش نہیں تھے، جب ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۴ء تک کے حملوں کے بارے میں مواد اکٹھا کیا گیا، جن میں القاعدہ ملوث تھی۔ تو معلوم یہ ہوا کہ ان میں سے کسی کا بھی تعلق بنیاد پرست اسلامی ممالک سے نہ تھا۔ بلکہ ان میں دو تہائی کا تعلق ان علاقوں سے تھا، جہاں ۱۹۹۰ء سے امریکی افواج بر سر پیکار اور قابض ہیں۔ اور اس کی سب سے بڑی مثال خود عراق ہے، جہاں ماضی میں خود کش حملوں کی کوئی نظیر نہیں ملتی ،مگر ۲۰۰۳ء میں جب امریکہ اپنی ڈیڑھ لاکھ فوج کے ساتھ عراق پر حملہ آورر ہوا، تو یہاں خود کش حملوں کا آغاز اور بعد ازاں ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور جب اسامہ بن لادن اپنے پیروکاروں کو امریکی افواج کے خلاف جہاد کا حکم دیتا ہے تو اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہوتی ہے کہ امریکی افواج قابض ہیں اور یہ ایک حقیت ہے جسے ہم جھٹلا نہیں سکتے۔ اب ان حملوں کے روکنے کا ایک ہی طریقہ باقی رہ جاتا ہے کہ قابض افواج مقبوضہ علاقوں سے نکل جائیں(۴۹)۔

بلکہ سابق امریکی سینیٹر پال فنڈلے نے امریکہ کے اس متکبرانہ رویے کو جو دنیا کے لئے دہشت گردی کا سبب بن گیا ہے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"امریکیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو معلوم ہی نہیں کہ صدر بش نے امریکہ کو دنیا بھر کا کوتوال بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور کانگریس نے اس کی استدعا پر اسے اختیار دے دیا ہے کہ وہ جہاں چاہے اچانک حملہ کر دے اور امریکی شہریوں اور ہمارے ملک میں رہنے والوں پر سخت پابندیاں لگا دے۔"(۵۰)

میڈیا کی اہمیت کے بارے میں یہودی خفیہ پروٹو کول میں خصوصی تذکرہ یوں ہے:

"ہماری منظوری کے بغیر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ خبر کسی سماج تک نہیں پہنچ سکتی، اس بات کو یقینی بنانے کے لئے ہم یہودیوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ خبر رساں ایجنسیاں قائم کریں، جن کا بنیادی کام ساری دنیا کے گوشے گوشے سے خبروں کا جمع کرنا ہو، اس صورت

میں ہم اس بات کی ضمانت حاصل کر سکتے ہیں کہ ہماری مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی خبر شائع نہ ہو سکے۔"(۵۱)

میڈیا کی یہودی کاری کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے واقعات نظر انداز کئے جاتے ہیں، دوسری طرف مسئلہ اور واقعہ اگرچہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر یہ مسلمان کی بدنامی، نقصان اور ان کے دشمنوں کے حق میں سود مند ہو، تو وہ بڑا اور سنگین مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس کی مثال دار فور (سوڈان) کے تقسیم کا مسئلہ' میں صہیونی لابی کے مؤثر اور مضبوط ابلاغیاتی اور سفارتی مہم نے صدر بش کو قائل کیا جس نے یکم جون ۲۰۰۷ء کو سوڈان پر پابندیاں عائد کیں اور صہیونی کوششوں کے نتیجے میں ایک ہی دن میں واشنگٹن سمیت ۱۸ مختلف امریکی شہروں میں مختلف NGO's کے ذریعے مظاہرے کروائے گئے(۵۲)۔ اور بالآخر ان عالمی قوتوں اور میڈیا نے تعصب اور اسلام دشمنی کی انتہا کر کے سوڈان کو تقسیم کرنے پر مجبور کر دیا۔

دوسری طرف عالمی میڈیا پر افسوس! کہ ہندوستان نے کشمیری مسلمانوں کی اکثریت کا قتل عام کر کے اقلیت میں تبدیل کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ ساڑھے پانچ لاکھ کشمیری شہید، ہزاروں اپاہج اور اتنے ہی جیل بھیج دیئے گئے اور اتنے ہی گھروں سے بے دخل کر دیئے گئے اور کئے جا رہے ہیں۔ مسلمان اپنی ماؤں، بیٹیوں، بہنوں اور رشتہ داروں کی میتوں پر ماتم کناں رہتے ہیں، جبکہ مغربی میڈیا پر ان کو انتہا پسند اور علیحد گی پسند قرار دیا جاتا ہے۔

ظالمانہ اور مجرمانہ رویہ ہے کہ ایک طرف مغربی میڈیا جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹتی ہے لیکن دوسری طرف یہ تماشا ہے جو مصر میں اور الجزائر جیسے ممالک میں جاری ہے جس کے لئے عالمی میڈیا کے صفحات پر جگہ نہیں ہے۔ اسلامی ممالک کے فوجی ڈکٹیٹر یا دھاندلی اور مغربی جمہوریت کے ساتھ اقتدار میں آنے والے لیڈر رہتے کہ جنہوں نے لاکھوں کی تعداد میں رعایا کو جیلوں میں بند کر کے یا قتل کر کے اقتدار کو طول دیا لیکن مغربی میڈیا کو یہ ظلم اور جبر، خورد بین سے بھی نظر آیا(۵۳)۔

یوں تو اسلام اور عالم اسلام ایک عرصہ سے مغربی میڈیا کے لئے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے لیکن نائن الیون کے واقعہ کے بعد مغربی میڈیا اسلام اور اہل اسلام کا شدید ترین دشمن بنا گیا۔ نائن الیون کے

واقعہ کے ردّ عمل کے طور پر مغربی ذرائع ابلاغ نے اپنی حکومتوں کے ایماء پر پوری امت مسلمہ پر دہشت گردی کا لیبل لگا دیا(۵۴)۔

ایک برطانوی صحافی خاتون (یو آنے ریڈلی) نے ایک سوال کے جواب میں کہ "پاکستان کے طالبان کہاں سے آئے ہیں؟ کہا: "یہ سب امریکہ کا کیا دھرا ہے اگر ماضی کا جائزہ لیں تو ۲۰۰۴ء میں امریکہ نے وزیرستان میں بمباری کی تھی جس کے نتیجے میں ۱۴ بے گناہ بچے اور خواتین لقمہ اجل بن گئی تھیں اگلے دن ان کا اجتماعی جنازہ تھا جس پر ہزاروں کی تعداد میں وزیرستان کے قبائل شریک تھے، امریکہ نے اس جنازے پر بھی بمباری کی بس یہی وہ دن تھا۔۔۔ کہ پاکستان میں طالبان نے جنم لیا"(۵۵)۔

مہمند ایجنسی کے دارالعلوم کے ۸۳ بچوں کی ایک ہی ڈرون حملہ کی وہ شہادتیں ہوں یا محمودیہ میں قاسم حمزہ کے خاندان کی آبروریزی کے بعد جلانے تک کا واقعہ فاجعہ تھا ہوں، یا عراق میں امریکی پابندیوں کی وجہ سے لاکھوں بچوں کی بھوک اور غذائی کمی کی وجہ سے ہلاکتیں اور قیامت خیز بمباری اور کیمیاوی ہتھیاروں کی انسانیت سوز ہلاکت خیزی کی واردات ہوں ، ساری کی ساری میڈیا سے مخفی زمین دوز کارروائیاں تھیں؟

نائن کے بعد مغربی میڈیا نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور مایہ ناز سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر کے خلاف زہر اگلنا شروع کیا۔ حالانکہ مغربی ایجنسیوں اور رپورٹوں کے مطابق روس اور چین کے علاوہ مغربی کمپنیاں بھی ایران سے تعاون کر رہی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود مغربی میڈیا نے مایۂ ناز سائنسدان کے دبئی اور دوسرے غیر ملکی فرضی اور جعلی بینک اکاؤنٹس کی مہم چلاتے رہے(۵۶)۔ مغربی دنیا نے ایٹمی اور کیمیاوی ہتھیاروں کو کمائی کا نہ صرف زبردست ذریعہ بنالیاہے اور ہندوستان کو انہوں نے ایک مضبوط ایٹمی قوت بنا دیا اور روز روز اس کی معاونت کر رہے ہیں تاکہ وہ مسلمانوں کا خون کرے، لیکن مسلمانوں کے لئے یہ شجرۂ ممنوعہ ہے۔ اور پاکستان سے FMCT پر دستخط کرنے کا دباؤ بڑھا رہے ہیں(۵۷)۔

مغربی میڈیا کو اسرائیل کے ۴۰۰ سے زائد ایٹم بم اور نیوٹران اور ہائیڈروجن بم اور اس کے استعمال کے لئے میزائیلوں کی بڑی کھیپ اور جدید آبدوزوں اور لڑاکا طیاروں کے جھرمٹ نظر نہیں آتا۔ البتہ عراق میں خیالی Weapon of mass Destruction ضرور نظر آئے تھے جس کی بنیاد پر ۱۰

لاکھ سے زیادہ عراقی شہید، ۲۰ لاکھ ملک کے اندر بے گھر، ۲۰ لاکھ ملک سے باہر شام، اردن وغیرہ کی طرف ہجرت پر مجبور ہوئے۔

عجیب تماشا ہے کہ اسرائیل کے اندر بھوک سے نڈھال جانوروں کے لئے مغربی میڈیا نے شہ سرخیوں کے ساتھ مہم اور پروپیگنڈا تو کیا، لیکن لبنان کے اوپر جارحیت کی وجہ سے ہزاروں جانوں کے اڑے ہوئے چیتھڑوں کے لئے اور فریڈم فلوٹیلا پر اسرائیلی جارحیت، صبرا، شتیلا اور عین الحلوۃ میں مقیم فلسطینیوں کے قتل عام پر مغربی میڈیا نے کوئی شور نہیں مچایا۔ بلکہ الٹا یہودیوں کی برأت پیش کرتی ہے اوراسرائیل کی جارحیت کو امن وخوشحالی کوشش قرار دیتے ہیں، خواہ اس کے لئے لاکھوں انسانوں کو قتل کرنا پڑے[۵۸]۔

۱۹۹۶ء میں راسخ العقیدہ عیسائی سربوں کے ہاتھوں ایک ہی دن میں چھ ہزار مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کا قتل عام ان کو نظر نہیں آیا[۵۹]۔

اقوام متحدہ کے قائم کردہ پناہ گزین کیمپوں میں سرب ظالموں کی درندگی (ہتھوڑوں سے مسلمانوں کے سر کچل دیئے، کھوپڑیاں توڑ ڈالی گئیں، معصوم بچوں کی کھوپڑیاں گنوں کے بٹوں سے پھوڑ ڈالی گئیں، بعض شہروں میں زندہ مسلمانوں کو تندوروں میں جلا دیا گیا) ان آزاد میڈیا کے دعویداروں کو نظر نہیں آئی[۶۰]۔

افغانستان میں شادیوں کی تقریبات پر ڈرون اور میزائیلوں کے حملوں اور امریکی کمانڈوز کا بیگناہ افغانیوں کی زبانیں کاٹنے، سر کے بال اکھاڑ کر، زخموں پر تیزاب ڈالنے اور قبریں اکھاڑ کر لاشوں کو بموں سے اڑانے جیسے افسوسناک اور شرمناک واقعات ہوئے، لیکن میڈیا ان سب کو دہشت گردی کی اصطلاح کی نذر کر دیتے ہیں۔

۳؍مئی ۲۰۰۹ء کی ایک رپورٹ کے مطابق افغانستان کے دارالحکومت کابل میں پانچ ہزار بیوہ خواتین رہتی ہیں، جو ہر صبح افغان حکومت کے پلاننگ ڈیپارٹمنٹ کے باہر ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوتی ہیں لیکن مایوس ہو کر لوٹ جاتی ہیں[۶۱]۔

کیا یہ سب کچھ میڈیا کی کوریج سے دور ہے؟ کیا یہ وہ جگہ نہیں جہاں عملاً امریکی حکومت ہے؟ کیوں نہیں، لیکن یہ مقتولین، بیوائیں، اپاہج اور مصیبت زدہ تو مسلمان ہیں جس کے لئے مغربی میڈیا مہم نہیں چلا سکتی، کیونکہ یہ تو کیڑے مکوڑے ہیں، جیسا کہ بش وغیرہ نے کہا ہے۔

مغربی میڈیا کا دہشت گردی کا دوہرا معیار:

اس سلسلے میں سلومی رقمطراز ہے کہ رابرٹ فسک کے آرٹیکل "Strange kind of freedom" کے تعارف میں اخبار "دی انڈیپنڈنٹ" نے لکھا:

> "ہم اسلامی جنون کے خطرات کے بارے میں بخوبی آگاہ ہیں لیکن رابرٹ کہتا ہے کہ امریکہ میں آزادیوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ دوسری قسم کی بنیاد پرستی، یہودیت اور عیسائیت ہے۔"(۶۲)

لبنان کے اخبار "ڈیلی سٹار" نے دہشت گردی کی پشت پناہی کی ایک اور مثال کی طرف توجہ دلائی ہے جو اسے عیسائی تنظیموں کی جانب سے مل رہی ہے، اس سلسلے میں اخبار نے ورلڈ کونسل آف چرچز کے کردار کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا کہ یہ جنوبی سوڈان کے باغیوں اور بیافرا (نائیجیریا) کے علیٰحدگی پسندوں کی زبردست مدد کر رہی ہے۔ محمد الرکن نے ڈیلی سٹار میں ایک آرٹیکل لکھا ہے، جس کا عنوان "اسلامی رفاہی تنظیموں کو ہدف بنانے کے محرکات" ہے۔

وہ لکھتا ہے:

> "ورلڈ کونسل آف چرچز کی طرف سے سوڈانی باغیوں کی مدد کا سلسلہ ۱۹۵۰ء کے عشرے سے چلا آرہا ہے ۱۹۷۰ء کے عشرے کے اوائل میں سوڈان میں ایک جرمن پادری پال سٹیز کو عین موقع پر پکڑ لیا گیا تھا۔ اگر جنوبی باغیوں کو مغربی رفاہی اداروں سے مدد نہ مل رہی ہوتی تو وہ لڑائی جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ نائیجیریا میں ورلڈ کونسل آف چرچز اور دیگر مغربی رفاہی تنظیمیں تین سال سے زیادہ عرصے سے بیافرا میں علیٰحدگی کی تحریک کی سرگرمی سے پشت پناہی کرتی آرہی ہیں اور علی الاعلان دہشت گردی کی مدد کر رہی ہیں مگر ان پر کبھی تنقید نہیں کی گئی"(۶۳)۔

ان دونوں مثالوں سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ عیسائی رفاعی تنظیمیں مغرب کی خارجہ پالیسی کے مقاصد کے لئے آلہ کار کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔ مغربی ممالک کے لئے سوڈان اور نائیجیریا کے علیٰحدگی پسندوں کی کھلی فوجی مدد کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے یہ کام چرچ کے زیر انتظام چلنے والی رفاہی تنظیموں سے لیا ہے۔ اس کے برعکس جن تنظیموں نے فلسطینی مزاحمت کاروں کے لئے عطیات بھیجے، انہیں دہشت گردوں کا حامی قرار دیکر نشانہ بنایا گیا، حالانکہ فلسطینی مزاحمت کار بین الاقوامی طور پر ایک مسلمہ تحریک ہیں، جو علیٰحدگی پسند یا باغی نہیں ہے۔ "گلف سنٹر فار سٹریٹیجک سٹڈیز" نے بھی اس شرمناک دھوکہ بازی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ شرمناک دوہرا معیار اس وقت سامنے آیا جب یہ ثابت ہو گیا کہ ورلڈ کونسل آف چرچز جنوبی سوڈان کی علیٰحدگی پسند تحریک کو عطیات اور گرانٹس کے ذریعے ماضی میں بھی مدد دیتی رہی ہے اور اب بھی دے رہی ہے۔ یہ گرانٹس لاکھوں ڈالرز تک پہنچ چکی ہیں۔"(۶۴)

کیرن فان ہپل لکھتی ہے:

"یہ صرف انتہاپسند اسلامی گروپوں تک محدود نہیں کہ وہ اثر ورسوخ بڑھانے کے لئے یہ طریقہ استعمال کرتے ہیں، امریکہ میں بنیاد پرست تنظیمیں بھی مختلف تنازعات میں کبھی ایک فریق کی مدد کرتی ہیں اور کبھی دوسرے کی مددگار بن جاتی ہیں۔ ان کا اصل مقصد عیسائیت کی حمایت کرنا ہوتا ہے، اس سلسلے میں سوڈان کا کیس اظہر من الشمس ہے(۶۵)۔

اس صورتحال کے پیشِ نظر "قرضوں کی جنگ" کے مصنفین کی بات درست ہے۔ کہتے ہیں:

"امریکہ میں انڈیپنڈینٹ پریس نام کی کوئی چیز نہیں، ہم میں سے کوئی اپنی دیانت دارانہ رائے کا اظہار نہیں کر سکتا، اگر کرے گا تو وہ شائع نہیں ہو گی۔ مجھے ہر ہفتے ۱۵۰ ڈالر اس لئے ملتے ہیں کہ میں اپنے اخبار میں اپنی دیانتدارانہ رائے کا اظہار نہ کروں۔ آپ سب کا یہی حال ہے، اگر میں اپنے پرچے میں اس کی اجازت دے دوں تو ۲۴ گھنٹوں سے پہلے میری جاب ختم ہو جائے گی۔ ایسا بے وقوف آدمی بہت جلد سڑکوں پر نیا کام تلاش کرتا ہوا نظر آئے گا۔ نیویارک کے جرنلسٹ کا فرض ہے کہ جھوٹ بولے، خبروں کو مسخ

کرے، بدزبانی کرے، قارونوں کی چاپلوسی کرے اوراپنی قوم اور ملک کو روٹی کی خاطر بیچ دے اور غلام بن کر رہے۔ ہم پس پردہ رہنے والے امراء کے غلام ہیں، ہم کٹھ پتلیاں ہیں، وہ تار کھینچتے ہیں اور ہم ناچتے ہیں، ہماراوقت، ہماراہنر، ہماری زندگی اور ہماری اہلیت ان لوگوں کی پراپرٹی ہے، ہم ذہنی طوائفیں ہیں۔"(۲۶)

یہ ذہنی طوائفیں آخر حق، سچائی اور انسانی حقوق کی آواز کیسے بلند کر سکتی ہیں ؟۔یہ دولت، شہرت، خوشامد اور تعصب واسلام دشمنی کے غلام، انسانیت کی خیر خواہی کا فریضہ کیونکر ادا کرسکتے ہیں ؟ان کو تو مغرب کی اندھی تقلید اور نقالی، تعصب اور متکبرانہ رویے، فاخرانہ سوچ، نسلی برتری اور تاریخ وثقافت کو اپنی میڈیا کے ذریعے پیش کرنا ہے خواہ اس سے انسانیت کی تذلیل ہو، ان کے حقوق کا گلا گھونٹا جائے، شرم وحیا کے مارے منہ چھپانا پڑے، آزادی اور کلچر وثقافت کے نام پر پیغمبروں کی توہین ہو، عورت کو سربازار ننگا ہونا پڑے، قعر مذلت میں زندہ درگور ہو یا اس کی نسوانیت ابن آدم کے پاوں تلے روندا جائے، ہوس زر اور ہوس شہوت کے لئے نام نہاد حقوق نسواں وآزادئ نسواں کے نام پر پہاڑوں تلے زندہ درگور کیا جارہا ہے۔ عصر حاضر میں مغربی میڈیا نے اپنے معاشرے کو کچلنے کے بعد مشرقی معاشرے کا رخ کرکے تلاطم خیزی پیدا کر دی ہے۔

جان ایل اسپازیٹو نے صحیح کہا تھا کہ جس آزادئ نسواں و حقوق نسواں کی تحریک نے ہمارے لئے مسائل پیدا کئے تھے، لاکھوں خاندان اجڑ گئے اور لاکھوں بچے مادری اور پدری شفقت سے محروم ہوگئے تھے، آج مشرق پر حملہ آور ہے اور بیجنگ کانفرنس کا مدعا بھی یہی تھا کہ کم سن بچی کو جنسی بے راہ روی کا گُر بتا کر مشرق کو بھی ایڈز زدہ اور تباہ کر دیا جائے۔

پروفیسر کارل ارنسٹ(Carl Ernst) نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ عہد حاضر میں مسلمانوں کے متعلق صرف اور صرف منفی تاثرات کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلسل نشر کیا جارہا ہے، پروپیگنڈے کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ پوری کی پوری مسلم تہذیب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے پر کوئی بھی معترض نہیں ہوتا۔ حالانکہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی تہذیب جو ایک ہزار برس سے زیادہ کی مدت تک دنیا کے تقریباً نصف حصے میں پھلتی پھولتی رہی ہو، پوری کی پوری منفی عوامل پر مبنی ہو؟۔۔۔ مسلمان معاشروں پر عورتوں کو مناسب مقام نہ دینے کا الزام ہے، لیکن مغربی ٹیکنالوجی کے شاہکار انٹرنیٹ پر

موجود پورنوگرافی (عریاں تصاویر فلم)، لاکھوں ویب سائٹس اور مغرب میں ٹیلی ویژن، اخبارات اور اشتہارات کے ذریعے عورت کو ایک جنسی کھلونے کی حیثیت سے پیش کرنا کیا عورت کے احترام پر مبنی عمل ہے؟(۶۷)

لیکن قدرت کی شان دیکھئے کہ وہ مغربی اور یورپی دنیا جس نے عورت، اس کی آزادی اور حقوق کے نام نہاد دعوؤں کے ساتھ یہ پروپیگنڈا کہ اسلام سب سے بدتر مقام عورت کو دیتا ہے، آج مسلمان ہونے والے مغربی اور یورپیز میں دو تہائی عورتیں ہیں اور ایک تہائی مرد(۶۸)۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مغربی تعلیم یافتہ عورت اپنے حقوق کو اسلام میں محفوظ سمجھتی ہے۔ یہ محض تصور نہیں ایک حقیقت ہے۔

مغرب میں عورت کو جتنی بھی آزادی حاصل ہوئی، تاریخی اعتبار سے وہ کل کی بات ہے۔ ۱۸۷۰ء تک انگریزی عورتوں کو جائیداد کی ملکیت کا حق حاصل نہ تھا، جب کہ مسلمان عورت کو شریعت اسلامیہ کی رو سے یہ حق ساتویں صدی سے حاصل رہا ہے۔ ۱۷۱۶ء میں جب لیڈی میری وار ٹلی مانٹیگ (۶۹) نے برطانوی سفیر کی بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر کے ساتھ قسطنطنیہ کا سفر کیا تو یہ دیکھ کر حیران ہو گئی کہ عثمانی امراء کی بیگمات بڑی بڑی جاگیروں کی مالک تھیں اور اپنی جائیداد کی دیکھ بھال تنہا کسی مرد کی معاونت کے بغیر کر سکتی تھیں، انہیں تو یہ بھی محسوس ہوا کہ مسلمان عورتوں کے نقاب نے عورتوں کو مردوں کی چبھنے والی نگاہوں سے محفوظ کر کے ایک نوع کی آزادی کا احساس دے رکھا ہے"(۷۰)۔

ارنسٹ امریکی معاشرے کو دعوت فکر دیتے ہوئے لکھتا ہے:

> "آج ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ خود بالغ نظری سے ذرائع ابلاغ کو تربیت دے۔۔۔ یورپ اور امریکہ کی عوام اپنی رائے کی بنیاد زیادہ تر ذرائع ابلاغ کے وسائل پر ہی رکھتی ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں مسلسل ایک منفی تاثر قبول کئے جاتی ہے، اب وقت آگیا ہے کہ اس سے آگے بڑھ کر مسلمانوں کو انسان سمجھنے کا عمل شروع کیا جائے اور تاریخی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی تناظر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے کردار و اعمال کا تجزیہ کر کے انہیں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔"(۷۱)

فاضل مصنف نے بہت ہی منصفانہ فکر کی دعوت دی ہے لیکن ایسے ہاتھوں، اداروں اور ایجنسیوں کا کیا کیا جائے جو یہ سارا دھندہ محض اس لئے کرتی ہیں کہ معاشرتی اقدار اور اخلاق پامال کر کے

اس کی کوکھ سے سرمایہ زربر آمد کریں۔ وہ یہود جنھوں نے مال کے معاملے میں خدا کو بھی معاف نہیں کیا۔ ﴿إِنَّ ٱللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَآءُ﴾ (۷۲) کہہ کر اللہ کی ناقدری وبے ادبی کی، دنیا کے انسانوں کو کیسے معاف کر سکتے ہیں؟ میڈیا کا غالب اختیار ان کے پاس ہے۔

مغربی میڈیا کا ابتداوارتقاءاور رویہ

۱۹۰۷ء میں امریکہ کے یہودی سرمایہ کاروں نے "یونائیٹڈ پریس" کے نام سے ایک نیوز ایجنسی کی بنیاد ڈالی، اس کے دو سال بعد ۱۹۰۹ء میں "انٹر نیشنل نیوز سروس" کے نام سے کمپنی قائم ہوئی، جس نے بعد میں ایسے عالم گیر اشاعتی ادارے کی حیثیت اختیار کی، جس کی شاخیں دنیا بھر میں پھیل گئیں۔ یہ دونوں ایجنسیاں سوفیصد یہودیوں کی تھیں، پھر ۱۹۵۸ء میں "یونائیٹڈ پریس" اور انٹر نیشنل نیوز سروس" آپس میں ضم ہو گئیں اور "نیویارک ٹائمز" کی ملکیت میں آگئیں جو ایک یہودی کے ماتحت ہے۔ ۱۹۸۴ء میں ان کو "میڈیا نیوز کارپوریشن" میں ضم کر دیا گیا، اس میں سے دو ہزار دو سو چھیالیس خریدار (اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن) امریکہ سے باہر کے ہیں۔ اس مرکزی خبر رساں ایجنسی کے ماتحت ۳۰ خبر رساں ایجنسیاں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں (۷۳)۔

صرف "یونائیٹڈ پریس انٹر نیشنل" سے امریکہ میں ۱۱۳۴ اخبارات وپبلشنگ ادارے اور ۳۶۹۹ ریڈیو سٹیشن وابستہ ہیں۔ پوری دنیا میں اس ایجنسی کے ۱۷۷ مراکز ہیں، صرف امریکہ میں اس کے ۹۶ دفاتر ہیں، روزانہ ۱۸ ملین الفاظ پر مشتمل مضامین اور خبریں خریداروں کو بھیجی جاتی ہیں جب کہ روزانہ ۸۲ تصاویر بھیجنے کی اوسط ہے (۷۴)۔

مغربی میڈیا کی تکون جو دنیا بھر میں خبریں فراہم کرتا ہے، قومی بھی ہے اور بین الاقوامی بھی۔ ان کا تعلق مغربی ممالک سے ہے۔ ایسوسی ایٹڈ پریس (AAP) کا تعلق امریکہ سے ہے، اژانس فرانس پریس (AFP) کا تعلق فرانس اور رائٹرز (Reuters) کا تعلق برطانیہ سے ہے۔ ایجنسیوں کا یہ تکون ہمہ وقت اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے کوشاں رہتا ہے (۷۵)۔

برطانوی صحافی ریڈلے کہتی ہے:

> "مسلمانوں کے حوالے سے مغربی میڈیا کا رویہ منصفانہ نہیں، اس کی بنیادی وجہ غلط فہمی پر مبنی ایک راسخ فکر، مسخ شدہ معلومات اور لاعلمی کے ساتھ ساتھ سیاسی مقاصد کے حصول

کے لئے اسلام کو بدنام کرنے کی ایک سوچی سمجھی کوشش بھی ہے۔"(۷۶)

اس کی ایک مثال ۲۱/ستمبر ۲۰۰۶ء کو بعض اخبارات کی وہ خبر تھی جس میں خانہ کعبہ کی ایک تصویر شائع کر کے نیچے یہ کیپشن دیا گیا تھا:

"یہ تصویر خانہ کعبہ کی ہے جہاں حاجی طواف کر رہے ہیں، واضح رہے کہ سعودی حکام اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ یہاں خواتین کی نماز ادا کرنے پر پابندی لگادی جائے۔"(۷۷)

یہ تصویر اور اس کا کیپشن امریکی خبر رساں ادارے AAP نے جاری کیا تھا، حالانکہ حقیقت میں ایسی کوئی بات زیر غور نہیں تھی۔ اور سعودی حکومت بیت اللہ میں ایک ایسے کام کو کیسے روک سکتی ہے جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے نص موجود ہو۔ مسلمانوں میں غلط فہمیاں پھیلانا، ان کے خلاف ریشہ دوانیاں مغربی میڈیا کے اہل کاروں کا پیدائشی حق ہے، مشہور امریکی نیوز چینل CNN کے ایڈیٹر کا کہنا ہے:

"جب ناظرین ٹی وی اسکرین کے ایک کونے میں "Live" (براہ راست) لکھا ہوا دیکھتے ہیں تو وہ تھوڑی دیر کے لئے چینل بدلنا روک دیتے ہیں اور غور سے ہمارے چینل پر پیش کی جانے والی رپورٹ دیکھنے لگتے ہیں قبل اس کے کہ ان میں سستی دَر آئے، ہم دوسری براہِ راست رپورٹ پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں"۔ ٹی وی چینلوں کے اس عمل سے ٹی وی دیکھنے والا شخص 'ان کے سحر میں گرفتار ہو جاتا ہے اور ان کی جانب سے پیش کردہ بات کو تدریجاً قبول کرنے لگتا ہے(۷۸)۔

۹/۱۱ کی خودساختہ امریکی سازش کے حوالے سے ایک امریکی یونیورسٹی کے ممتاز پروفیسروں نے بہت ہی تحقیق پر مبنی کالم شائع کیے تھے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی عمارتیں صرف جہازوں کے ٹکرانے سے مکمل طور پر تباہ نہیں ہو سکتیں بلکہ ایسا صرف اس صورت میں ممکن ہے جب انہیں اندرونی دھماکوں سے گرایا گیا ہو۔"(۷۹)

مبالغہ آمیزی اور اثرات

مغربی میڈیا کی زبردست پروپیگنڈا وار عالم اسلام کے خلاف جاری ہے، تاکہ مشرق وسطیٰ پر کنٹرول حاصل ہو جائے اور اسرائیل کو تحفظ دینے کے ساتھ ساتھ عربوں کے تیل پر قبضے میں آجائیں۔ یہ

۷۰ ممتاز سائنس دانوں اور اعلیٰ پروفیسروں کے تحقیقی ویب سائٹ کا نچوڑ ہے(۸۰)۔

لیکن افسوس! کہ آج کے دور میں تحقیق نہیں پنپتی اور نہ ہی ایسے تحقیق کار سکالروں کی ضرورت ہے جو قوموں کی راہنمائی کرے۔ اس تحقیق کے نتیجے میں بعض کو جبری رخصت پر گھر بھیج دیا گیا کیونکہ ان کی ریسرچ کو غلط ثابت نہیں کیا جاسکا۔

ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے خود ساختہ واقعہ میں پونے تین ہزار ہلاک شدگان کا تذکرہ تو بھرپور انداز سے ہر وقت اور ہر سال تازہ کیا جاتا ہے لیکن امریکہ اور برطانیہ کے خیالی ایٹمی ہتھیار کے بہانہ پر عراق پر دس سال اقتصادی پابندی لگا کر دس لاکھ عراقی مسلمان دوا اور غذائی قلت کی وجہ سے موت کا نوالہ بن گئے جن میں پانچ لاکھ بچے شامل تھے۔ لیکن مغربی میڈیا پر ان کے ضیاع اور ہلاکت کا تذکرہ کرنا شائد مناسب نہیں(۸۱)۔

"ہالی ووڈ" تمام دنیا میں امریکی ثقافت اور کلچر کو بڑے زور وشور سے پھیلانے رہے ہیں، پوری دنیا کی نوجوان نسل اس بے ہودہ امریکی ثقافتی سیلاب کی زد میں ہیں۔ لباس، زبان اور رنگ ڈھنگ تک دنیا نے امریکی اختیار کرنا شروع کر دیا ہے، دوسری دنیا کے مقابلے میں اسلامی دنیا اور خاص کر عرب اپنی قومی اور دینی اور تہذیبی لباس تک کو بھول گئے، اسلئے کہ امریکی فلم نگری کے ساتھ ساتھ ہندو فلم نگری اس کو "دہشت گردی" کی علامت کے طور پر دکھلا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو کہیں کہیں بزرگوں کی شکل میں پوری عرب ریاستوں (اردن، شام، فلسطین، مصر، لیبیا وغیرہ) میں یہ قومی لباس یاد تازہ رکھنے کے لئے نظر آئے گا(۸۲)۔

مغربی مصنفین؛ پیٹر گیلیز۔۱۹۸۹ء، پامیلا شو میکر اور سٹیفن ڈی ریز ۱۹۹۶ء وغیرہ کے تحقیقات سے ثابت ہے کہ آزاد ذرائع ابلاغ نام کی کوئی چیز مغربی دنیا میں نہیں ہے، جبکہ دوسری طرف آزادی اظہار کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں(۸۳)۔

اور یہی چیز عراق پر امریکی و برطانوی حملے کے دِنوں میں کھل کر سامنے آئی کہ ہر خبر CIA اور پینٹا گان سے کلئیر ہوئے بغیر نہیں جاسکتی تھی اور جس نے اظہار کیا اس کو معذرت کروانا پڑی اور پیٹر ارنسٹ جیسے نمائندوں کو واپس بلانا پڑا اور بعض کو برطرف بھی کر دیا گیا(۸۴)۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے باوجود لوگ کیوں یہ سب کچھ مغربی نقطۂ نگاہ سے قبول کر رہے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا پر مغربی میڈیا کی اجارہ داری ہے اور اتنے کثرت اور تسلسل کے ساتھ وہ اپنا پروپیگنڈا کر رہی ہے کہ شعوری اور لاشعوری طور پر ان کے رنگ میں ایک ارب سے زائد تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ انسان رنگتے چلے جاتے ہیں، کم وبیش ہر ملک میں امریکی ہفت روزہ "ٹائمز" کے ہزاروں نمائندہ موجود ہیں جس کی اشاعت ۵۰ لاکھ اور قارئین ۳ کروڑ سے متجاوز ہیں، یونائیٹڈ پریس ۴۸ زبانوں میں خبریں جاری کرتا ہے۔ "رائٹر" کم وبیش دس ہزار اخبارات کو روزانہ خبریں فراہم کرتا ہے، برطانوی جریدے اکانومسٹ کے خریدار ۸ لاکھ ۴۵ ہزار سے متجاوز ہیں، نیوز ویک کی اشاعت ۳۲ لاکھ اور ۱۲ ایڈیشن نکلتے ہیں۔ وائس آف امریکہ سننے والوں کی تعداد ۹ کروڑ سے متجاوز ہے اور ۵۲ زبانوں میں نشر کی جاتی ہے۔ BBC کی نشریات سننے اور دیکھنے والے بلاشک وشبہ کروڑوں میں ہیں، وال سٹریٹ جرنل کی روزانہ اشاعت ۱۸ لاکھ ہے۔ ریڈرز ڈائجسٹ ۱۶ زبانوں میں شائع ہوتا ہے[۸۵]۔

اس کے مقابلے میں تیسری دنیا کے اخبارات کی آواز کون سنتا ہے؟ مغربی دنیا کی میڈیا کی سحر انگیزی، خوبصورت سفید جھوٹ اور دھونس دھاندلی کے اثرات سے بچنا ممکن نہیں۔

۱) امریکی ذرائع ابلاغ نے آپریشن صومالیہ کے ۱۰۰ سے زائد افراد کے صومالیوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والوں کا ۲۰ ماہ تک شدید پروپیگنڈا کرتے رہے، لیکن ہلاک اور زخمی ہونے والے ان ۱۳ ہزار صومالیوں کا کبھی بھی ذکر نہ آیا جنہیں اقوام متحدہ کی افواج نے "امن" قائم رکھنے کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹادیا۔ فرح عدید 'صومالیہ کا ہر دلعزیز لیڈر رہاہے، اس کو جنگجو، وحشی، خون کا پیاسا سردار قرار دیا گیا۔ جب کئی لاکھ افراد نے موغادیشو میں اس کا استقبال کیا تو اس کا کہیں چرچا نہ ہوا۔

۲) صدر صدام حسین نے کویت پر حملہ کیا تو اس کے خلاف ۲۸ ممالک کی فوج تیار کی گئی اور جب اقوام متحدہ کی مختلف پابندیوں کے باعث ۵ لاکھ عراقی بچے فاقہ کشی کی نوبت کو پہنچے تو کسی نے ان کی حالت زار کی طرف توجہ نہ دی۔

۳) کویت کی آزادی کے لئے امریکہ نے اہم کردار ادا کیا لیکن بوسنیا کے مظلوموں کو سربیا کی ظالمانہ کارروائیوں سے بچانے کے لئے کچھ نہ کیا گیا اور اسے خانہ جنگی قرار دیا گیا۔

۴) مصر کے صدر اور وزیر اعظم کو "انتہاپسندوں" کی طرف سے جارحانہ اقدامات کی دھمکیاں ملیں تو عالمی پریس نے بڑھ چڑھ کر اس کو شائع کیا لیکن جب حسنی مبارک کی حکومت نے جیلوں کو بے گناہ

نوجوانوں سے بھر دیا اور ہزاروں شہریوں کو بغیر مقدمہ چلائے حوالہ زنداں کیا اور ۱۰۰ کے قریب افراد کو مقدمہ چلائے اور جرم ثابت کئے اور اپیل کا حق دیے بغیر خصوصی سماعت کی عدالتوں کے ذریعے پھانسی کی سزا دی گئی تو عالمی پریس میں سے کسی نے ان کے حق میں آواز بلند نہ کی۔

۵) جب گوجرانوالہ کے ۱۲ سالہ "سلامت مسیح" کو گستاخیِ رسول ﷺ آرڈیننس کے تحت گرفتار کیا گیا تو انسانی حقوق کی اس "خوفناک" خلاف ورزی پر عالمی پریس نے پاکستان کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں مگر افغانستان کے قلعہ جنگی میں بمباری اور زیر حراست افغانوں کے قتل عام پر کسی کی آنکھ پر نم نہ ہوئی۔

۶) بوسنیا کا نائب وزیر اعظم بر سرِ عام قتل کر دیا جاتا ہے یا پھر ایک یہودی فلسطین کی مسجد ابراہیم میں ۷۰ افراد کو اپنی گولیوں سے بھون کر رکھ دیتا ہے تو اسے ایک فرد کا ذاتی فعل قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں تاجکستان، الجزائر اور تیونس میں اختلاف رائے رکھنے والے لوگوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیے جاتے ہیں تو اسے "ضروری کارروائی" قرار دیا جاتا ہے۔

۷) لیبیا کے دو باشندے امریکہ کا طیارہ لا کر شہر میں تباہ کر دیتے ہیں تو پورا ملک اسکی سزا بھگتتا ہے اور اس کا عالمی پیمانے پر حقہ پانی بند کر دیا جاتا ہے۔ اقوام عالم کو لیبیا کے ساتھ تجارت نہ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور کروڑوں ڈالروں کے اثاثے ضبط کر لیے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس امریکہ ایرانی طیارہ مار گراتا ہے جس میں ۱۵۰ افراد ہلاک ہوتے ہیں تو اس پر نہ شور بلند ہوتا ہے نہ واویلا مچتا ہے، نہ معاوضے کا مطالبہ ہوتا ہے، نہ امریکہ پر پابندیاں لگانے کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ ذرائع ابلاغ کو امریکی مفادات کے لئے استعمال کر رہے رہیں۔

۸) آئرش ری پبلکن آرمی اور آئرلینڈ کی برطانیہ سے آزادی کے علم بردار گروہ پُر تشدد کارروائیوں پر عرصہ دراز سے گامزن ہیں۔ صورتحال قابو سے باہر ہونے لگی تو اس وقت برطانوی وزیر اعظم جان میجر نے اعلان کر دیا کہ اگر آئرش صوبے کے لوگ ریفرنڈم کے ذریعے الگ ہونا چاہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ اس کے برعکس مقبوضہ کشمیر کے عوام نے ۸۵ ہزار افراد قربان کرا دیے ہیں، اربوں روپے کی فصلیں، فیکٹریاں، کاروبار اور املاک کو بھارتی فوجیوں نے ملیامیٹ کر دیا ہے، ہزاروں عورتوں کی فی الواقع عصمت دری ہو چکی ہے، پوری قوم بھارت کے پنجہ استبداد سے آزادی کے لئے یک جان ہو چکی ہے لیکن عالمی ذرائع ابلاغ مجاہدین آزادی کو "مٹھی بھر شر پسند عناصر" انتہا پسند اور فرقہ پرست قرار دے کر ساری جدوجہد آزادی کو سبوتاژ کر دیتے ہیں۔ اس دورنگی کے ذمہ دار وہ یہودی عناصر اور

ایجنسیاں ہیں جو ان عالمی رسائل و جرائد کے مالک اور پشت پناہ ہیں اور تمام فیصلے اپنی مرضی کے مطابق کرانا چاہتے ہیں۔

مغربی ممالک کے ذرائع ابلاغ عالم اسلام کے بنیادی عقائد اور اسلامی اقدار کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کر رہا ہے،اس کی شر انگیزیاں اس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر بھی رکیک حملے رہے ہیں جس سے پوری امت کی دل آزاری ہوئی اور مسلسل ہو رہی ہے۔

علاوہ ازیں الیکٹرانک اور سوشل میڈیا نے اخلاقی اور روحانی تباہی مچا رکھی ہے اور یہ گلوبلائزیشن کا سب سے بڑا آلۂ کار نظر آتے ہیں،انٹرنیٹ ،جنسیت اور فحش کاری کو سب سے زیادہ فروغ دینے والا ہے جو انسانیت کو گڑھے میں دفن کرنے والی بیماریاں ہیں جسے اللہ نے مؤمن معاشرے میں پھیلانا حرام قرار دیا ہے اور پھیلانے والے کے لئے بڑا عذاب رکھا ہے ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلۡفَٰحِشَةُ فِي ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيمٞ فِي ٱلدُّنۡيَا وَٱلۡأٓخِرَةِۚ وَٱللَّهُ يَعۡلَمُ وَأَنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ﴾ (٨٢)

لیکن مغربی ترقی کے اس سحر انگیز مہلک ہتھیار کے وار سے کمپیوٹر کے سکرین پر بیٹھ کر، صرف ایک کلک (بٹن دبانے) سے انسان فحاشی و عریانی اور تخریب اخلاق کے تالاب میں "جہالت اور شرم وحیا" کے ساری حدود پار کر کے داخل ہو جاتا ہے۔ انٹرنیٹ کی اس بے ہودہ دنیا میں لاکھوں ویب سائٹس ہیں، جہاں سے ایک انسان دنیا کے کسی بھی کونے میں فحش تصویریں، جنسی ہیجان برپا کرنے والی فلمیں اور اس قسم کی ہر طرح کی مفت تباہی والے مناظر بآسانی دیکھ سکتا ہے۔ یہ جنسیت زدہ اور فحش کلچر انسانیت کے لئے تباہی ہے جس کے بارے میں ایک روسی سکالر نے لکھا ہے:

> " مغربی عورتیں اپنے جسم دکھاتے ،لباسوں اور عریاں پنڈلیوں کے ذریعے مردوں کی قبریں کھودتی ہیں، ذرا دیکھئے بظاہر ایک بھلی سی لڑکی ہیجان انگیز وضع قطع کے ساتھ اپنی ایک دوست کی خوشی کے لئے گھر سے خراماں خراماں نکلتی ہے لیکن اپنے جلووں سے راستے بھر میں ایک درجن سے زیادہ مردوں کو (بلاوجہ) ذہنی اور صنفی اذیت میں مبتلا کرتی چلی جاتی ہے۔ یوں عریانی اور برہنگی کے یہ کھلے ہتھیار بڑے پیمانے پر تباہی

پھیلانے Mass Destruction کا کام کر جاتے ہیں۔ اس طرح یہ سارا عمل مغربی تہذیب کو ایک مضمحل معاشرے کے سپرد کر دیتا ہے"(۸۷)۔

موج مستیوں کے ٹی وِی ڈرامے اور فلمیں اور آلاتِ موسیقی اور شراب و کباب کے رنگین جوان کڑکوں اور لڑکیوں کے مخلوط حافل تباہی انسانیت کے اسباب ہیں، جس کے بارے آپ ﷺ نے فرمایاہے :

"جب گانے والی عورتیں، آلات موسیقی اور شراب کا عام رِواج ہو جائے تو تم اس وقت ایک سرخ آندھی کا، زلزلہ کا، زمین میں دھنسنے کا، صورتیں مسخ ہونے کا اور قیامت کی نشانیوں کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے کسی ہار کی لڑی ٹوٹ جانے سے موتی بکھر جاتے ہیں' انتظار کرو۔" (۸۸)

مغربی ممالک میں بھی یہ حقیقت تسلیم کی جانے لگی ہے کہ عصمت دری کے جراثیم کا بے حجابی اور بے لباسی سے گہرا تعلق ہے، سویڈن کی ایک ۱۸ سالہ لڑکی "روسا" نے اپنے ڈرائیونگ انسٹرکٹر پر اپنے ساتھ زیادتی کا الزام لگایا، تو سویڈن کی عدالتِ عظمیٰ نے یہ فیصلہ دیا کہ:

"جین پہننے والی لڑکی کسی شخص پر زیادتی کا الزام نہیں لگا سکتی کیونکہ ایسا اس کی مرضی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔"(۸۹)

گویا "جین" جیسا بے حجاب لباس عمل کی زبان ہے(۹۰)۔

ہندوستانی میڈیا نے تو عریانی، فحاشی، اور جنسیت اور اخلاقی تباہی میں دنیا کو مات دی ہے، کیونکہ اس کو مذہبی اور ثقافتی تقدس ہندوستان میں حاصل ہو چکا ہیں۔ مغربی میڈیا کے مصنف لکھتے ہیں:

"آج سے ایک ہزار سال قبل ہندوستان میں "کام شاستر" کا مطالعہ نابالغ اسکولی بچوں کو سنِ بلوغت میں پہنچانے کا ایک ذریعہ تسلیم کیا جاتا تھا کام شاستر کا ایک درس یہ بھی ہے کہ دوسرے کی بیویوں کو کیسے رجھایا جا سکتا ہے غیر فطری جنسی حرکتوں، ہم جنسی اور جسم فروشی کی ایسی ترکیبیں اس کتاب میں موجود ہیں کہ موجودہ دور کے تمام تر بسیوائی ادب شرم سے پانی پانی ہو جائیں گے(۹۱)۔

یہی وجہ ہے کہ آج ہندوستانی میڈیا نے فحش، عریاں، ننگے اور جنسی مناظر کو کمائی کا ذریعہ بنایا ہے اور آس پاس کے ممالک، سب کو ہندوستانی جنسیت اور فحش زدہ میڈیا اور کلچر نے تباہی کی طرف گامزن کر دیا ہے۔

فحش ٹی وی سیریز اور جنسی اختلاط پر مبنی فلموں کو ٹی وی پر دکھانے کا دفاع کرتے ہوئے "جین" ٹی وی کے مالک (ڈاکٹر جے کے جین) کہا "ہم سیکس سے لطف اندوز ہونے والی فلمیں دکھاتے ہیں، آخر اس میں کیا غلط ہے؟ اس طرح کی ننگی تصویریں دیکھ کر لوگ تھک جائیں گے، تو زنا بالجبر کے واقعات خود بخود کم ہو جائیں گے[۹۲]۔

اس قسم کے بیہودہ، شرم سے پانی پانی کرنے والے "سوتر نامی" کنڈوم کے اشتہارات اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں، ساحل سمندر پہ جوڑا دکھایا گیا ہے وہ پلے بوائے (Play boy) امریکہ کا فحش ترین رسالہ اور لیس میکر جیسے فحش رسائل کے مضامین و تصاویر کو بھی شرمندہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ یہ فحش رسائل، ادب، ٹی وی اور فلم نہ صرف ہندوستانی بلکہ دنیا کے لئے فحاشی، جنسی انارکی کا ایک تحفہ ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱) اجمل ملک، صحافت صوبہ سرحد میں، قومی پبلشرز لاہور، ۱۹۸۰ء، ص:۱۹

۲) http://users7.jabry.com/salafi/articles/printmedia.html

۳) سید محمد عابد http://www.urduweb.org/mehfil/threads

۴) سورۃ البقرہ:۲۵۷

۵) سورۃ النساء:۸۷

۶) سورۃ النساء:۱۲۲

۷) ترمذی، محمد بن عیسی، جامع ترمذی، ابواب العلم، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹، حدیث:۲۶۵۶

۸) محمد بن فتوح الحمیدی، الجمع بین الصحیحین، باب افراد مسلم، نشر دار ابن حزم، لبنان، ۲۰۰۲ء

۹) سورۃ النساء:۱۳۵

۱۱) سورۃ البقرہ:۱۴۰

۱۲) سورۃ البقرہ:۲۸۳

۱۴) ماہنامہ بیداری، ص:۶، ج:۷، شمارہ:۸۳، مارچ ۲۰۰۱ء، حیدرآباد

۱۵) سورۃ الحجرات:۶

۱۶) ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی:۹۷۱

۱۷) سورۃ القلم:۱

۱۸) سورۃ العلق:۴

۱۹) سورۃ القلم:۱

۲۰) الازھری، محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشن، لاہور، ۱۴۱۸ھ، ج:۵، ص:۳۲۹

۲۱) http://users7.jabry.com/salafi/articles/printmedia.html

۲۳) سورۃ البینہ:۲

۲۴) سورۃ البقرہ:۲۰۸

۲۵) اسلامی صحافت، ص:۴۱

۲۶) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، السنن، کتاب الملاحم، دار السلام الریاض، ۱۹۹۹، حدیث:۴۳۴۴

۲۹) ماہنامہ بیداری، ص:۷

۳۰) اسلامی صحافت، ص:۴۷،۴۸

۳۱) سورۃ الاحزاب:۷۰

۳۲) سورۃ النساء:۸

۳۳) سورۃ النساء:۶۳

۳۴) سورۃ النحل:۱۲۵

۳۵) سورۃ طٰہٰ:۴۴

۳۶) سورۃ الانعام:۱۰۸

۳۷) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الایمان، دار الفکر، بیروت، ۲۰۰۰، حدیث:۱۱

۳۹) تحریر، سید محمد عابد، http://www.urduweb.org/mehfil/threads

۴۰) علی معین نوازش، دورنو، روزنامہ جنگ، ۲۹ دسمبر ۲۰۱۱ء، ص:۳۔

۴۱) http://www.akhbaroafkar.com/detail.asp?aid=1615

۴۲) سورۃ النور: ۱۹

۴۳) یاسر ندیم، مولانا، گلوبلائزیشن اور اسلام، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۰۴، ص:۲۷۵،۲۷۶

۴۴) لے مونڈ ڈپلومیٹ

۴۵) ترجمان القرآن، ۶۶، جولائی ۲۰۱۰ء، ص:۶۵

۴۶) اقوام متحدہ کے سابق سیکرٹری جنزل ڈاکٹر بطرس غالی

۴۷) ندوی، نذر الحفیظ، مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۰۰، ص:۵۸،۵۹

۴۸) ترجمان القرآن

۴۹) ایشیا، ۱۱ تا ۱۷ر مئی ۲۰۰۶ء، ص:۱۷

۵۰) ایم اے سلومی، ڈاکٹر، دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کے معصوم شکار، ترجمہ: محمد یحییٰ خان، نگارشات پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص:۳۶

۵۱) گلوبلائزیشن اور اسلام،، ص:۲۷۱، بحوالہ، یحیی خان یہودی پروٹوکول، باب:۱۲، نگارشات پبلشرز لاہور، ۲۰۰۸ء

۵۲) رپورٹ، ہفت روزہ المجتمع، ۵ر اپریل ۲۰۰۸ء

۵۳) مثلاً ۱۹۵۵ء میں جمال ناصر کے دور میں اخوان المسلمون پر مظالم کی ایک جھلک زینب الغزالی مرحومہ نے یوں کھینچی ہے: "چیخیں، آنسو، آہیں "۱۹۵۵ء میں، مَیں کسی سے مشورہ کئے بغیر خود بخود دعوت اسلامی کی خدمت کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وجہ یہ تھی کہ میرے کان ان یتیموں کی چیخیں سن رہے تھے جن کے باپ جلادوں کی تعذیب برداشت نہ کرتے ہوئے جانیں دے چکے تھے، میری آنکھیں ان بے سہارا خواتین کے اشک دیکھ رہی تھیں جن کے خاوند جیل کی سلاخوں کے اندر مقید تھے، مجھ تک ان بوڑھے والدین کی آہیں پہنچ رہی تھیں جو اپنے جگر گوشوں سے محروم ہو چکے تھے، یہ چیخیں، یہ آنسو، یہ آہیں میرے دل کو ریزہ ریزہ کر رہی تھیں۔ میرے دل نے کہا: اے تہی دامن زینب! ان بھوکوں کی بے کسی اور ان بیچاروں کے زخموں کی مرہم پٹی تم پر عائد ہوتی ہے اس خلش کے بعد میں نے ان لوگوں کو کچھ نہ کچھ مدد دینی شروع کی مگر کیا کرتی، فاقہ زدوں اور برہنہ تنوں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔ ادھر ان شہداء کی خبریں مسلسل آرہی تھیں جو سنگدل، ملحد اور درندہ صفت جلادوں کے تازیانوں کی متواتر ضربوں سے جانیں جاں آفرین کے سپرد کرتے جارہے تھے" (زینت الغزالی، ایام من حیاتی . ترجمہ: خلیل احمد حامدی، روداد قفس ۴۷،۴۶، ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۲۰۱۱ء)

علاوہ ازیں تاریخ صحابیات زندہ کرنے والی اس خاتون نے اپنے زندان کے شب وروز کے تذکرے میں اپنے اوپر تعذیب کی یہ جھلک بیان کی ہے:

"حمزہ البسیونی نے بپھر کر حکم دیا کہ اس عورت کو پکڑ لو، اسکے ساتھ نرم رویہ بے سود ہے، یہ کہہ کر حمزہ البسیونی چلا گیا اور چند لمحات کے بعد صفوت الروبی چند ساتھیوں کو لے کر آگیا۔ انہوں نے نہایت شقاوتِ قلبی اور سیاہ ضمیری کے ساتھ مجھے زمین پر لٹا دیا اور پھر میرے ہاتھ اور پاؤں میں رسی باندھ دی، مجھے یہ خبر نہ ہو سکی کہ انہوں نے کس طرح یہ رسی باندھی۔ مجھے ایک لکڑی کے ساتھ الٹا ٹانگ دیا۔ ویسے ہی جیسے قصاب جانور ذبح کرنے کے بعد اسے لٹکا دیتا ہے اور مجھ پر چرمی تازیانے برسنے لگے۔ تازیانے بھی وہ لوگ لگا رہے تھے جو اس مجرمانہ کاروائی میں نہایت مہارت رکھتے تھے اور میں ایک مسکین وناتواں عورت الٹی لٹکی ہوئی تازیانے کھا رہی تھی (میں نے اللہ ہو) کا وِرد شروع کر دیا۔ تازیانے لگتے رہے، میں (اللہ ہو) پڑھتی رہی اور اسی وِرد کی تکرار میں مجھ پر بیہوشی طاری ہو گئی۔ پھر کیا ہوا مجھے کوئی علم نہیں۔ جب قدرے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو اسی طرح کے اسٹریچر پر پایا جس طرح کے اسٹریچر ہسپتال میں ہوتے ہیں۔ میں بے سکت ہو چکی تھی۔ نہ بول سکتی تھی، البتہ مجھے کچھ کچھ محسوس ہو رہا تھا کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ مجھے اس حالت میں میری کوٹھڑی میں لے گئے اور جب پوری کوٹھڑی کا دروازہ کھٹکھٹایا، اور التجا کی مجھے کوئی ایسی چیز دی جائے جس سے میں رستے ہوئے خون کو روک سکوں۔ میں نے فرسٹ ایڈ کے لئے ڈاکٹر کی خدمات مانگیں مگر مجھے جواب میں فحش اور غلیظ گالیوں اور لعنت کے فقروں سے نوازا گیا۔ وللہ الحمد علیٰ کلِ حال۔ (بحوالہ روداد قفس مصنف زینب الغزالی، ص:۸۶ تا ۸۷)

مرحومہ کی یہ سرگزشت "روداد قفس" ایک خونچکاں داستان ہے۔

۵۴) مقالہ:ڈاکٹر ثاقب ریاض،عالم اسلام اور مغربی ذرائع ابلاغ،در تخلیقی ادب، ص:۲۹۰، NUML، شمارہ نمبر:۷،H-9 اسلام آباد

۵۵) ترجمان القرآن،دسمبر ۲۰۰۸ء،ص:۴۷

۵۶) فرائیڈے اسپیشل،۳۰جنوری تا۵فروری ۲۰۰۴ء،ص:۱۶،۱۷

۵۷) روزنامہ جنگ،کالم:نصرت مرزا،۱۵اپریل ۲۰۱۱ء

۵۸) مغربی میڈیا اور اس کے اثرات،ص:۱۷۸

۵۹) ترجمان القرآن،نومبر ۲۰۱۰ء،ص:۷۲

۶۰) ہفت روزہ تکبیر،۲۶دسمبر ۱۹۹۶ء

۶۱) جنگ سنڈے میگزین،۸،مئی ۲۰۰۹ء،ص:۳

۶۲) Robert Fisk, "A Strong Kind of Freedom, “The Independent, 9/7/2002

۶۳) Mohammed Abdullah, Al-Rockin" The West has political motives for targeting Islamic Charities, The Daily Star Jul 27, 2002

۶۴) Gulf Affairs , Magazine No.31,2002, & al-Ray al- Aam(Sudan), 7.6.2002

۶۵) دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کے معصوم شکار،ص:۲۹۰،۲۹۱

۶۶) محمد ایوب خان،کرنل(ر)،ڈاکٹر،قرضوں کی جنگ،انجمن خدّام القرآن لاہور،۲۰۰۹ء،ص:۹

ترجمہ: The Money Masters by: Bill Still & Patrick SJ Cormack

۶۷) Carl Ernst, Following Muhammad: Rethinking Islam in the Contemporary World
(ترجمان القرآن،نومبر ۲۰۱۰ء،ص:۷۲بحوالہ

۶۸) ترجمان القرآن،مارچ ۲۰۰۸ء،ص:۴۶

۶۹) لیڈی میری وارٹلی مانٹیگ (۱۶۸۹-۱۷۶۲ Lady Mary worthily Montage) برطانوی طبقہ اشرافیہ کی نمائندہ خاتون ادیب تھی جنہوں نے مسلم شرق کے بارے میں سیکولر انداز سے تبصرہ کیا ہے(ترجمان القرآن،ص:۷۵،نومبر ۲۰۱۰ء)

۷۰) ایضاً،ص:۷۱

۷۱) ایضاً،ص:۷۲

۷۲) سورۃ آل عمران:۱۸۱

۷۳) گلوبلائزیشن اور اسلام،ص:۲۷۳

۷۴) مغربی میڈیا اور اس کے اثرات،ص:۹۹

۷۵) تخلیقی ادب، شمارہ نمبر:۷، ص:۲۸۸،۲۸۹
۷۶) ترجمان القرآن، جولائی ۲۰۰۴ء، ص:۷۹
۷۷) تخلیقی ادب، شمارہ نمبر:۷، ص:۲۸۹
۷۸) مائیکل بگنن مارڈنٹ، امریکا المستبدۃ، الولایات المتحدہ وسیاسۃ السیطرۃ علی العالم، اردو ترجمہ حامد فرزات، ایحاد الکتاب العرب، دمشق، ۲۰۰۱ء، ص:۱۱۲، ۱۲۲
۷۹) ماہنامہ البرہان، دسمبر ۲۰۱۰ء، ص:۴۱
۸۰) Scholars for 9/11 Truth website
۸۱) ماہنامہ البرہان، ص:۴۶
۸۲) گلوبلائزیشن اور اسلام، ص:۳۸۹
۸۳) تخلیقی ادب، ص:۲۸۸
۸۴) ترجمان القرآن، جون ۲۰۰۳ء، ص:۷۲
۸۵) ترجمان القرآن، جون ۲۰۰۳ء، ص:۷۳
۸۶) سورۃ النور:۱۹
۸۷) ترجمان القرآن، جون ۲۰۰۸ء، ص:۷۱
۸۸) ترمذی، حدیث نمبر:۲۲۱۱
۸۹) روزنامہ نوائے وقت ۱۲/ فروری ۱۹۹۸ء
۹۰) خنساء، مریم، مسلمانوں کا فکری اغوا، دار الکتب السلفیہ، لاہور، ۱۴۲۶ھ، ص:۱۷۱
۹۱) مغربی میڈیا کے اثرات، ص:۲۵۵۔۔ماہنامہ، بیدار ڈائجسٹ، نومبر ۱۹۹۸ء
۹۲) ایضاً، ص:۲۳۸

****

اسلامی معیشت اور امداد باہمی کا تصور

Islamic Economy & Concept of Mutual Cooperation

عافیہ مہدی *

ABSTRACT

Islam is the only religion which is complete code of life. The needs of human beings have been felt and addressed properly. In spite of created by only one creator humans are different in their potentials, behavior and attitude.

Owing to this difference, the incomes of people are drastically different from each other. As a result, a few people are rich and well off whereas some are poor- being up to sustenance level. Therefore, people cooperate with each other to eliminate the class differences of social strata. In this perspective, Islam has given an invulnerable perfect socio-economic system. For mutual cooperation, Islam has also addressed the issue and suggested different steps such as madharabah, partnership and tenancy.

Bedsides Islam has also focused on secondary resources of mutual cooperation and support that are typically related to the personal concern. It includes: sacrifice, gift, free lending and Qarz-e-Hasanah etc. It also reflects that the man gives precedence to congregational matters over his individuality which is an ample example of mutual cooperation. In fact, mutual cooperation is one of those key factors on which the edifice of prosperous society is built. All religions and ideologies have focused and emphasized on the mutual cooperation; however, Islam lays extra emphasis to build a strong and thriving human state.

Keywords: Mutual Cooperation, Partnership, Mudarba, Sacrifice, Qarz e Hasna (Interst free loan), Lending, Tenancy

---

* لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

اسلام سلامتی اور امن وآشتی کا دین ہے اور اس کا ودیعت کردہ تصور فلاح وبہبود صرف نظریہ وعقیدہ تک محدود نہیں بلکہ عمل کے لحاظ سے ایک مکمل اور عالمگیر نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام نے ایک فلاحی اور مثالی اسلامی مملکت میں افراد کی فلاح وبہبود اور سلامتی کو مستحکم بنانے کے لیے امداد باہمی اور تکافل کا تصور دیا ہے۔ امداد باہمی سے مراد معاشرے کے افراد کا ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام کے نقطۂ نظر سے معاشرے اوراسلامی ریاست کی ترقی کے لیے باہمی امداد و اخوت اور مساوات کو فروغ دیا گیا ہے تاکہ معاشرے کے اندر سے غربت افلاس اور جرائم کا خاتمہ ہو سکے اور تمام افراد معاشرہ خوشحال زندگی بسر کر سکیں۔

جس طرح "امداد باہمی" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس کے معنی ایک دوسرے کی مدد، خیر خواہی ہے۔ اہل لغت نے بھی ان الفاظ کو انہی معنوں میں استعمال کیا ہے مثلاً امداد سے مراد، مدد دینا، ہاتھ بٹانا، اعانت کرنا، وظیفہ، عطیہ بخشش ہے اور امداد باہمی سے مراد مشترکہ مفاد کے لیے آپس کی تنظیم، باہمی اشتراک سے سماجی یا معاشی فلاح وبہبود کے کام انجام دینا[۱]۔

عربی زبان میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون، معاونت کو التعاون الاجتماعی کہا گیا ہے۔ لغت میں التعاون الاجتماعی کے لیے ''تکافل'' کے الفاظ استعمال ہوئیں ہیں پس یہ لفظ کفالت سے نکلا ہے جس کے معنی باہم ایک دوسرے کا ضامن بنایا باہم ایک دوسرے کی دیکھ بھال کرنا ہے[۲]۔

المنجد میں مذکور ہے: كَفَلَ : كَفْلاً وكَفَالة فُلاناً: نان ونفقہ کا ذمہ دار ہونا۔ تَكَفَّلَ لَه بِكَذا: ضامن ہونا۔ کہا جاتا ہے تَكَفَّلَ بِالمَالِ یعنی اپنے ذمہ مال کر لیا[۳]۔

امداد باہمی کے پس منظر میں اسلام نے اصول تکافل عام (General Guarantees) کا تصور دیا ہے[۴]۔ جس کے تحت انسانیت کے درمیان تعاون کی فضا کو استوار کیا گیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں تکافل کے مفہوم کی بہت سی صورتیں رائج ہیں، مثلاً مشترکہ خاندانی نظام یعنی ایک ہی خاندان کے افراد اپنے دوسرے رشتہ دار بھائی کے ساتھ تعاون کے اصول کے تحت مدد کرتے ہیں۔

امداد باہمی کے لیے انگریزی زبان میں (Mutual Cooperation) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی باہمی لین دین، باہمی تبادلہ، مشترک، اسی سے Mutually (دوطرفہ طور پر) ہے اور Mutual Fund (مشترکہ سرمایہ) بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ بعد میں باہمی تعاون کا ایک نظریہ

متعارف ہوا: Mutualism (نظریہ تعاون) علم عمرانیات کی رو سے یہ نظریہ فرد اور معاشرہ کے باہمی انحصار سے دونوں کو فائدہ دینے پر بحث کرتا ہے[۵]۔

Cooperate، مل جل کر کام کرنا Cooperation، امداد باہمی، تعاون، اتحاد عمل وغیرہ کے معنوں میں بولا جاتا ہے[۶]۔

حدیث شریف میں امداد باہمی منفعت سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے بارے میں ارشاد رسول ﷺ ہے:

((خَيْرُ النَّاسِ أنفَعُهم لِلنَّاس))[۷]

(لوگوں میں بہترین وہ شخص ہے جو ان میں عام لوگوں کے لیے زیادہ نفع بخش ہو)۔

منفعت سے مراد یعنی ہر شعبہ زندگی میں دوسروں کی مدد و تعاون ہے۔ اجتماعی سطح پر انسان اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے معاشرے کے دوسرے افراد کا محتاج ہے لہٰذا امداد باہمی کے بغیر معاشی و معاشرتی استحکام ممکن نہیں اسی لیے اسلام نے تصور امداد باہمی کے ذریعے نا صرف ریاست کے معاشی نظام کو تقویت دی ہے بلکہ افراد میں تعاون کو فروغ دیتے ہوئے اخوت، عزت و احترام اور خوشحال زندگی گزارنے کا اصول بھی وضع کر دیا ہے۔

امداد باہمی کا تصور اور قرآن پاک:

قرآن پاک میں باہمی امداد اور تعاون کی بڑی ترغیب دی گئی ہے اور یہی باہمی امداد ہی تکافل کی بنیاد ہے انفرادی اور اجتماعی سطح پر امداد باہمی کے فروغ کے لیے قرآن پاک میں جو اصول اور قانون بیان ہوا ہے وہ یہ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾[۸]

(اور نیکی اور پرہیز گاری (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔)

اس آیت مبارکہ میں اخلاقی، معاشرتی اور معاشی پہلوؤں کے لحاظ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

"تقوی" اور "اثم" یعنی پرہیز گاری اور گناہ کا تعلق انسان کی اخلاقی زندگی سے ہے جبکہ "بر" اور "عدوان" کا تعلق زندگی کے اجتماعی اور معاشی پہلو سے ہے[۹]۔

اردو لغت میں تعاون کے لفظ کے معنی امداد باہمی، مدد معاونت اور امداد کے ہیں[۱۰]۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ کی تشریح و تفسیر میں امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی روشنی میں تعاون و تناصر کی صورت کو اس طرح تحریر کیا ہے:

"لأن في التقوى رضا الله، وفي البر رضا الناس. ومن جمع بين رضا الله ورضا الناس فقد تمت سعادته وعمت نعمته"[۱۱]

(تقویٰ میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور نیکی میں عامۃ الناس کی رضا ہے۔ جس نے ان دونوں کو جمع کیا پس اس نے اپنی سعادت اور خوش بختی کو مکمل کر دیا۔)

أحمد بن مصطفى المراغي بر اور تقوی کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"التوسع فى فعل الخير، والتقوى: اتقاء ما يضر صاحبه فى دينه أو دنياه"[۱۲]

(نیکی: خیر کے کاموں کی کثرت اور تقوی: یعنی ہر اُس چیز سے اجتناب کرنا جو دین و دنیا میں ضرر رساں ہو۔)

ساری دنیا کا نظام باہمی تعلق پر قائم ہے لیکن اگر یہ تعاون ظلم اور جرائم کے میدان میں ہونے لگے تو دنیا کا نظام تباہ و برباد ہو جائیگا۔ جس طرح تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ انتشار، فتنوں اور ظلم و تشدد سے بچنے کے لئے دنیا نے اپنے تحفظ کے لئے مختلف نظریوں پر خاص خاص جماعتوں یا قوموں کی بنیاد ڈالی۔ کہ ایک جماعت یا ایک قوم کے خلاف جب کوئی دوسری جماعت یا قوم حملہ آور ہو تو یہ سب اُن کے مقابلے میں باہمی تعاون کی قوت کو استعمال کر کے مدافعت کر سکیں[۱۳]۔

قرآن کریم کی متعلقہ آیت کریمہ میں مسلم اور غیر مسلم سے باہمی تعاون و تناصر کا سنہری اصول بھی بتایا گیا ہے۔

"الاثم: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ﴾ وهو الحكم اللاحق عن الجرائم، وعن "العدوان" وهو ظلم الناس "[۱۴]

(گناہ، گناہ اور ظلم کے کاموں میں تعاون نہ کرو، یہ حکم جرائم سے متعلق ہے اور "العدوان" انسانوں کے ساتھ ظلم مراد ہے۔)

البتہ اِس تعاون کی کیفیات اور درجات معاشرہ کے مختلف افراد کے لیے مختلف ہیں جس کی وضاحت امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ابن خویز منداد کا قول نقل کرتے ہوئے بیان فرمائی ہے:

"والتعاونُ على البر والتقوىٰ يكون بوجوه فواجب على العالم أن يعين الناس بعلمه فَيُعَلِمُهُم، ويُعِيْنُهم الغنى بماله، والشجاع بشجاعته فى سبيل اللّٰه، وأن يكون المسلمون متظاهرين كاليد الواحدة" (۱۵)

(عالم کے لیے لازم ہے کہ وہ علم کے ذریعے لوگوں کی مدد کرے، غنی اپنی مال کے ذریعہ لوگوں سے تعاون کرے، بہادر اپنی شجاعت کے ذریعے اللہ کے رستے میں جہاد کرے (تاکہ امن امان قائم رہے)اسی طرح معاشرہ کے مختلف افراد ایک دوسرے سے تعاون کریں تاکہ قوت واحدہ کا مظاہرہ ہو سکے۔)

نیکی کے بارے میں قرآن پاک میں مزید ارشاد ہوتا ہے ۔

﴿ لَّيْسَ ٱلْبِرَّ أَن تُوَلُّوا۟ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ ٱلْمَشْرِقِ وَٱلْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ ٱلْبِرَّ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةِ وَٱلْكِتَٰبِ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ وَءَاتَى ٱلْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ ذَوِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينَ وَٱبْنَ ٱلسَّبِيلِ وَٱلسَّآئِلِينَ وَفِى ٱلرِّقَابِ وَأَقَامَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَى ٱلزَّكَوٰةَ وَٱلْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَٰهَدُوا۟ ۖ وَٱلصَّٰبِرِينَ فِى ٱلْبَأْسَآءِ وَٱلضَّرَّآءِ وَحِينَ ٱلْبَأْسِ ۗ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ صَدَقُوا۟ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُتَّقُونَ ﴾ (۱۶)

(نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں اپنا مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور) غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) پر خرچ

کرے اور نماز قائم کرے اور زکوۃ دے اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں۔)

اس آیت مبارکہ میں نیکی کا جو تصور دیا گیا ہے وہ زندگی کے جملہ پہلوؤں پر محیط ہے، عقائد اسلام، اعمال (قیام صلوٰۃ، ادائے زکوۃ) اور معاشرتی وظائف: رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلین کی معاشی کفالت نیز زندگی کے ہر قدم پر مذکورہ بالا دستور حیات پر استقامت کے ساتھ کاربند رہا جائے[۱۷]۔

تعاون کی فضا کو اسلام نے معاشرتی اور معاشی سطح پر قائم کرنے پر زور دیا ہے جس کی عملی مثالیں اسلامی تاریخ میں بکھری پڑی ہے۔ اسلام نے معاشرتی اور معاشی سطح پر امداد باہمی کے جو اصول اور ذرائع مقرر کیے ہیں ان کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہوئے ذیل میں چیدہ چیدہ خصوصیات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

(الف) اسلامی معاشرہ اور امداد باہمی کی اہمیت:

اسلامی معاشرہ میں تعاون اور باہمی بھائی چارہ کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور ایک دوسرے کے لیے سہارا بن جائیں اور مصیبت میں کام آئیں جیسا کہ بھائی آپس میں کرتے ہیں۔ انہی اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے دنیا میں بھائی چارے، اخوت و ہمدردی اور باہمی تعاون کی خوش گوار فضا قائم ہو سکتی ہے۔

ا۔ اُخوت و مساوات کا درس:

اخوت سے مراد بھائی چارہ اور مساوات سے مراد برابری اور مساوی حقوق کی تقسیم ہے۔ اسلام نے تمام انسانوں کو ایک برادری قرار دیا اور انسان کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ مثلاً سورہ نساء کی شروع کی آیات میں واضح کر دیا گیا۔

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾[۱۸]

(لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی سے جوڑے مرد اور عورتیں کثیر تعداد میں پھیلا دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رحموں کے قطع کرنے سے بچو بیشک اللہ تعالیٰ تم پر ہر وقت نگران ہے۔)

اور تمام انسانوں کو بھائی بھائی کے رشتے میں باندھ دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّمَا ٱلۡمُؤۡمِنُونَ إِخۡوَةٌ﴾[۱۹]

(بے شک تمام مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔)

اسلام نے قومیت اور برادری اس بنیاد پر قائم کی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ماننے والے ایک قوم اور نہ ماننے والے دوسری قوم ہے۔ یہی وہ بنیاد تھی جس نے ابو جہل اور ابو لہب کے خاندانی رشتوں کو حضور ﷺ سے توڑ دیا اور بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا رشتہ جوڑ دیا۔ تاریخ میں اُخوت کی بہترین مثال عہد رسالت ﷺ میں "مؤاخات مدینہ" کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ حضور ﷺ کے سیاسی عمل کا آغاز مہاجرین و انصار میں مؤاخات یعنی بھائی چارے کے رشتے کے قیام سے ہوا اور یوں ان کے مابین تکافل (ایک دوسرے کی کفالت کرنا) کے اصول کی تطبیق ہوئی تاکہ اس اجتماعی عدل کو عملی شکل دے دی جائے جس کا اسلام علمبردار ہے۔

قرآن پاک میں یہ آیت "مؤاخات مدینہ" کے رشتۂ اُخوت کی وضاحت اس طرح کرتی ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَٰهَدُواْ بِأَمۡوَٰلِهِمۡ وَأَنفُسِهِمۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلَّذِينَ ءَاوَواْ وَّنَصَرُوٓاْ أُوْلَٰٓئِكَ بَعۡضُهُمۡ أَوۡلِيَآءُ بَعۡضٖۚ﴾[۲۰]

(جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور خدا کی راہ اپنے مال اور جان سے لڑے، وہ جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور اُن کی مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔)

مؤاخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لیے قائم کیا گیا کہ بے خانماں مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہو جائے لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراض اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا[۲۱]۔

ڈاکٹر نور محمد غفاری نے "مؤاخاۃ" کو اسلام کے نظام تکافل اجتماعی کا عملی نمونہ قرار دیا ہے اور اس کی معاشی اور معاشرتی اہمیت کے بارے میں لکھا ہے:

۱۔ مہاجرین کی معاشی کفالت کا سامان ہو گیا اور اس سے متعلقہ معاشی مسائل حل ہو گئے۔

۲۔ قلیل عرصہ میں مہاجرین کی بنیادی ضروریات زندگی کے اسباب اللہ کریم نے اس عقدِ مؤاخات کے ذریعے پیدا کر دیئے۔

۳۔ وقتی بے روزگاری کا علاج کر لیا گیا۔

۴۔ معاشی وسائل کا مناسب استعمال کر لیا گیا۔[۲۲]

حضور اکرم ﷺ نے مؤمنین کے اسی بھائی چارے کو ایک جسم کی مانند قرار دیتے ہوئے باہمی معاشرتی تعاون اور امداد باہمی کی وضاحت یوں فرمائی۔

((تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ ، إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى))[۲۳]

(تم مؤمنین کو آپس میں مہربانی، شفقت اور لطف و کرم میں ایسے دیکھو گے جیسے کوئی جسم کہ جب اس میں کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم (تکلیف میں مبتلا ہو کر) بے خوابی اور بخار کی سی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

((الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ))[۲۴]

(ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے ایسے ہے کہ جیسے ایک عمارت کہ جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں آپس میں گھ لیں۔)

یہ ارشاد نبوی باہمی معاشرتی تعاون کی دلیل ہے۔

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ))[۲۵]

(تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہ کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔)

اسلام نے باہمی معاشرتی امداد باہمی کو سیاسی، باہمی دفاعی سطح پر باہمی تقریری تعاون، باہمی اخلاقی تعاون اور باہمی علمی تعاون کی سطح پر نافذ العمل بنانے پر زور دیا ہے۔

(ب) اسلامی معیشت اور امداد باہمی کی اہمیت:

امداد باہمی اجتماعی زندگی کا ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ جو مذہب، سیاست و معاشرت اور اقتصاد غرضیکہ تمام شعبوں پر یکساں حاوی ہے۔ اسلام نے لوگوں کی معاشی حالت کو بہتر کرنے پر بڑی توجہ دی ہے، ان کے مال ودولت کے ضائع ہونے اور فضول خرچ ہو جانے سے حفاظت فرمائی ہے اسی لیے فضول جگہوں پر مال استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔ لہٰذا حکومت پر واجب ہے کہ وہ ارتکاز دولت کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کرے اور ان کے جمع شدہ اموال کو مناسب قیمت اور معقول منافع کے ساتھ پبلک میں تقسیم کر دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾[۲۶]

(اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔)

اسلام نے حقوق و فرائض کا جو نظام وضع کیا ہے اس کی رو سے ہر مسلمان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی دادرسی کرے مشکل میں اس کی مدد کرے اور اگر اس کے گھر میں کھانے کو نہ ہو تو اس کو کھانا دے۔ اس کی روشن مثالیں حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں موجود رہیں۔ مثلاً نبی کریم ﷺ نے اشعری قبیلہ کے لیے ((فهم منى وأنا منهم)) (کہ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں) کے الفاظ سے اظہار محبت فرمایا اس کی وجہ ان کے ہاں امداد باہمی کا عملی مظاہرہ تھا۔

حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْأَشْعَرِيِّينَ إِذَا أَرْمَلُوا فِي الْغَزْوِ أَوْ قَلَّ طَعَامُ عِيَالِهِمْ بِالْمَدِينَةِ جَمَعُوا مَا كَانَ عِنْدَهُمْ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ثُمَّ اقْتَسَمُوهُ بَيْنَهُمْ فِي إِنَاءٍ وَاحِدٍ بِالسَّوِيَّةِ))[۲۷]

(جب دوران جنگ اشعریوں کا کھانا ختم ہو گیا یا مدینہ میں قیام کے دوران ان کے اہل وعیال کے لیے کھانا کم پڑ گیا تو انہوں نے جو کچھ ان کے پاس تھا اسے ایک کپڑے میں جمع کیا، پھر ایک برتن سے برابر برابر آپس میں تقسیم کر دیا۔)

اشعریوں کی طرح آج بھی اگر امت مسلمہ اعتدال اور اسراف سے پرہیز کرتے ہوئے اپنے وسائل اور آمدنی کا درست استعمال کرے تو معاشرے سے غربت وافلاس کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔

امداد باہمی کے طریقے:

اسلام نے امداد باہمی کی ترغیب کے ساتھ ساتھ امداد باہمی کے بعض طریقے بھی وضع کیے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔ مضاربت:

امداد باہمی کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے یہ بہترین طریق تجارت ہے۔ مضاربت ایسے تجارتی معاملہ کا نام ہے جس میں ایک جانب راس المال (سرمایہ) ہوتا ہے اور دوسری جانب فقط محنت ہوتی ہے اور منافع مثلاً نصف یا کم بیش طے پایا جاتا ہے[۲۸]۔

مضاربت کا مادہ " ض۔ ر۔ ب (ضرب)" ہے بمعنی سفر کرنا علاوہ ازیں یہ "ضاربة في الأرض" سے ماخوذ ہے جس کے معنی زمین میں چلنے پھرنے یا سفر کرنے سے ہے۔ چونکہ اس میں ایک آدمی پیسہ دیتا ہے اور دوسرا آدمی اپنی محنت بھاگ ودوڑ سے مزید پیسہ پیدا کرتا ہے اور فائدہ حاصل کرتا ہے[۲۹]۔

قرآن پاک میں لفظ ضرب کئی جگہوں پر استعمال ہوئے ہیں:

۱۔ ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ﴾[۳۰]

(اور جب تم زمین میں سفر کرو۔)

۲۔ ﴿وَءَاخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ﴾[۳۱]

(اور بعض دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔)

حدیث کی رو سے مضاربت کو " قراض" یا " مقارضة" بھی کہتے ہیں۔ مقارضہ کے معنی کاٹ دینا ہے۔ لہٰذا مضاربت میں سرمایہ دار اپنی آمدنی سے بچا بچا کر (کاٹ کاٹ) کر کچھ سرمایہ جمع کرتا ہے۔ اور اسے کاروبار میں لگاتا ہے اسی کی وضاحت سنن ابن ماجہ میں درج ہے۔ جس میں مضاربت کا لفظ مقارضہ کے معنوں میں آیا ہے، جس کو آپ ﷺ نے برکت قرار دیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((ثَلَاثٌ فِيهِنَّ الْبَرَكَةُ، الْبَيْعُ إِلَى أَجَلٍ، وَالْمُقَارَضَةُ، وَخَلْطُ الْبُرِّ بِالشَّعِيرِ))[۳۲]

(تین چیزوں میں برکت ہے مدت معین تک بیع کرنا اور ایک دوسرے کو باہم قرض دینا۔)

بہت سے ارباب دولت وہ ہیں جن کے پاس سرمایہ کافی ہوتا ہے لیکن تجارتی کاروبار سے قطعاً ناآشنا ہیں یا وہ جسمانی طور پر کمزور ہوتے ہیں کاروبار کی دوڑ دھوپ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور بہت سے نادار اور غریب ایسے ہیں جن کو تجارتی کاروبار کو دیانت کے ساتھ چلانے کا سلیقہ ہوتا ہے لیکن وہ سرمایہ سے محروم ہیں۔ لہٰذا دونوں کو جائز دولت کمانے اور خصوصاً سرمایہ سے محروم کو اپنی محنت کا پھل اٹھانے کے لیے حسنِ سلوک اور امداد باہمی کا یہ بہترین طریقہ ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"معاونتِ باہمی کی چند قسمیں ہیں ان میں سے ایک مضاربت ہے وہ یہ کہ مال ایک شخص کا ہو اور محنت دوسرے شخص کی ہو اور رضامندی کے ساتھ طرفین کی تصریح کے ساتھ نفع دونوں کے درمیان تقسیم ہو۔"[۳۳]

عقد مضاربت کے ذریعے انسانی مصالح کا تحفظ ہوتا ہے، ناداروں کی بھلائی میں مدد ملتی ہے۔ معاشرے سے بے روزگاری کا خاتمہ ممکن ہے۔ منفی، معاشرتی سرگرمیوں کا انسداد ہوتا ہے اور جماعتی زندگی میں نہ فاقہ کشی نظر آئے گی اور نہ قابل نفرت سرمایہ دار۔

۲۔ شرکتِ معاوضہ:

"معاوضہ" ایسے تجارتی کاروبار کا نام ہے جس میں کمپنی کے طور پر چند افراد اپنا راُس المال دے کر شریک بن جاتے ہیں اور نفع ونقصان میں بھی شریک ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے لیے وکیل وکفیل اور اس معاملہ کے تمام حالات میں ذمہ دار بھی رہتے ہیں[۳۴]۔ اس قسم کی شناخت یہ ہے کہ اس میں کاروباری اعتبار سے مکمل مساوات کا تصور ملتا ہے۔

۳۔ شرکتِ صنائع:

ایسی تجارت جس میں چند ہم پیشہ افراد شریک ہوں اور نفع ونقصان میں بھی شریک ہوں[۳۵]۔

علامہ کاسانی نے اس کے تین مزید نام بھی بتائے ہیں:

"تُسَمَّى شِرِكة الأبدان وَشِرِكة بالأعمال وشركة بالتَّقَبُّل " [۳۶]

(اسے شرکتِ ابدان، شرکت اعمال اور شرکت تقبل (یعنی کام قبول کرنا) بھی کہتے ہیں)۔

المرغینانی رحمۃ اللہ علیہ الھدایۃ میں شرکت الصنائع کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"وتسمى شركة التقبل، كالخياطين والصباغين يشتركان على أن يتقبلا الأعمال ويكون الكسب بينهما"[۳۷]

(شرکت صنائع کو شرکت تقبل بھی کہتے ہیں جیسے دو درزیوں یا دو رنگ ریزوں نے اس شرط پر باہم شرکت کی کہ لوگوں کے کام قبول کریں اور کمائی دونوں میں مشترک ہو)۔

۴۔ شرکت وجوہ :

"شرکت وجوہ" اس تجارت کا نام ہے کہ بغیر "مال" کے چند افراد کے درمیان مساوی عمل ومحنت اور کسب واکتساب شرکت پر ہو جاتی ہے اور خرید وفروخت اور نفع نقصان میں بھی برابر شرکت رہتی ہے[۳۸]۔

شرکت وجوہ میں مشترکین کا مال نہیں ہوتا بلکہ مال منڈی سے ادھار خریدا جاتا ہے اور فروخت کرکے حاصل شدہ نفع آپس میں مساوی تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ نقصان کی حالت میں بھی یہی صورت ہوتی ہے[۳۹]۔

شرکت کے ذریعے "امداد باہمی" کو تقویت ملتی ہے۔ جس کا اثر مذہب، سیاست، معاشرت، اقتصاد اور زندگی کے دیگر شعبہ جات پر پڑتا ہے اور اس طرح معیشت میں مثبت رجحانات سامنے آتے ہیں۔ مندرجہ بالا طریقوں کا تعلق کاروبار کی سطح سے ہے جو ایک دوسرے کے درمیان باہمی معاونت کا باعث بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسلام نے امداد باہمی پر زور دیتے ہوئے افراد معاشرہ کے آپس میں خود غرضی جیسے عوامل کے خاتمہ کے لیے اور ایک خوشگوار معاشرہ کے قیام کے لیے مختلف طرح کے اقدامات فرمائے ہیں۔

افراد معاشرہ اور امداد باہمی :

ا۔ اپنے حق سے کم پر اکتفا کرنا:

اسلام نے ہر شخص کے حقوق کے اصول متعین کیے ہیں۔ مثلاً ہر شخص عدل وانصاف کے ساتھ پیش آئے اور لین دین کے معاملے میں کسی پر زیادتی نہ کرے بلکہ خریدار کو اچھی چیز بیچے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ﴾ (۴۰)

(ترازو کی ڈنڈھی سیدھی رکھ کر تولا کرو۔)

اسی کی وضاحت کرتے ہوئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً)) (۴۱)

(بہتر آدمی وہ ہے جو ادائیگی کے لحاظ سے بہتر ہو۔)

لیتے وقت اپنے حق سے کچھ کم پر قناعت کرنا اور دیتے وقت کچھ زیادہ دینا دراصل ایثار کا پہلا درجہ ہے اور اس امر کے ذریعے بھی امداد باہمی کو فروغ ملتا ہے اور معاشرہ میں باہمی زیادتی کے عنصر کو ختم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

۲۔ ایثار:

یہ باہمی ہمدردی کا سب سے بلند درجہ ہے جس کے معنی یہ ہے کہ انسان اپنی حاجت وضرورت کو پس پشت ڈال کر اپنے بھائی کی وہی یا ویسی ضرورت پوری کر دے (۴۲)۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے۔

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (۴۳)

(وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ خود فاقہ سے ہوں اور جو شخص اپنے نفس کے لالچ اور بخل سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ فلاح یافتہ ہیں۔)

شحیح دراصل ایسے انسان کو کہتے ہیں جو مال و دولت سمیٹنے پر تو بہت حریص ہو مگر انفاق فی سبیل اللہ یا دوسری جائز ضروریات پر خرچ کرنے کے سلسلے میں بخیل ہو اور اس کے اندر سے امداد باہمی کا عنصر بالکل ختم ہو چکا ہو۔

۳۔ قرض حسن:

امداد باہمی کے لیے قرآن کریم نے قرض حسن کی حسین اصطلاح استعمال کی ہے۔" انفاق فی سبیل اللہ" اور تعاون باہمی کے وسائل میں سے ایک مفید اور کار آمد وسیلہ " قرض حسنہ" ہے یہ حاجت مند کی وقتی حاجت روائی کا بہترین ذریعہ اور غریب و نادار انسان کے تجارتی زراعتی یا صنعتی کاروبار کے لیے بھی مؤثر وسیلہ ہے۔ قرض حسن کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَّن ذَا ٱلَّذِى يُقْرِضُ ٱللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَٰعِفَهُۥ لَهُۥ وَلَهُۥٓ أَجْرٌ كَرِيمٌ﴾[۴۴]

(کون ہے جو خدا کو نیک (نیت اور خلوص سے) قرض دے تو وہ اس کو اس سے دگنا عطا کرے اور اس کے لئے عزت کا صلہ (یعنی جنت) ہے۔)

قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں" قرض حسن" مال میں بہترین چیز کو دینے[۴۵]، شدید ضرورت مند اور محتاج افراد کو دینے[۴۶]، اپنے آپ کو مال کا مالک نہ سمجھنے بلکہ عمل تقسیم میں خالق اور محتاج کے درمیان واسطہ سمجھنے کا درس دیا گیا ہے[۴۷]۔

۴۔ ادھار چیز دینا/ وقتی یا ہنگامی معاونت و امداد:

اسلام نے امداد باہمی کا جو تصور دیا ہے اس کی روشنی میں انسانوں کے روزمرہ استعمال کی چیزوں کو بوقت ضرورت کسی کو دینا بھی امداد باہمی کے زمرے میں آتا ہے۔ قرآن پاک میں ایسے لوگوں کے لیے تباہی کی وعید دی گئی ہے جو عاریتاً چیزیں نہیں دیتے۔

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ ٱلَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ ٱلَّذِينَ هُمْ يُرَآءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ ٱلْمَاعُونَ﴾[۴۸]

(پھر تباہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں جو ریاکاری کرتے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیز لوگوں کو دینے سے گریز کرتے ہیں۔)

ماعون: ایک وسیع المعانی لفظ ہے۔ ماعون چھوٹی اور قلیل چیز کو کہتے ہیں جس میں لوگوں کے لیے کوئی منفعت یا فائدہ ہو۔ اس معنی کے لحاظ سے زکوٰۃ بھی ماعون ہے، اور عام ضرورت کی اشیاء بھی ماعون ہیں[۴۹]۔

ابن العربی، لفظ ماعون کے لغوی مفہوم کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

" هوالإمداد بالقوة والآلات والأسباب الميسرة للأمر " [۵۰]

(یعنی ماعون کسی کام کے لیے قوت، آلات اور میسر اسباب سے امداد ہے۔)

امت کا اس پر اجماع ہے کہ عاریت نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن اور مستحب ہے اس لئے کہ اس میں مضطر کی حاجت روائی اور نادار کی اعانت و امداد کا فعل پوشیدہ ہے[۵۱]۔

اسلام نے کسی سے ادھار چیز مانگنے کو ذلت قرار نہیں دیا، کیونکہ غریب اور امیر سب کو کسی نہ کسی وقت عاریت کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے اور عام استعمال والی اشیاء کو دینے سے بخل برتنا اخلاقاً ایک رذیل حرکت ہے۔

غرض کہ اسلام نے امداد باہمی و تعاون کا جو نظام وضع کیا ہے، ہر دور میں اور ہر قسم کے حالات میں نافذ العمل بنانا ممکن و آسان ہے لہٰذا اسلامی تعلیمات اور اصول و ضوابط کی روشنی میں معاشرے میں معاونت (امداد باہمی) کے اس اصول کو اس طرح رائج کیا جائے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخصیت کے لیے معاشی تنگی کا باعث نہ بننے پائے اور ہر شخص خوش حال زندگی بسر کر سکے۔ ایسے معاشی اداروں کو جڑ سے ختم کرنے کی ضرورت ہے جن میں دولت کی پیدائش بغیر محنت کے ہو، جن عوامل کے ذریعے دولت کو ذخیرہ کیا جاتا ہے معاشی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ ہر شخص اپنی روزی خود کمائے اور کوئی نہ کوئی کام کرے۔

حواشی و حوالہ جات

۱) شان الحق حقی، فرہنگ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۰۸ء، ص: ۸۳ ،مولوی سعید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ ،ص:۱/ ۲۲۵، سرہندی، وارث، قاموس مترادفات، ص:۱۵۰

۲) زاہد حسین اعوان، تکافل ایک تعارف، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، مارچ ۲۰۱۰ء، ص: ۱۳۷/۱۷

۳) لوئیس معلوف، المنجد، خزینۃ علم وادب لاہور، س ن، ص:۶۱۷

۴) باقر سید محمد الصدر، اقتصادنا، مترجم، سید سجاد رضوی، امامیہ پبلیکیشنز لاہور، ۱۴۰۹ھ، ص:۱/ ۲۰۵

۵) جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو ڈکشنری، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۴، ص:۱۲۸۹

۶) أیضاً، ص:۴۵۶

۷) سلیمان بن احمد الطبرانی، المعجم الأوسط، ریاض، کلیۃ المعارف ۱۹۸۸ء، ص: ۶/ ۵۸، حدیث نمبر: ۵۷۸۷

۸) سورۃ المائدۃ :۲

۹) ڈاکٹر محمد طاہر القادری، اقتصادیات اسلام، منہاج القرآن پبلشرز، ۲۰۰۷ء، ص:۴۷۶

۱۰) وارث سرہند، قاموس مترادفات، ص:۴۰۱

۱۱) عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، دار الکتاب العربی بیروت، ۲۰۰۴ء، ص:۵/ ۴۵

۱۲) أحمد بن مصطفی المراغی، تفسیر المراغی، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی وأولادہ بمصر، ص:۶/ ۴۵

۱۳) محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، سروسز بک کلب، ۲۰۰۲، ص:۳/ ۳۳

۱۴) الجامع لأحکام القرآن، ص:۵/ ۴۵

۱۵) أیضاً، ص:۵/ ۴۵، ۴۶

۱۶) سورۃ البقرۃ:۱۷۷

۱۷) ڈاکٹر محمد طاہر القادری، اقتصادیات اسلام، ص:۴۸۰

۱۸) سورۃ النساء:۱

۱۹) سورۃ الحجرات:۱۰

۲۰) سورۃ الانفال:۷۲

۲۱) شبلی نعمانی، مولانا، سیرۃ النبی سروسز بک کلب، ۱۹۸۵ء، ص:۱/ ۲۷۱

۲۲) نور محمد غفاری، ڈاکٹر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی، لاہور مرکز، تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ۱۹۹۹ء، ص:۱۷۱، صدیقی، نجات اللہ، مسلمان اور معاشی عوامل، ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور مارچ ۲۰۰۲، شمارہ نمبر ۳، ص: ۱۲۹/ ۴۳

۲۳) مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تراحم المؤمنین وتعاطفھم، حدیث نمبر: ۲۵۸۵

۲۴) بخاری، الجامع الصحیح، ابواب المساجد، باب تشبیک الأصابع فی المسجد، حدیث نمبر: ۴۶۷

۲۵) امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی أن من خصال الإیمان أن یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ من الخیر، حدیث نمبر: ۴۵

۲۶) سورۃ النساء: ۵

۲۷) امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الشرکۃ، باب الشرکۃ فی الطعام والنھد والعروض، حدیث: ۲۳۵۴

۲۸) حفظ الرحمن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۸۴ء، ص: ۳۱۰

۲۹) علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی، شرح البدایۃ، کتاب المضاربۃ، فیصل آباد ملک سنز کارخانہ بازار، س ن، ص: ۳/ ۵۲۳

۳۰) سورۃ النساء: ۱۰۱

۳۱) سورۃ المزمل: ۲۰؛ سورۃ الجمعہ: ۱۰

۳۲) ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الشرکۃ والمضاربۃ، حدیث: ۲۲۸۹

۳۳) شاہ ولی اللہ دھلوی، حجۃ اللہ البالغۃ، مترجم، خلیل احمد مولانا، مکتبہ رحمانیہ لاہور، س ن، ص: ۸۹

۳۴) حفظ الرحمن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص: ۳۱۱

۳۵) ایضا، ص: ۳۱۱

۳۶) علاؤ الدین بن ابو بکر کاسانی، بدائع الصنائع، بیروت، لبنان، دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء، ص: ۶/ ۵۶

۳۷) برھان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، مصر شوکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی، س ن، ص: ۳/ ۷

۳۸) اسلام کا اقتصادی نظام، ص: ۳۱۱

۳۹) الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، ص: ۳/ ۱۱

۴۰) سورۃ بنی اسرائیل: ۳۵

۴۱) بخاری، کتاب الوکالۃ وباب وکالۃ الشاھد والغائب جائزۃ، حدیث: ۲۳۰۵

۴۲) مولانا عبد الرحمن کیلانی، احکام تجارت اور لین دین کے مسائل، مکتبۃ السلام لاہور، ۲۰۰۶ء، ص:۳۴۳

۴۳) سورۃ الحشر:۹

۴۴) سورۃ الحدید:۱۱

۴۵) ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَنفِقُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّآ أَخۡرَجۡنَا لَكُم مِّنَ ٱلۡأَرۡضِۖ وَلَا تَيَمَّمُواْ ٱلۡخَبِيثَ مِنۡهُ تُنفِقُونَ وَلَسۡتُم بِـَٔاخِذِيهِ إِلَّآ أَن تُغۡمِضُواْ فِيهِۚ وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴾ سورۃ البقرۃ:۲۶۷

۴۶) ﴿ لِلۡفُقَرَآءِ ٱلَّذِينَ أُحۡصِرُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ لَا يَسۡتَطِيعُونَ ضَرۡبٗا فِي ٱلۡأَرۡضِ يَحۡسَبُهُمُ ٱلۡجَاهِلُ أَغۡنِيَآءَ مِنَ ٱلتَّعَفُّفِ تَعۡرِفُهُم بِسِيمَٰهُمۡ لَا يَسۡـَٔلُونَ ٱلنَّاسَ إِلۡحَافٗاۗ وَمَا تُنفِقُواْ مِنۡ خَيۡرٖ فَإِنَّ ٱللَّهَ بِهِۦ عَلِيمٌ ﴾ سورۃ البقرۃ:۲۷۳

۴۷) ﴿ ءَامِنُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَأَنفِقُواْ مِمَّا جَعَلَكُم مُّسۡتَخۡلَفِينَ فِيهِۖ فَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مِنكُمۡ وَأَنفَقُواْ لَهُمۡ أَجۡرٞ كَبِيرٞ ﴾ سورۃ الحدید: ۷

۴۸) سورۃ الماعون:۴ -۷

۴۹) سید ابو الاعلی مودودی، تفہیم القرآن، سروسز بک کلب، ۱۹۹۳ء، ص:۶/ ۴۸۶

۵۰) ابن العربی، احکام القرآن، دار الکتاب العربی، بیروت، سن ن، ص:۴/ ۲۴۳

۵۱) اسلام کا اقتصادی نظام، ص:۳۸۱

* *

عورتوں کے حقوق: (اسلامی تعلیمات کی روشنی میں)

Rights of Women
(in the light of Islamic Teachings)

ڈاکٹر حافظ محمد بادشاہ *

ABSTRACT

Before the advent of Islam, women were living in worst conditions during the Era of Ignorance. Daughters were buried alive. Women were openly sold in the market. A woman was just a source of enjoyment for males and nothing else. She had no basic rights. Even she had no share in inheritance.

In human history, it is Islam that for the first time gave due respect to woman by providing her basic rights and proper status. Islam believes in equality of men and women – 'Equality' does not mean 'to become identical'.

Women's rights in Islam pertain to Spiritual, Economic, Educational and Legal Rights. A woman can adopt any profession, she wants. Thus, she has got full freedom to live a happy and peaceful life.

Unfortunately, there are many people who believe that because Islam gives men the right of having authority over their wives, therefore, men are superior to women and that men have priority over women in all matters. The fact is that according to Islamic teachings, men are not superior to women; and so women are not superior to men. There is no gender discrimination in Islam. Allah Almighty states very clearly in the Holy Quran that superior in His eyes are only those who have more taqwa (fear of Almighty Allah).

Keywords: Women's rights, Spiritual rights, gender discrimination

---

* لیکچرار، شعبہ عربی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد

اسلام میں خواتین کے موضوع پر غور کرنے سے پہلے اس نکتہ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اسلام نے ان افکار کا مظاہرہ اس وقت کیا ہے جب باپ اپنی بیٹی کو زندہ دفن کر دیتا تھا اور اس جلادیت کو اپنے لیے باعث عزت و شرافت تصور کرتا تھا۔ عورت دنیا کے ہر سماج میں انتہائی بے قیمت مخلوق تھی، لوگ نہایت آزادی سے عورت کا لین دین کیا کرتے تھے اور اس کی رائے کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ حد یہ تھی کہ یونان کے فلاسفہ اس نکتہ پر بحث کر رہے تھے کہ اسے انسانوں کی ایک قسم قرار دیا جائے یا یہ ایک ایسی انسان نما مخلوق ہے جسے اس شکل و صورت میں انسان کے انس والفت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، تاکہ وہ اس سے ہر قسم کا استفادہ کر سکے۔ وگرنہ اس کا انسانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دنیا کی کسی بھی مذہبی کتاب میں عورتوں کے نام سے کوئی باب موجود نہیں، لیکن قرآن وہ واحد آسمانی کتاب ہے جس میں عورتوں کے نام (النساء) کی ایک مکمل سورت موجود ہے۔

اسلام نے عورت کو کیا حقوق عطا کئے ہیں؟ اور اس پر کون سی اخلاقی و تمدنی پابندیاں عائد کی ہیں؟ جن کی بناپر وہ معاشرے میں معزز رہتے ہوئے اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کر سکتی ہے، اور نوخیز نسلوں کی بہتر سے بہتر تربیت کرتے ہوئے ایک صالح معاشرہ کو پروان چڑھا سکتی ہو۔

عورتوں کے حقوق بارے اسلامی نقطہ نظر بیان کرنے سے پہلے عورتوں سے ماضی میں اور غیر مسلم دنیا میں کیسا برتاؤ کیا جاتا رہا؟ ان کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

تاریخی ادوار میں عورت کی حیثیت

حالات کی ستم ظریفی یہ ہے کہ پوری تاریخ میں ہمیشہ عورت ظلم کی چکی میں پسی ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ رہی کہ عورت کی قدر و منزلت اور مقام و اہمیت کو نہیں سمجھا گیا۔ اگر ہم تاریخ پر نظر دوڑائیں، تو پتہ چلتا ہے کہ ہمیں عرب ما قبل الاسلام اور یونانیوں اور رومیوں کی تاریخ کسی قدر مفصل اور مستند ملتی ہے۔

یونانیوں اور رومیوں نے تہذیب و تمدن اور علوم و فنون میں اس قدر ترقی کی کہ اس کی بنیاد پر بہت سی تہذیبیں اور بہت سے علوم وجود میں آئے۔ لیکن ان کے ہاں عورت کا مقام بہت ہی پست تھا۔ وہ عورت کو انسانیت پر بار سمجھتے تھے۔ اس کا مقصد ان کے نزدیک سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ نوکرانی کی طرح گھر والوں کی خدمت کرتی رہے۔

اہل یونان اپنی معقولیت پسندی کے باوجود عورت کے بارے میں ایسے ایسے تصورات رکھتے تھے جن کو سن کر ہنسی آتی ہے۔ لیکن ان سے اس بات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ ان کی نگاہ میں عورت کی کیا قدر و قیمت تھی؟ اور اپنے درمیان اس کو کیا حیثیت دیتے تھے؟

سید جلال الدین اپنے کتاب عورت اور اسلامی معاشرہ میں یونانی دور کے عورت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"آگ سے جل جانے اور سانپ کے ڈسنے کا علاج ممکن ہے، لیکن عورت کے شر کا مداوا محال ہے۔ پنڈورا نامی ایک عورت کی بابت ان کا عام اعتقاد تھا کہ وہی دنیوی آفات و مصائب کی جڑ ہے۔ ایک یونانی ادیب کہتا ہے: دو مواقع پر عورت' مرد کے لیے باعث مسرت ہوتی ہے۔ ایک تو شادی کے دن، دوسرے اس کے انتقال کے دن۔ "(۱)

تاریخ اخلاق یورپ کے مصنف' رومی عورت کے احوال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"عورت کا مرتبہ رومی قانون نے ایک عرصہ دراز تک نہایت پست رکھا، افسر خاندان جو باپ ہوتا یا شوہر، اسے اپنے بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔ جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی رسم کچھ بھی نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے، بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی کرائی شادی کو توڑ سکتا تھا۔ زمانہ مابعد یعنی دور تاریخی میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہو گیا، اور اب اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہو گئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کر سکتا تھا" (۲)

زمانہ قبل از اسلام کے اہل عرب عورت کے وجود کو موجب ذلت و عار سمجھتے تھے۔ لڑکی کی پیدائش ان کے لیے غم واندوہ کا پیام تھی۔ وہ نرینہ اولاد پر اتراتے اور فخر کرتے، لیکن لڑکیوں کا وجود ان کے سر شرمندگی سے جھکا دیتا تھا۔ قرآن مجید نے ان کے ان جذبات کی کتنی صحیح تصویر کشی کی ہے:

﴿ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ﴾ (۳)

(اور جب خوشخبری ملے ان میں کسی کو بیٹی کی سارے دن رہے منہ اس کا سیاہ اور جی میں گھٹتا رہے، چھپتا پھرے لوگوں سے مارے بُرائی اس خوشخبری کے جو سنی اس کو رہنے دے ذلت قبول کرکے یا اس کو داب دے مٹی میں)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((وَاللَّهِ إِنْ كُنَّا فِي الجَاهِلِيَّةِ مَا نَعُدُّ لِلنِّسَاءِ أَمْرًا، حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِنَّ مَا أَنْزَلَ، وَقَسَمَ لَهُنَّ مَا قَسَمَ)) (۴)

(بخدا ہم دور جاہلیت میں عورتوں کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ان کے بارے میں اپنی ہدایات نازل کیں اور ان کے لیے جو کچھ حصہ مقرر کرنا تھا، مقرر کیا)۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عورت سے نفرت اور بیزاری اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ایک شخص کے گھر لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے اس گھر ہی کو منحوس سمجھ کر چھوڑ دیا۔"(۵)

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیس بن عاصم نے زمانۂ جاہلیت میں آٹھ دس لڑکیاں دفن کی تھیں (۶)۔

علامہ ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں لکھتے ہیں:

"وَقَدْ كَانَ نِكَاحُ امرَأَةِ الأَبِ مُسْتَفِيضًا شَائِعاً فِي الجَاهِلِية"(۷)

(سوتیلی ماں سے نکاح جاہلیت میں عام تھا۔)

دور جاہلیت میں عورت کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں ملتا تھا، اور جب اسلام نے وراثت میں عورت کا حصہ متعین کیا تو اہل عرب کو بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا عورت آدھی میراث کی حق دار ہے جو نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتی ہے نہ دفاع کر سکتی ہے (۸)۔

سید جلال الدین اپنے کتاب عورت اسلامی معاشرہ میں یورپ میں عورت کے احوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نان ونفقہ کا کوئی مناسب قانون نہیں تھا اور نہ عورت کو مرد کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کا حق تھا۔ مرد چاہتا تو عورت کو حقِ وراثت سے محروم کر سکتا تھا۔ لیکن بیوی کی جائیداد کا وہ جائز حقدار سمجھا جاتا تھا۔ عورت کسی قسم کا بھی معاملہ کرنے میں آزاد نہیں تھی۔ وہ اپنے اختیار سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتی تھی، حتی کہ اس کو اس کی بھی اجازت نہیں تھی کہ خود کما کر اپنی ذات پر خرچ کرے اور اپنی پسند سے شادی کرے۔"(۹)

سید جلال الدین "محکومیت نسواں" کتاب سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دینِ مسیح کے پھیلنے سے پیشتر مرد مالک الکل کی حیثیت رکھتا تھا۔ عورت کے مقابلہ میں مرد کے لیے نہ کوئی تعزیر تھی نہ کوئی قانون مرد جب چاہتا عورت کو چھوڑ دیتا لیکن عورت کو کسی حالت میں مرد سے علیحدگی کا اختیار نہ تھا۔ انگلستان کے پرانے قوانین میں مرد کو عورت کا مالک کہا جاتا ہے بلکہ حقیقتاً وہ اس کا بادشاہ مانا جاتا تھا۔یہاں تک کہ شوہر کے قتل کا اقدام قانونی اصطلاح میں بغاوت ادنیٰ کہلاتا تھا اور عورت اس کا ارتکاب کرے تو اس کی پاداش میں اس کو جلا دینے کا حکم تھا جو بغاوت کی سزا سے بھی زیادہ ہے۔ اور انگریزی قوانین میں بہت سے معاملات ایسے تھے جن میں عورت گویا مرد کی زر خرید مانی جاتی تھیں۔"(۱۰)

سینٹ پال اپنے ایک خط میں لکھتا ہے:

"عورت کو چپ چاپ کمال تابعداری سے سیکھنا چاہئے اور میں اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے یا مرد پر حکم چلائے بلکہ چپ چاپ رہے۔ کیونکہ پہلے آدم بنایا گیا اس کے بعد حوّا، اور آدم نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی۔" (۱۱)

قدیم ہندوستانی قوانین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وبائیں اور موت، جہنم اور آگ اور سانپوں کا زہر عورت سے بہتر ہے، اور اسے زندہ رہنے کا حق صرف خاوند کے ساتھ ہی تھا اگر خاوند مر جائے تو اسے آگ میں جلا دیا جاتا اور عورت بھی اس کے ساتھ ہی زندہ جل مرتی۔ اور اگر وہ خاوند کے ساتھ نہ جلتی تو اسے لعن طعن کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ بلکہ ہندوستان کے بعض علاقوں میں تو ابھی تک یہ موجود ہے(۱۲)۔

ہندوستان کے مشہور مقنن منوراج نے عورت کے بارے میں کہا ہے:

"عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے اور جوانی میں شوہر کے اختیار میں اور بیوہ ہونے کے بعد اپنے بیٹوں کے اختیار میں رہے، خود مختار ہو کر کبھی نہ رہے۔"(۱۳)

منوراج ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"عورت کے لیے قربانی اور برت کرنا گناہ ہے، صرف شوہر کی خدمت کرنا چاہیے عورت کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لیوے، کم خوراکی کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کرے۔"(۱۴)

عورت اسلام کے آئینے میں

بحیثیت مسلمان ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام نے عورت کو کیا حقوق دیئے ہیں، اور اس پر کون سی اخلاقی و تمدنی پابندیاں عائد کی ہیں جن کی بنا پر وہ معاشرے میں معزز رہتے ہوئے اپنی عزت وناموس کی حفاظت کر سکتی ہو اور نئی نسل کی بہتر سے بہتر تربیت کر سکے۔

عورت چونکہ تمدن انسانی کا مرکز و محور اور باغ انسانیت کی زینت ہے اس لئے اسلام نے اُس کو باوقار طریقے سے وہ تمام معاشرتی حقوق عطا کئے، جس کی وہ مستحق تھی۔ چنانچہ اُس کو اپنے گھر کی ملکہ قرار دیا۔ دیگر بہت سی قوموں کے برعکس اپنا ذاتی مال وملکیت رکھنے کا حق عطا کیا۔ شوہر سے ناچاقی کی صورت میں خلع کا حق دیا۔ نکاح ثانی کرنے کی اجازت دی۔ وراثت میں اس کو حصہ دلایا۔ اور اس کو بعض قوموں کی طرح نجس وناپاک نہیں بلکہ معاشرے کی قابل احترام ہستی قرار دیا۔

دین اسلام میں عورت کو اتنا اونچا مقام مرتبہ حاصل ہوا ہے جو اسے پہلے کسی ملت میں حاصل نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کوئی اور امت اسے پا سکی۔ اور اسی تناظر میں قرآن کریم میں عورتوں کے بارے پوری سورت "سورۃ النساء" نازل ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے یہ فرماتے ہوئے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ﴾ (۱۵)

(اور ان (عورتوں) کے لیے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں)

وہ تمام حقوق بحال کر دیئے جو اقوامِ عالم نے معطل کر دیئے تھے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (۱۶)

(اور ان کے ساتھ اچھے اور احسن طریقہ سے بود و باش اختیار کرو)

اور جب بات وراثت اور ترکہ کی آئی تو اللہ تعالی نے وہاں پر بھی مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے بارے میں فرمایا:

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ (۱۷)

(مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو ماں باپ نے اور قرابت داروں نے چھوڑا، اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑا ماں باپ نے اور قرابتداروں نے، خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ حصہ مقرر کیا ہوا ہے)۔

اور جب ہم ذخیرہ احادیث کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں بڑی صراحت کے ساتھ عورتوں کے حقوق کے بارے میں راہنمائی ملتی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّكَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوكَ)) (۱۸)

(ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ مجھ پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں کا۔ اس نے پوچھا اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: تیری ماں کا۔ اس شخص نے تیسری بار پوچھا، اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: "تیری ماں کا۔ جب اس نے چوتھی مرتبہ دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے باپ کا۔)

محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ نے اس پست طبقے کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر یہاں تک ابھارا کہ اس کو ایمان جیسی اعلی ترین شے کا ضروری جزو قرار دے دیا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَكمَلَ المُؤْمِنِينَ إِيْمَاناً أَحْسَنُهُم خُلُقًا وَخِيَارُكُم خِيَارُكُم لِنَسَائِهِمْ خُلُقا)) (١٩)

(ایمان کے اعتبار سے کامل ترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہوں۔ اور تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے والے ہوں۔)

اسلام کی نظر میں عورت نجس وناپاک یا پیروں تلے روندی جانے والی ہستی نہیں بلکہ دنیا کی سب سے زیادہ قیمتی اور گراں مایہ شے ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((الدُنياَ كُلُّها متاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنياَ المَرْأَة الصّالِحة)) (٢٠)

(دنیا کُل کی کُل ایک اثاثہ ہے۔ اور اس کا بہترین اثاثہ نیک سیرت بیوی ہے)۔

اسلام کی نظر میں اہل وعیال پر خرچ کرنا بھی عبادت اور جہاد کے برابر ہے۔ حتیٰ کہ بیوی کے مُنہ میں لقمہ دینے کا بھی اجر وثواب دیا جائے گا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

((إنك لنْ تُنفِقُ نَفَقَةً تبْتَغِي بهاَ وَجهَ اللهِ إلا أُجِرتَ علَيهاَ فِي ما تَجْعَلُ فِي فَمِ امرأَتِك)) (٢١)

(تم اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کی خاطر جو بھی خرچ کروگے اس کا اجر وثواب دیا جائے گا، یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے مُنہ میں ڈالوگے اُس پر بھی اجر کے مستحق ٹھہروگے۔)

اسلام میں کسی بالغ لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔ حتیٰ کہ باپ تک کو اپنی بالغ لڑکی کا نکاح زبردستی کسی کے ساتھ کردینے کا اختیار نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

((إِذَازَوَّجَ ابنَتَهُ وَهِيَ كَارِهَةٌ فَنِكَاحُهُ مَردُوْدٌ)) (٢٢)۔

(جب باپ اپنی بیٹی کا نکاح کسی سے اس کی مرضی کے خلاف کردے تو اس کا نکاح مردود ہے۔)

اسلام نے عورت کا مرتبہ یہاں تک بڑھادیا کہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنا خُدا کے حقوق کو ادا کرنے کے برابر قرار دے دیا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

((إنَّ لِرَبِّكَ علَيْكَ حقًّا، وَلِنَفْسِكَ علَيْكَ حقًّا، وَ لِأَهلِكَ عَلَيْكَ حقًّا، فأعطِ كُلَّ ذِيْ حقٍّ حقَّهُ)) (۲۳)

(یقیناً تجھ پر تیرے رب کا بھی حق ہے، تیرے نفس کا بھی حق ہے، اور تیرے اہل خانہ کا بھی حق ہے۔ لہذا تو ہر ایک حقدار کا حق (پوری طرح) ادا کر۔)

ایک اور جگہ حدیث میں آتا ہے:

((خَيْرُكُم خَيْرُكُم لِأَهْلِه وَأَنَا خَيْرُكُم لِأَهْلِي)) (۲۴)

(تم میں سے بہتر اور اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے اچھا ہے، اور میں تم میں سے اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"وَاللَّهِ إِنْ كُنَّا فِي الجَاهِلِيَّةِ مَا نَعُدُّ لِلنِّسَاءِ أَمْرًا، حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِنَّ مَا أَنْزَلَ، وَقَسَمَ لَهُنَّ مَا قَسَمَ " (۲۵)

(بخدا ہم دور جاہلیت میں عورتوں کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اپنی ہدایات نازل کیں اور ان کے لیے جو کچھ حصہ مقرر کرنا تھا مقرر کیا۔)

اسلام کی نظر میں عورت کے حقوق کی پاسداری

اسلام نے عورت کو بہت سارے حقوق دیئے ہیں جن میں سے چند حقوق درج ذیل ہے:

۱) روحانی حقوق

۲) معاشی حقوق

۳) تعلیمی حقوق

۴) قانونی حقوق

۱) عورت کے روحانی حقوق

جہاں تک روحانی حقوق کا تعلق ہے، تو اسلام نے اس حوالے سے عورت اور مرد میں کوئی تفریق نہیں کیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (۲۶)

(لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو۔ اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔)

ایک اور مقام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَٱللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَٰجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُم مِّنَ ﴾ (۲۷)

(اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے تمہاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور اسی نے ان بیویوں سے تمہیں بیٹے اور پوتے عطا کیے اور اچھی اچھی چیزیں تمہیں کھانے کو دیں۔)

اسی طرح سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَـٰلِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُۥ حَيَوٰةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ ﴾ (۲۸)

(جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے)۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ روحانی حوالے سے اسلام مرد اور عورت کی فطرت میں کوئی تفریق نہیں کرتا۔

۲) عورت کے معاشی حقوق

دین اسلام وہ مذہب ہے جس نے آج سے تقریباً ۱۵۰۰ سال پہلے عورت کو معاشی حقوق دیئے۔ ایک مسلمان عورت جائداد خرید سکتی ہے۔ بیچ سکتی ہے، خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ وہ

بغیر کسی پابندی کے اپنی مرضی سے اپنے مال کے بارے میں وہ تمام فیصلے کر سکتی ہے جو ایک مرد کر سکتا ہے۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ام ہانی رضی اللہ عنہا کو اجارہ دینے کی اجازت فرمائی:

((قَدْ أَجَرْنَا مَن أَجَرْتِ يا أُمِ هانِي)) [۲۹]

ڈاکٹر ذاکر نائیک اس بارے میں فرماتے ہیں:

"اسلام نے عورت کو جائداد کی خرید و فروخت کا حق آج سے ۱۵۰۰ سال پہلے دیا تھا، جب کہ برطانیہ میں یہی حق عورت کو ۱۸۷۰ء میں آ کر ملا۔" [۳۰]

دینِ اسلام میں جتنا معاشی تحفظ عورت کو حاصل ہے اتنا کسی دوسرے مذہب میں نہیں۔ اسلام تمام تر معاشی ذمہ داریاں خاندان کے مرد پر عائد کرتا ہے۔ اور عورت پر کمانے کی ذمہ داری بالکل عائد نہیں کرتا۔ شادی سے پہلے یہ ذمہ داری اس کے باپ یا بھائیوں پر ہوتی ہے کہ وہ اس کی تمام ضروریات حسبِ استطاعت پوری کریں۔ اور شادی کے بعد یہ ذمہ داری اس کے شوہر کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ کہ وہ اس کے کھانے پینے، پہننے اور رہنے سہنے کا بندوبست کرے، اور اس کے بعد اسے کے بچوں پر عائد ہو جاتی ہے۔ اور اگر خدانخواستہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ عورت کو اپنی روزی خود کمانی پڑے تو اسلام اسے اس سے روکتا بھی نہیں۔

قرآن و حدیث میں کہیں بھی عورت کے کام کرنے پر پابندی عائد نہیں کی گئی۔ اگر وہ کام جائز ہو اور اسلامی حدود کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کیا جائے۔

اور اسلامی معاشرے میں بہت سے پیشے ایسے ہیں جنہیں عورت اختیار کر سکتی ہے، جیسا کہ میڈیکل کا شعبہ جس میں ماہر خواتین ڈاکٹروں اور نرسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح تعلیم کے شعبہ میں خواتین اساتذہ کا ہونا ضروری ہے۔ عورت اپنے گھر میں بھی بہت سے کام شروع کر سکتی ہے۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک عورت کے کاروبار کے بارے میں کہتے ہیں۔

"اسلام عورت کو کاروبار کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن جہاں نامحرموں سے اختلاط کا موقع ہو وہاں اسے کسی محرم مرد، باپ، بھائی، یا شوہر کی مدد حاصل کرنا ہوگی۔" [۳۱]

اس سلسلے ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مثال ہمارے سامنے ہے وہ اپنے دور میں مکہ کی مالدار کاروباری خواتین میں شمار ہوتی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جانب کاروباری ذمہ داریاں سرانجام دیتے رہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ عورت کے لیے کمانا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ کچھ کماتی ہے تو یہ مکمل طور پر اس کی ذاتی ملکیت ہوگی۔ اسے اپنے گھر والوں پر ایک پائی بھی خرچ کرنے کا پابند نہیں کیا گیا۔ وہ اپنی مرضی سے جیسے چاہے خرچ کر سکتی ہے۔

اسلامی اصول یہ ہے کہ بیوی کتنی ہی مال دار کیوں نہ ہو، کمانا اور روٹی، کپڑے، مکان کا بندوبست کرنا شوہر کی ذمہ داری ہے کیونکہ معاشی ذمہ داری اسلام صرف اور صرف مرد کے کاندھوں پر ڈالتا ہے۔ اور شوہر کو اپنی یہ ذمہ داری بہر صورت ادا کرنی ہوتی ہے۔

دین اسلام نے ۱۵۰۰ سال پہلے ہی عورت کو وراثت کا حق دیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے جگہ جگہ پر واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ عورت بیوی کی حیثیت سے، ماں کی حیثیت سے، بہن اور بیٹی کی حیثیت سے وراثت میں حصہ دار ہے اور اللہ تعالی نے ان کا حصہ قرآن میں مقرر فرما دیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء میں اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ [۳۲]

(مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو ماں باپ نے اور قرابت داروں نے چھوڑا،
اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑا ماں باپ نے اور قرابتداروں نے،
خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔)

۳) عورت کے معاشرتی حقوق

دین اسلام نے عورت کو معاشرتی حقوق چار حیثیتوں سے دی ہیں۔

۱) عورت کے حقوق بحیثیت والدہ

۲) عورت کے حقوق بحیثیت بیٹی

۳) عورت کے حقوق بحیثیت بہن

۴) عورت کے حقوق بحیثیت بیوی

عورت کے حقوق بحیثیت والدہ :

دین اسلام میں اللہ تعالی کی عبادت کے بعد اہمیت والدین کے احترام کی ہے۔
قرآن کریم میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ ٱلْكِبَرَ أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾ (۳۳)

(تیرے رب نے حکم فرمادیا کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو، اور ماں باپ سے حسن سلوک کرو، اور ان میں سے ایک یا وہ دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں نہ کہو اف (بھی) اور انہیں نہ جھڑکو، اور ان سے ادب کے ساتھ بات کہو)۔

اسی طرح سورہ لقمان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ إِلَىَّ ٱلْمَصِيرُ ﴾ (۳۴)

(اور ہم نے انسان کو تاکید کی اس کے ماں باپ کے بارے میں (حسن سلوک کی) اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری (جھیلتے ہوئے) اسے پیٹ میں رکھا، اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑایا، کہ میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا، میری طرف (ہی) لوٹ کر آنا ہے)۔

نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے:

((جَاءَ رَجُلٌ إلى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّكَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوكَ))"(۳۵)

(ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ مجھ پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیری ماں کا۔ اس نے پوچھا اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے پھر

فرمایا: تیری ماں کا۔ اس شخص نے تیسری بار پوچھا، اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''تیری ماں کا۔ جب اس چوتھی مرتبہ دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: '' تیرے باپ کا)۔

عورت کے حقوق بحثیت بیٹی

دین اسلام میں بیٹی کو دیے گئے معاشرتی حقوق میں سے سب سے پہلے اسلام نے بیٹی کو جان کی حفاظت فراہم کی اور بیٹیوں کو قتل کرنے کی قبیح روایت کا خاتمہ کیا، جیسا کہ سورۃ التکویر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذَا ٱلْمَوْءُۥدَةُ سُئِلَتْ ۝٨ بِأَىِّ ذَنۢبٍ قُتِلَتْ﴾ (٣٦)

(اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا، کہ وہ کس قصور میں ماری گئی۔)

سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَوْلَٰدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَٰقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْـًٔا كَبِيرًا﴾ (٣٧)

(اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی۔)

دین اسلام بیٹی کی تعلیم و تربیت اچھے طریقے سے کرنے کا بھی حکم دیتا ہے۔ ایک حدیث نبوی ہے، جس میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آپ ﷺ نے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ وَضَمَّ أَصَابِعَهُ)) (٣٨)

(جو شخص اپنی دو بیٹیوں کی خوش اسلوبی سے پرورش کرتا ہے، وہ قیامت کے دن اس طرح میرے ساتھ ہو گا۔ آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیاں اکٹھی کر کے دکھایا۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((دَخَلَتِ امْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا تَسْأَلُ، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي شَيْئًا غَيْرَ تَمْرَةٍ، فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا، فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا، وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا، ثُمَّ قَامَتْ، فَخَرَجَتْ، فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا، فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هَذِهِ البَنَاتِ بِشَيْءٍ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ)) (٣٩)

(میرے پاس ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ دو بیٹیاں تھیں وہ مجھ سے سوال کر رہی تھی، میرے پاس سوائے ایک کھجور کے کچھ نہ ملا تو میں نے اسے وہی ایک کھجور دے دی اور اس

نے وہ ایک کھجور دو حصوں میں تقسیم کر کے دونوں کو دے اور چلی گئی۔ پھر نبی کریم ﷺ آئے تو میں نے انہیں سارا واقعہ سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جسے یہ بیٹیاں دی گئی ہوں اور وہ ان کی اچھی تربیت کرے تو وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا باعث ہوں گی)۔

عورت کے حقوق بحیثیت بہن

اسی طرح اسلام نے عورت کو بحیثیت بہن بھی نہایت محترم قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ [۴۰]

(مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔)

ڈاکٹر ذاکر نائیک اس آیت کے تشریح میں کہتے ہیں: "لفظ اولیاء کے معنی یہاں رفیق اور مددگار ہیں۔ باالفاظ دیگر مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں بہن بھائی ہیں، اگر ان کے درمیان کوئی اور رشتہ نہ ہو تو۔" [۴۱]

عورت کے حقوق بحیثیت بیوی

دین اسلام نے شادی کے بعد بیوی کے سارے معاشی ذمہ داری شوہر پر ڈالی ہے، اور اس بارے میں کافی بات ہو چکی ہے۔ بحیثیت بیوی کے حقوق کا اندازا اس آیت سے لگا سکتے ہیں:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴾ [۴۲]

(اور ان کے ساتھ معروف طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو)۔

گویا حکم قرآنی کے مطابق اگر آپ کو اپنی بیوی ناپسند ہو پھر بھی آپ کو اس کے ساتھ خوش اخلاقی ہی سے پیش آنا چاہیے۔ اور برابری کی سطح پر ہی رہنا چاہیے۔

عورت کے تعلیمی حقوق

دین اسلام نے آج سے پندرہ سو سال پہلے عورت کو تعلیم کا حق دیا، جب عورت کو کسی بھی قسم

کے حقوق حاصل نہیں تھے۔ ہمیں دورِ صحابہ میں متعدد عالمہ خواتین کی مثالیں نظر آتی ہیں۔ سب سے اہم مثال تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”میں نے تفسیر قرآن، فرائض، حلال و حرام، ادب و شعر اور تاریخ عرب کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کی کوئی عالم نہیں دیکھا۔“ [۴۳]

اسی طرح ایک اور مثال اُم المؤمنین حضرت ام سلمی رضی اللہ عنہا کی ہے۔ آپ کے بارے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے۔ ”کہ بتیس لوگوں نے آپ سے تعلیم حاصل کی“ [۴۴]

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی سعیدہ نفیسہ رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ سے تعلیم حاصل کی۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وہ عالم ہیں جنہوں نے فقہ اسلام کے چار بڑے مکاتبِ فکر میں سے ایک کا آغاز کیا [۴۵]۔

اسی طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اسلام ہر عورت کو تعلیم حاصل کرنے کا حق دیتا ہے۔

عورت کے قانونی حقوق

دین اسلام نے مرد اور عورت کو برابر قانونی حقوق دیئے ہے، مثال کے طور پر اگر کوئی مرد کسی عورت کو قتل کر دے تو اسے بھی سزائے موت ہی دی جائے گی۔ یعنی اسے بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا جیسے مرد کے قاتل کو سزائے موت ملتی ہے۔ اور اگر کوئی عورت قتل کی مرتکب ہوتی ہے تو اس کے لیے بھی وہی سزا ہے۔

قول ربانی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى ٱلْقَتْلَى ۖ ٱلْحُرُّ بِٱلْحُرِّ وَٱلْعَبْدُ بِٱلْعَبْدِ وَٱلْأُنثَىٰ بِٱلْأُنثَىٰ ﴾ [۴۶]

(اے ایمان والو! تم پر فرض کیا گیا قصاص مقتولوں (کے بارہ) میں آزاد کے بدلے آزاد، اور غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت۔)

اسلامی قانون میں جسمانی نقصان پہنچانے کی سزا بلا تفریق جنس ایک ہی ہے اور اس سلسلے میں مرد اور عورت میں کوئی تفریق نہیں کی جاتی۔ اسلامی قانون قصاص کا جائزہ لیا جائے تو یہ امر بھی سامنے آتا ہے کہ اگر کسی مقتول کی وارث عورت ہو تو اسے وہی حقوق حاصل ہیں جو کسی مرد وارث کو حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اگر چاہے تو قصاص لے سکتی ہے چاہے تو "دیت" حاصل کر سکتی ہے۔ اسے سلسلے میں مکمل آزادی حاصل ہے۔

اسلام نے عورت کو گواہی حق دیا ہے اور یہ حق اسلام نے عورت کو پندرہ سو سال پہلے دیا تھا۔ جبکہ یہودی بیسویں صدی میں غور و فکر کر رہے تھے۔ کہ عورت کو گواہی دینے کا حق ہونا چاہیے یا نہیں ؟

حاصل بحث:

عورت چونکہ تمدن انسانی کا مرکز و محور اور باغ انسانیت کی زینت ہے۔ اور تاریخ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد غیر مسلم دنیا میں عورت کو وہ حیثیت نہیں دی گئی جس کی وہ حقدار تھی۔ جب اسلام کا ظہور ہوا تو اسلام نے عورت کو باوقار طریقے سے معاشرتی ، معاشی، تعلیمی، قانونی اور دیگر تمام حقوق عطا کئے۔ اسلام نے دوسرے مذاہب کے برعکس عورت کو اپنے گھر کی ملکہ قرار دیا۔ اسلام نے عورت کو ماں، بیوی، بہن، بیٹی جیسے مقدس رشتوں عطاء کرنے کے بعد ہر حیثیت سے اس کے لیے حقوق وضع فرمائے۔

اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے عورت کو شوہر سے ناچاقی کی صورت میں نہ صرف خلع کا حق دیا بلکہ نکاحِ ثانی کرنے کی اجازت بھی دی۔ اسلام نے عورت کو وراثت میں اس کو نہ صرف حصہ دلایا، بلکہ اپنا ذاتی مال وملکیت رکھنے کا حق بھی عطا کیا۔ اسی طرح اسے مختلف معاملات میں خرید و فروخت اور صلح وکالت، اور عاریت وامانت وودیعت جیسے حقوق عطا کیے ہیں۔

غرض یہ کہ اسلام نے ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ﴾ کہہ کر اس کے وہ تمام حقوق بحال کر دئے جو اقوامِ عالم نے معطل کر دئے تھے۔ یعنی دستور کے مطابق عورتوں پر جس طرح کی ذمہ داریاں ہیں اسی طرح ان کے حقوق بھی ہیں۔ یہ نہیں کہ اُن کے ذمے محض فرائض ہی فرائض ہوں اور ان کا کوئی بنیادی حق ہی نہ ہو۔

اس لیے بحیثیت مسلمان ہمیں عورتوں کیساتھ اچھابرتاؤ کا سلوک کرنا چاہئے۔اور وہ تمام حقوق دینے چاہیں ۔جو اسلام نے ۱۵۰۰ سال پہلے عطا کیے تھے۔ورنہ ہم نہ صرف اللہ تعالی کے ہاں جوابدہ ہونگے بلکہ دنیامیں بھی اسلام کانام مسخ ہو گا۔

حواشی وحوالہ جات

۱) سید جلال الدین انصر عمری، عورت اور اسلامی معاشرہ، اسلامک پبلیکیشنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ، ص:۱۷

۲) W.E.Lecky, History of European Morasl, Newyork, 1869, P. 295
عورت اور اسلامی معاشرہ، ص:۱۸

۳) سورۃ النحل:۵۷-۵۸

۴) البخاری، صحیح البخاری، دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۸۹، کتاب الطلاق، حدیث نمبر:۴۹۱۳، ص:۱۵۶

۵) فخر الدین رازی، تفسیر کبیر، دار الفکر بیروت،، طھران، ص:۷/۴۳۵

۶) ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، دار المعرفہ، بیروت، ص:۷/ ۴۷۷

۷) علامہ ابو بکر الجصاص، احکام القرآن، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۵، ص:۳/ ۶۳

۸) تفسیر ابن کثیر، ص:۱/ ۴۵۸

۹) عورت اور اسلامی معاشرہ، ص:۲۴

۱۰) ایضاً، ص:۲۵

۱۱) ایضاً، ص:۲۸

۱۲) ڈاکٹر عبد اللہ بن صالح السحیم، الاسلام اصولہ ومبادئہ، دار المعرفہ، بیروت، ص:۳۹

۱۳) منو سمرتی او شرع منو، احسان حقی، مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع ۱۹۸۸، ص:۵/ ۱۴۷

۱۴) ایضاً، ص:۵/ ۱۵۵

۱۵) سورۃ البقرۃ:۲۲۸

۱۶) سورۃ النساء: ۱۹

۱۷) سورۃ النساء : ۷

۱۸) البخاری، صحیح البخاری، کتاب الآداب، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ، حدیث نمبر: ۵۹۷۱، ص:۸/ ۲

۱۹) ترمذی، سنن ترمذی، باب حق المرأۃ علی زوجھا، دار احیاء التراث العربی، بیروت، حدیث نمبر: ۱۱۶۲، ص:۳/ ۴۶۶

۲۰) امام احمد بن حنبل، مسند احمد، مؤسسۃ الرسالہ، ۱۹۹۹، حدیث نمبر:۶۵۶۷، ص۱۱/ ۱۲۷

۲۱) صحیح البخاری، باب ماجاء ان الاعمال بالنیۃ، حدیث نمبر: ۵۶، ص:۱/ ۲۰

۲۲) ایضاً، کتاب النکاح، ص:۷/ ۱۸

۲۳) ایضاً، کتاب الأدب، حدیث نمبر:۱۹۶۸، ص:۳/ ۳۸

(۲۴ سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۳۸۹۵، ص:۵/۷۰۹
(۲۵ صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۴۷۹، ص:۲/۱۱۰۸
(۲۶ سورۃ النساء:۱
(۲۷ سورۃ النحل:۷۲
(۲۸ سورۃ النحل ۹۷
(۲۹ صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۳۵۷، ص:۱/۸۰
(۳۰ ڈاکٹر ذاکر نائیک، اسلام میں خواتین کے حقوق، دار النوادر، لاہور، ۲۰۰۶، ص:۲۵
(۳۱ اسلام میں خواتین کے حقوق، ص:۲۶
(۳۲ سورۃ النساء:۷
(۳۳ سورۃ الاسراء:۲۳
(۳۴ سورہ لقمان: ۱۴
(۳۵ صحیح البخاری، کتاب الآداب، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ، حدیث نمبر: ۵۹۷۱، ص:۸/۲
(۳۶ سورہ التکویر:۸-۹
(۳۷ سورۃ الاسراء:۳۱
(۳۸ صحیح مسلم، کتاب البر والصدقۃ والآداب، حدیث نمبر: ۲۶۳۱، ص:۴/۲۰۲۷
(۳۹ صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر ۱۴۱۸، ص:۲/۱۱۰
(۴۰ سورۃ توبہ:۷۱
(۴۱ اسلام میں خواتین کے حقوق، ص:۴۱
(۴۲ سورۃ النساء:۱۹
(۴۳ اسلام میں خواتین کے حقوق، ص:۴۴
(۴۴ ایضاً، ص:۴۴
(۴۵ ایضاً، ص:۴۴
(۴۶ سورۃ البقرۃ:۱۷۸

* *

المفتي:شروطه وآدابه

The Mufti: Conditions and Morals

د- الضيف نطور*

ABSTRACT

The duty of issuance Islamic legal verdict is a great job because the Mufti is the successor of the Prophets of Allah. He explains the commands of Allah — permissible and prohibited acts—and stops the disputes among the followers.

The focal aspects of this research paper are the questions: What are the required conditions to be a reliable mufti? What are the points of agreement and differences among the four major schools of jurisprudence — Hanafi, Maliki, Shafa'i and Hanbali?

The most important area of this paper is the question: What are the protocols and etiquettes of the procedure of issuance of a fatwa, the legal verdict, in our contemporary societies.

In the first part of this paper, the analytical evaluation of the arguments presented by prominent jurists of the four major schools of Islamic Jurisprudence. This part suggests some points to reset the preferences because it is the need of time.

The second part of the paper opines a number of suggestions to improve the manners, etiquettes and protocols of the procedure on part of a mufti. A mufti, being a representative of the seat of the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him), is not only responsible to Allah Almighty but also to wellbeing, security, and peace among the members of our society.

Keywords: Islamic legal verdict, *Mufti*, Jurisprudence, fatwa.

* أستاذ مساعد، قسم التفسير وعلوم القرآن، الجامعة الإسلامية العالمية، إسلام آباد

مقدمة:

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء والمرسلين نبينا محمد وعلى آله وصبه ومن اقتفى أثره بإحسان إلى يوم الدين أما بعد؛

فإن الإفتاء عظيم الشأن رفيع المرتبة، كثير الفضل، لأن المفتي وارث الأنبياء، يبين الأحكام، ويقطع الخصام، ويوضح الحلال من الحرام.

وقد كتب في هذا الموضوع جماعة من العلماء الأفاضل منهم الشيخ الإمام أبوعمرو ابن الصلاح في كتابه أدب المفتي والمستفتي، والإمام النووي في كتابه المجموع تحت باب آداب الفتوى والمفتي والمستفتي، والإمام ابن قيم الجوزية في كتابه أعلام الموقعين بعنوان فوائد تتعلق بالفتوى.

ولما أعلنت كلية الشريعة والقانون بالجامعة الإسلامية العالمية بالتعاون مع إدارة البحوث الإسلامية وأكاديمية الشريعة وهيئة التعليم العالي بإسلام آباد عن عقد مؤتمر عالمي بعنوان: الفتوى من حيث النظام القانوني غير الرسمي؛ أحببت أن أشارك في هذا المؤتمر الهام بتقديم موضوع بعنوان: "المفتي شروطه وآدابه"، وقد قسمته إلى مقدمة وتمهيد ومبحثين وخاتمة. تناولت في المقدمة أهمية الموضوع وبعض الدراسات السابقة وسبب اختياري له، أما التمهيد فقد عرفت فيه بالفتوى والمفتي والاستفتاء والمستفتي وبينت أهمية الفتوى وحكمها وخصصت المبحث الأول لبيان شروط المفتي، أما المبحث الثاني فتكلمت فيه عن آداب المفتي.

في حين جعلت الخاتمة لبيان نتائج البحث وبعض التوصيات.

وقد اعتمدت في بحثي هذا على مصادر ومراجع أصلية. فإن أصبت فمن الله وحده وإن أخطأت فمن نفسي والشيطان والله الموفق والهادي إلى صراطه المستقيم وصلى الله وسلم على سيدنا محمد.

تمهيد:

قبل أن أبين شروط المفتي وآدابه يجدر بي ابتداءً أن أقدم تمهيداً لهذا الموضوع أعرف فيه بالفتوى والمفتي والاستفتاء والمستفتي، وأبين أهمية الفتوى وحكمها.

١- تعريف الفتوى لغة واصطلاحاً

الفتوى لغة: هي مصدر بمعنى الإفتاء والجمع فتاوى وهي إبانة الأمر والتعبير عن الرؤيا والإجابة عن المسألة، وإحداث الحكم.

قال ابن سيده[١]: ((أفتاه في الأمر: أبانه، والفُتيا والفُتْوى، والفَتوى ما أفتى به الفقيه))[٢].

وأفتيت فلاناً رؤيا رآها إذا عبرتها له، وافتيته في مسألته إذا أجبته عنها، وأفتى المفتي إذا أحدث حكماً[٣].

الفتوى اصطلاحاً: هي ((ذكر الحكم المسؤول عنه للسائل))[٤] وهي ((الجواب عما يشكل من المشاكل الشرعية أو القانونية))[٥]

تعريف المفتي: اسم فاعل أفتى وهو ((من يتصدى للفتوى بين الناس. وفقيه تعينه الدولة ليجيب عما يشكل من المسائل الشرعية))[٦].

تعريف الاستفتاء: هو طلب الجواب عما أشكل، قال تعالى: ﴿وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا﴾[٧] وطرح سؤال تقريري أو سؤال تعلم... قال تعالى: ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا﴾[٨] أي فاسألهم سؤال تقرير أهم أشد خلقاً أم من خلقنا من الأمم السالفة[٩]. وقال عز وجل: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ﴾[١٠] أي يسألونك سؤال تعلم[١١]

تعريف المستفتي: هو طلب الفتوى وهو اسم فاعل من الاستفتاء.

قال المناوي[١٢]: ((المستفتي هو طالب حكم الله من أهله والمستفتى فيه هو الواقع المطلوب كشفه وإزالة إشكاله.))[١٣]

أهمية الفتوى

إن مقام الفتوى عظيم وشأنها خطير وفضلها كبير وقد ذكر الله تعالى بعض الأحكام بلفظ الفتوى ونسب ذلك إلى نفسه فقال: ﴿ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي ٱلنِّسَآءِ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ﴾[١٤].

وقال جل شأنه: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي ٱلْكَلَٰلَةِ إِنِ ٱمْرُؤٌاْ هَلَكَ لَيْسَ لَهُۥ وَلَدٌ وَلَهُۥٓ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ فَإِن كَانَتَا ٱثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا ٱلثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِن كَانُوٓاْ إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّواْ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾[١٥]

والمفتي وارث الأنبياء، وقد صرح الإمام الشاطبي[١٦] بمكانة المفتي ومنزلته، فقال:((المفتي قائم في الأمة مقام النبي ﷺ))[١٧] واستدل على ذلك بأمور: ((أحدها: النقل الشرعي في الحديث (إن العلماء ورثة الأنبياء وإن الأنبياء لم يورثوا ديناراً ولا درهماً وإنما ورثوا العلم) [١٨]

والثاني: أنه نائب عنه في تبليغ الأحكام؛ لقوله: (ألآ يبلغ الشاهد منكم الغائب)[١٩] وقال: (بلغوا عني ولو آية) [٢٠]...

والثالث: أن المفتي شارع من وجه؛ لأن ما يبلغه من الشريعة إما منقول عن صاحبها، وإما مستنبط من المنقول فالأول يكون فيه مبلغاً، والثاني يكون فيه قائماً مقامه في إنشاء الأحكام، وإنشاء الأحكام إنما هو للشارع.

فإذا كان للمجتهد إنشاء الأحكام بحسب نظره وإجهاده فهو من هذا الوجه شارع)) [٢١].

ونظراً لخطورة الفتوى وأهميتها فإن كثيراً من العلماء كانوا يتحرجون منها، ويخافون من تبعاتها وقد ذكر الإمام النووي[٢٢] أشياءً كثيرة من أقوال بعض الصحابة – رضي الله عنهم –ومواقف لبعض الأئمة والعلماء – رحمهم الله – من توقفهم في الفتوى، ومما ذكر في ذلك قوله: ((وروينا عن السلف والفضلاء الخلف من التوقف عن الفتيا أشياء كثيرة معروفة نذكر منها أحرفاً... عن عبد الرحمن بن أبي ليلى[٢٣] قال: أدركت عشرين ومائة من الأنصار من أصحاب رسول الله ﷺ يُسأل أحدهم عن المسألة فيردها هذا إلى هذا وهذا إلى هذا حتى ترجع إلى الأول، وفي رواية: ما منهم من يحدث بحديث إلا ودَّ أن أخاه كفاه إياه ولا يُستفتى عن شيء إلا ودَّ أن أخاه كفاه الفتيا.

وعن ابن مسعود[٢٤] وابن عباس[٢٥] – رضي الله عنهم – : ((من أفتى عن كل ما يسأل فهو مجنون))...

وعن الأثرم: سمعت أحمد بن حنبل[٢٦] يكثر أن يقول: لا أدري وعن الشافعي[٢٧] وقد سئل عن مسألة فلم يجب، فقيل له: ألا تجيب؟ فقال: حتى أدري أن الفضل في السكوت أو في الجواب... وعن الهيثم بن جميل: شهدت مالكاً[٢٨] سئل عن ثمان وأربعين مسألة فقال في اثنتين وثلاثين منها: لا أدري...

وسئل عن مسألة فقال: لا أدري، فقيل هي مسألة خفيفة سهلة، فغضب وقال: ليس في العلم شيء خفيف.

وقال أبو حنيفة[٢٩]: لولا الفرق من الله تعالى أن يضيع العلم ما أفتيت، يكون هو المهنأ وعليّ الوزر..))[٣٠]

حكم الفتوى

– الإفتاء فرض كفاية، لأنه ينبغي على المسلمين أن يكون فيما بينهم من يعلمهم أحكام دينهم فيما يعرض لهم ولا يُحسن ذلك كل مكلف فوجب أن يقوم به من يقدر عليه[٣١]

ويصبح الإفتاء فرض عين إن كان لا يوجد في المنطقة غير واحد من المفتين، ففي هذه الحالة، ينبغي عليه الإفتاء.

قال الإمام النووي[٣٢]:

((الإفتاء فرض كفاية، فإذا كان فيها غيره وحضرا فالجواب في حقهما فرض كفاية، وإن لم يحضر غيره فوجهان أصحهما لا يتعين.))[٣٣]

المبحث الأول: شروط المفتي

حرم الله تعالى القول في ديننا الحنيف بغير علم، فقال تعالى:﴿ **قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْىَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ** ﴾[٣٤] وقال جل شأنه:﴿ **وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ ٱلْكَذِبَ هَٰذَا حَلَٰلٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ** ﴾[٣٥] ونظراً لخطورة الفتوى وعظمتها عند الله تعالى اختلف العلماء وفقهاء المذاهب في شروط من يتصدى للإفتاء

فجاء في الفقه الحنفي أن شروط المفتي هي الإسلام والعدالة واليقظة وقوة الضبط والاجتهاد حيث ورد في البحر الرائق أنه ((يشترط إسلام المفتي وعدالته فترد فتوى الفاسق ويعمل لنفسه باجتهاده ويشترط تيقظه وقوة ضبطه وأهلية اجتهاده، فمن عرف مسألة أو مسألتين أو مسائل بأدلتها لم تجز فتواه بها ولا تقليده وكذا من لم يكن مجتهداً))[٣٦]

وجاء في الفتوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة أنه يجب على المفتي أن يكون من أهل الاجتهاد[٣٧]، وإن كان من غير أهل الاجتهاد، فيحل له أن يفتي بطريق الحكاية، فيحكي ما يحفظه من أقوال الفقهاء[٣٨].

وطريق نقل أقوال المجتهدين أحد أمرين:

الأول: أن ينقله من أحد الكتب المعروفة المتداولة نحو كتب محمد بن الحسن[٣٩] وأمثالها من التصانيف- لأنه وقتئذٍ بمنزلة الخبر المتواتر والمشهور-

الثاني: أن يكون له سند فيه بأن تلقاه رواية عن شيوخه.))[٤٠]

وجاء في المذهب المالكي أن من ينتسب إلى العلوم ويتميز عن عامة الناس ثلاث طوائف، تصح الفتوى لاثنين منها على تفاوت بينهما وهذا ما جاء مفصلاً في كتاب مواهب الجليل لشرح مختصر الخليل حيث ((سئل ابن رشد[٤١] في الفتوى وصفة المفتي فقال: الذي أقول به في ذلك إن الجماعة التي تنسب إلى العلوم وتتميز عن جملة العوام بالمحفوظ والمفهوم تنقسم على ثلاث طوائف، طائفة منهم اعتقدت صحة مذهب مالك تقليدا بغير دليل فأخذت أنفسها بحفظ مجرد أقواله وأقوال أصحابه في مسائل الفقه دون التفقه في معانيها بتمييز الصحيح منها والسقيم، وطائفة اعتقدت صحة مذهبه بما بان لها من صحة أصوله التي بناه عليها فأخذت أنفسها بحفظ مجرد أقواله وأقوال أصحابه في مسائل الفقه وتفقهت في معانيها فعلمت الصحيح منها الجاري على أصوله من السقيم الخارج إلا أنها لم تبلغ درجة التحقيق بمعرفة قياس الفروع على الأصول، وطائفة اعتقدت صحة مذهب بما بان لها أيضا من صحة أصوله لكونها عالمة بأحكام القرآن عارفة بالناسخ والمنسوخ والمفصل والمجمل والخاص من العام عالمة بالسنن الواردة في الأحكام مميزة بين صحيحها من معلولها عالمة بأقوال العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم من فقهاء الأمصار وبما اتفقوا عليه واختلفوا فيه عالمة من علم اللسان بما يفهم به معاني الكلام عالمة بوضع الأدلة في مواضعها))[٤٢]

ثم ذكر أي طائفة من هذه الطوائف يحق لها الفتوى فقال: ((فأما الطائفة الأولى فلا يصح لها الفتوى بما علمته وحفظته من قول مالك وقول أحد من أصحابه إذ لا علم عندها بصحة شيء من ذلك إذ لا يصح الفتوى بمجرد التقليد

من غير علم ويصح لها في خاصتها إن لم تجد من يصح لها أن تستفتيه أو تقلد مالكا أو غيره من أصحابه فيما حفظته من أقوالهم وإن لم يعلم من نزلت به نازلة من يقلده فيها من قول مالك وأصحابه فيجوز للذي نزلت به النازلة أن يقلده فيما حكاه له من قول مالك في نازلته ويقلد مالكا في الأخذ بقوله فيها وذلك أيضا إذا لم يجد في عصره من يستفتيه في نازلته فيقلده فيها. وإن كانت النازلة قد علم فيها اختلافا من قول مالك وغيره فأعلمه بذلك كان حكمه في ذلك حكم العامي إذا استفتى العلماء في نازلته فاختلفوا عليه فيها وقد اختلف في ذلك على ثلاثة أقوال أحدها: أنه يأخذ بما شاء من ذلك، والثاني: أنه يجتهد في ذلك فيأخذ في ذلك بقول أعلمهم، والثالث: أنه يأخذ بأغلظ الأقوال. وأما الطائفة الثانية فيصلح لها إذا استفتيت أن تفتي بما علمته من قول مالك وقول غيره من أصحابه إذا كانت قد بانت لها صحته كما يجوز لها في خاصتها الأخذ بقوله إذا بانت لها صحته ولا يجوز لها أن تفتي بالاجتهاد فيما لا تعلم فيه نصا من قول مالك أو قول غيره من أصحابه وإن كانت قد بانت لها صحته إذ ليست ممن كمل لها آلات الاجتهاد الذي يصح لها بها قياس الفروع على الأصول وأما الطائفة الثالثة فهي التي يصح لها الفتوى عموما بالاجتهاد والقياس على الأصول التي هي الكتاب والسنة وإجماع الأمة بالمعنى الجامع بينها وبين النازلة))[٤٣]

أما شروط المفتي على المذهب الشافعي فينبغي أن يكون مكلفا مسلما ثقة مأمونا منزها من أسباب الفسق ومسقطات المروءة لأن من لم يكن كذلك فقوله غير صالح للاعتماد وإن كان من أهل الاجتهاد ويكون فقيه النفس سليم الذهن رصين الفكر صحيح التصرف والاستنباط متيقظا ثم ينقسم وراء هذا إلى قسمين مستقل وغير مستقل

القسم الأول: المفتي المستقل وشرطه أن يكون مع ما ذكرناه قيما بمعرفة أدلة الأحكام الشرعية من الكتاب والسنة والإجماع والقياس وما التحق بها على التفصيل

وقد فصلت في كتب الفقه وغيرها فتيسرت والحمد لله عالما بما يشترط في الأدلة ووجوه دلالاتها ويكفيه اقتباس الأحكام منها وذلك يستفاد من علم أصول الفقه عارفا من علم القرآن وعلم الحديث وعلم الناسخ والمنسوخ وعلمي النحو واللغة.

القسم الثاني: المفتي غير المستقل وهو المنتسب إلى أحد المذاهب المتبوعة، وله أربع أحوال:

الحالة الأولى أن لا يكون مقلدا لإمامه لا في المذهب ولا في دليله لكونه قد جمع الأوصاف والعلوم المشترطة في المستقل وإنما ينسب إليه لكونه سلك طريقه في الاجتهاد ودعا إلى سبيله

الحالة الثانية أن يكون في مذهب إمامه مجتهدا مفيدا فيستقل بتقرير مذهبه بالدليل غير أنه لا يتجاوز في أدلته أصول إمامه وقواعده ومن شأنه أن يكون عالما بالفقه خبيرا بأصول الفقه عارفا بأدلة الأحكام تفصيلا بصيرا بمسالك الأقيسة والمعاني تام الارتياض في التخريج والاستنباط قيما بإلحاق ما ليس بمنصوص عليه في مذهب إمامه بأصول مذهبه وقواعده ولا يعرى عن شوب من التقليد له لإخلاله ببعض العلوم والأدوات المعتبرة في المستقل مثل أن يخل بعلم الحديث أو اللغة العربية.

الحالة الثالثة أن لا يبلغ رتبة أئمة المذاهب أصحاب الوجوه والطرق غير أنه فقيه النفس حافظ لمذهب إمامه عارف بأدلته قائم بتقريرها وبنصرته يصور ويجرد ويمهد ويقرر ويوازن ويرجح لكنه قصر عن درجة أولئك.

الحالة الرابعة أن يقوم بحفظ المذهب ونقله وفهمه في واضحات المسائل ومشكلاتها غير أن عنده ضعفا في تقرير أدلته وتحرير أقيسته فهذا يعتمد نقله وفتواه به فيما يحكيه من مسطورات مذهبه من منصوصات إمامه وتفريعات أصحابه المجتهدين في مذهبه وتخريجاتهم[٤٤]

قال الإمام النووي[٤٥] – بعد ذكره كلام ابن الصلاح[٤٦] بالتفصيل – ((هذه أصناف المفتين وهي خمسة ، وكل صنف منها يشترط فيه حفظ المذهب وفقه النفس، فمن تصدى للفتيا وليس بهذه الصفة فقد باء بأمر عظيم ، ولقد قطع إمام الحرمين[٤٧] وغيره بأن الأصولي الماهر المتصرف في الفقه لا يحل له الفتوى بمجرد ذلك ،ولو وقعت له واقعة لزمه أن يسأل عنها ، ويلتحق به المتصرف النظار البحاث ، من أئمة الخلاف وفحول المناظرين، لأنه ليس أهلاً لإدراك حكم الواقعة استقلالا، لقصور آلته ، ولا من مذهب إمام ، لعدم حفظه له على الوجه المعتبر.))[٤٨]

أما شروط المفتي على المذهب الحنبلي، فقد بينها الأمام أحمد[٤٩] حين قال في رواية ابنه صالح: ينبغي للرجل إذا حمل نفسه على الفُتيا أن يكون عالماً بالسنن.

وقال في رواية أخرى: لا تجوز الفتيا إلا لرجل عالم بالكتاب والسنة.

وقال أيضاً ينبغي لمن أفتى أن يكون عالماً بقول من تقدم، وإلا فلا يفتي[٥٠].

هذا إضافة إن كون المفتي مسلماً، بالغاً، عاقلاً، إذ لا تصح الفتوى من الكافر ولا من الصبي ولا من المجنون.

المبحث الثاني:

آداب المفتي[٥١]:

للمفتي آداب كثيرة ينبغي عليه أن يتحلى بها ليلتف الناس حوله ويستفتونه في مسائلهم، فيكون عوناً لهم على بيان الحق وهدايتهم إلى سبيل الرشاد، ومن هذه الآداب ما يلي:

الأول: إخلاص النية مع الاستعانة بالله تعالى

ينبغي على المفتي أن يصلح سريرته ويستحضر عند الإفتاء النّيّة الصّالحة من قصد الخلافة عن النّبيّ ﷺ في بيان الشّرع، وإحياء العمل بالكتاب والسّنّة، وإصلاح

أحوال النّاس بذلك، ويستعين باللّه على ذلك، ويسأله التّوفيق والتّسديد، وعليه مدافعة النّيّات الخبيثة من قصد العلوّ في الأرض والإعجاب بما يقول، وخاصّةً حيث يخطئ غيره ويصيب هو.

الثاني: الطهارة والنظافة والتزين بالزي الحلال

ينبغي على المفتي أن يحسن زيّه، مع التّقيّد بالأحكام الشّرعيّة في ذلك، فيراعي الطّهارة والنّظافة، واجتناب الحرير والذهب والثّياب الّتي فيها شيء من شعارات الكفّار، ولو لبس من الثّياب العالية لكان أدعى لقبول قوله، لقوله تعالى: ﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ ٱللَّهِ ٱلَّتِىٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِۦ وَٱلطَّيِّبَٰتِ مِنَ ٱلرِّزْقِ ۚ قُلْ هِىَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ﴾[٥٢].

الثالث: روي عن مكحول[٥٣] ومالك[٥٤] رضي الله عنهما أنهما كانا لا يفتيان حتى يقولا لا حول ولا قوة إلا بالله ونحن نستحب للمفتي مع غيره فليقل إذا أراد الإفتاء أعوذ بالله من الشيطان الرجيم ﴿ سُبْحَٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ ﴾[٥٥] ﴿ فَفَهَّمْنَٰهَا سُلَيْمَٰنَ ۚ ﴾[٥٦] ﴿ قَالَ رَبِّ ٱشْرَحْ لِى صَدْرِى ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِىٓ أَمْرِى ﴿٢٦﴾ وَٱحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِى ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا۟ قَوْلِى ﴾[٥٧] لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم سبحانك اللهم وحنانيك اللهم لا تنسني ولا تنسني الحمد لله أفضل الحمد اللهم صل على محمد وعلى آله وسائر النبيين وسلم اللهم وفقني واهدني وسددني واجمع لي بين الصواب والثواب وأعذني من الخطأ والحرمان آمين

وإن لم يأت بذلك عند كل فتوى فليأت به عند أول فتيا يفتيها في يومه لما يفتيه في سائر يومه مضيفا إليه قراءة الفاتحة وآية الكرسي وما تيسر فإن من ثابر على ذلك كان حقيقا بأن يكون موفقا في فتاويه.

الرابع: الرفق بالمستفتي والصبر عليه

إذا كان المستفتي بعيد الفهم فينبغي للمفتي أن يكون رفيقا به صبورا عليه حسن التأني في التفهم منه والتفهيم له حسن الإقبال عليه لاسيما إذا كان ضعيف الحال محتسبا أجر ذلك فإنه جزيل.

الخامس: كتابة الفتوى بخط واضح مقروء

ينبغي أن يكتب الجواب بخط واضح وسط ليس بالدقيق الخافي ولا بالغليظ الجافي وكذا يتوسط في سطوره بين توسيعها وتضييقها وتكون عبارته واضحة صحيحة بحيث يفهمها العامة ولا تزدريها الخاصة، وإذا كتب الجواب أعاد نظره فيه خوفا من أن يكون أخل بشيء منه.

السادس: القدوة ومطابقة الفعل للقول

ينبغي للمفتي أن يكون عاملاً بما يفتي به من الخير، منتهياً عمّا ينهى عنه من المحرّمات والمكروهات، ليتطابق قوله وفعله، فيكون فعله مصدّقاً لقوله مؤيّداً له، فإن كان بضدّ ذلك كان فعله مكذّباً لقوله، وصادّاً للمستفتي عن قبوله والامتثال له، لما في الطّبائع البشريّة من التّأثّر بالأفعال. قال الإمام الشاطبي[٥٨]: ((فإن المفتي إذا أمر مثلا بالصمت عما لا يعني؛ فإن كان صامتًا عما لا يعني ففتواه صادقة، وإن كان من الخائضين فيما لا يعني فهي غير صادقة، وإذا دلَّك على الزهد في الدنيا وهو زاهد فيها صدقت فتياه، وإن كان راغبا في الدنيا فهي كاذبة، وإن دلَّك على المحافظة على الصلاة وكان محافظا عليها صدقت فتياه، وإلا فلا.

وعلى هذا الترتيب سائر أحكام الشريعة في الأوامر، ومثلها النواهي؛ فإذا نهي عن النظر إلى الأجنبيات من النساء، وكان في نفسه منتهيا عنها صدقت فتياه، أو نهي عن الكذب وهو صادق اللسان، أو عن الزنا وهو لا يزني، أو عن التفحش وهو لا يتفحش، أو عن مخالطة الأشرار وهو لا يخالطهم، وما أشبه ذلك؛ فهو الصادق الفتيا والذي يقتدى بقوله ويقتدى بفعله؛ وإلا فلا؛ لأن علامة صدق

القول مطابقة الفعل، بل هو الصدق في الحقيقة عند العلماء، ولذلك قال تعالى: ﴿رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾(٥٩)

وقال في ضده: ﴿وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ﴾ إلى ﴿وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾(٦٠)

فاعتبر في الصدق مطابقة القول الفعل، وفي الكذب مخالفته.

وقال تعالى في الثلاثة الذين خلفوا﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾(٦١). وهكذا إذا أخبر العالم عن الحكم أو أمر أو نهى؛ فإنما ذلك مشترك بينه وبين سائر المكلفين في الحقيقة؛ فإن وافق صدق وإن خالف كذب؛ فالفتيا لا تصح مع المخالفة وإنما تصح مع الموافقة.))(٦٢)

السابع: مشاورة من يثق فيهم من أهل العلم والدين

على المفتي إن كان عنده من يثق بعلمه ودينه فينبغي له أن يشاوره، ولا يستقلّ بالجواب تسامياً بنفسه عن المشاورة، لقول اللّه تعالى:﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾(٦٣) وعلى هذا كان الخلفاء الرّاشدون.

الثامن: كتمان أسرار المستفتين

المفتي كالطّبيب يطلع على أسرار النّاس وعوراتهم في الوقت الذي لا يطلع عليها غيره، وقد يضرّ بهم إفشاؤها أو يعرّضهم للأذى فعليه كتمان أسرار المستفتين، ولئلاّ يحول إفشاؤه لها بين المستفتي وبين البوح بصوره الواقعة إذا عرف أنّ سرّه ليس في مأمن.

التاسع: ألا يفتي وهو مشغول بشواغل تمنع صحة فكره واستقامة حكمه.

ينبغي على المفتي أن لا يفتي حال انشغال قلبه بشدّة غضب أو فرح أو جوع أو عطش أو إرهاق أو تغيّر خلق، أو كان في حال نعاس، أو مرض شديد،

أو حرّ مزعج، أو برد مؤلم، أو مدافعة الأخبثين ونحو ذلك من الحاجات الّتي تمنع صحّة الفكر واستقامة الحكم.

لقول النّبيّ ﷺ:«لا يقضينّ حكم بين اثنين وهو غضبان»[٦٤] فإن حصل له شيء من ذلك وجب عليه أن يتوقّف عن الإفتاء حتّى يزول ما به ويرجع إلى حال الاعتدال. فإن أفتى في حال انشغال القلب بشيء من ذلك في بعض الأحوال وهو يرى أنّه لم يخرج عن الصّواب صحّت فتياه وإن كان مخاطراً لكن قيّده المالكيّة بكون ذلك لم يخرجه عن أصل الفكر.

العاشر: كثرة الدعاء بالهداية إلى الحق والصواب

قال ابن القيم[٦٥]:((حقيق بالمفتي أن يكثر الدعاء بالحديث الصحيح (اللهم رب جبرائيل وميكائيل وإسرافيل فاطر السموات والأرض عالم الغيب والشهادة أنت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون أهدني لما اختلف فيه من الحق بإذنك إنك تهدي من تشاء إلى صراط مستقيم)[٦٦]))[٦٧]

الخاتمة:

ختاماً لهذا البحث إليكم النتائج التالية:

١- الفتوى هي إبانة الأمر وذكر الحكم المسؤول عنه للسائل أو الجواب عما يشكل من المشاكل الشرعية أو القانونية.

٢- إن المفتي قائم في الأمة مقام النبي ﷺ، كما صرح بذلك الإمام الشاطبي.

٣- إن توقف بعض الأئمة والعلماء من سلف هذه الأمة وخلفها عن الفتوى يرجع إلى شأن هذه الفتوى وخطورتها ومكانتها وتبعاتها عند الله تعالى.

٤- إن الإفتاء على العموم فرض كفاية ولكن يصبح فرض عين في جهة معينة إذا لم يكن غير واحد من المفتين في ذلك المكان.

٥- إن شروط المفتي على المذهب الحنفي هي الإسلام والعدالة واليقظة والضبط والاجتهاد.

وإن كان المفتي من غير أهل الاجتهاد فيحل له أن يفتي بطريقة الحكاية فيحكي ما يحفظ من أقول الفقهاء. وترد فتوى الفاسق ويعمل لنفسه باجتهاده.

٦- لوحظ في المذهب المالكي أن الجماعة التي تنتسب إلى العلوم وتتميز عن جملة العوام بالمحفوظ والمفهوم تنقسم إلى ثلاث طوائف.

طائفة اعتقدت صحة مذهب مالك تقليداً بغير دليل فلا تصح لها الفتوى.

وطائفة اعتقدت صحة مذهب مالك بما بان لها من صحة أصوله التي بناه عليها، فأخذت أنفسها بحفظ مجرد أقواله وأقوال أصحابه في مسائل الفقه وتفقهت في معانيها إلا أنها لم تبلغ درجة التحقيق بمعرفة قياس الفروع على الأصول.

فهذه الطائفة يصلح لها الإفتاءِ إذا استفتيت، فتفتي بما علمته من قول مالك وقول غيره من أصحابه.

وطائفة ثالثة وصلت إلى مرحلة الاجتهاد، فتصح لها الفتوى عموماً بالاجتهاد، والقياس على الأصول التي هي الكتاب والسنة وإجماع الأمة.

٧- يشترط في المفتي على المذهب الشافعي أن يكون مكلفاً مسلماً ثقة مأموناً منزهاً من أسباب الفسق ومسقطات المروءة، إضافة إلى كونه مجتهداً مستقلاً عن المذهب، أو مفتياً غير مستقل منتسباً إلى أحد المذاهب المتبوعة.

٨- يشترط في المفتي على المذهب الحنبلي أن يكون عالماً بالكتاب والسنة، عالماً بالسنن، عالماً بقول من تقدم إضافة إلى كونه مسلماً بالغاً عاقلاً.

٩- ينبغي على المفتي أن يتأدب بآداب من أهمها:

أ- إخلاص النية مع الاستعانة بالله تعالى.

ب- الطهارة والنظافة والتزين بالزي الحلال.

ج- الرفق بالمستفتي والصبر عليه.

د- القدوة الحسنة ومطابقة الفعل للقول.

هـ- مشاورة من يثق فيهم من أهل العلم والدين .

و- كتمان أسرار المستفتين.

ي- كثرة الدعاء بالهداية إلى الحق والصواب.

أما الآن فإني أوصي أهل العلم والدين بما يلي:

- ينبغي التحلي بالعلم وعدم التجرؤ والتسرع في الإفتاء.

- ضرورة استشارة أهل التخصص قبل إطلاق الفتوى سواء كانت في مجال الدين أو الطب أو الاقتصاد أو غير ذلك من التخصصات .

- لا يجوز الإقدام على الفتوى إلا لمن توفرت فيه شروط المفتي وآدابه.

والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات

الهوامش والإحالات

١) هو علي بن إسماعيل المعروف بابن سيده، ولد بمرسية في شرق الأندلس سنة ٣٩٨هـ . وقد كان ضريراً وإماماً في اللغة وآدابها. توفي سنة ٤٥٨هـ - ١٠٦٦م. انظر الأعلام للزركلي ج٤ ص٢٦٣. دار العلم للملايين.

٢) انظر المحكم والمحيط الأعظم لابن سيده تحقيق عبد الحميد هنداوي، ج٩، ص٥٢٤. ط س٢٠٠٠م. دار الكتب العلمية. بيروت–لبنان.

٣) انظر لسان العرب لابن منظور ج١٥ ص١٤٥. دار صادر. بيروت– لبنان.

٤) التعاريف للمناوي تحقيق محمد رضوان الداية ص٥٥٠ ط١ سنة١٤١٠هـ. دار الفكر المعاصر– بيروت. دار الفكر– دمشق.

٥) المعجم الوسيط لإبراهيم مصطفى وأحمد الزيات وحامد عبد القادر ومحمد النجار ج٢ ص٦٧٣. الناشر: دار الدعوة.

٦) المرجع السابق ج٢ ص٦٧٤.

٧) سورة الكهف، الآية٢٢.

٨) سورة الصافات، الآية١١.

٩) انظر لسان العرب لابن منظور ج١٥ ص١٤٥.

١٠) سورة النساء، الآية١٧٦.

١١) لسان العرب لابن منظور ج١٥ ص١٤٥.

١٢) هو عبد الرؤوف المناوي، المصري القاهري من كبار العلماء بالدين والفنون، ولد سنة ١٥٤٥م وتوفي سنة١٦٢٢م. انظر الأعلام للزركلي ج٦ ص٢٠٤.

١٣) التعاريف للمناوي ص٦٥٤.

١٤) سورة النساء، الآية ١٢٧.

١٥) سورة النساء، الآية ١٧٦.

١٦) هو إبراهيم بن موسى بن محمد اللحفي الغرناطي الشهير بالشاطبي. أصولي حافظ. كان من أئمة المالكية. توفي سنة٧٩٠هـ -١٣٨٨م. انظر الأعلام للزركلي ج١ ص٧١.

١٧) الموافقات في أصول الشريعة للشاطبي مج٢ ج٤ ص١٧٨ ط٣ ١٤٢٤هـ – ٢٠٠٣م. دار الكتب العلمية. بيروت – لبنان.

١٨) أخرجه ابن ماجة في سننه باب فضل العلماء ج١ ص٨١. قال فيه الشيخ الألباني: صحيح. دار الفكر– بيروت.وأخرجه الترمذي في سننه باب فضل الفقه على العبادة ج٥ ص٤٨. تحقيق أحمد شاكر وآخرين. قال فيه الشيخ الألباني صحيح. دار إحياء التراث العربي. بيروت.

١٩) أخرجه البخاري في صحيحه تحقيق الدكتور مصطفى ديب البغا.. باب ليبلغ العلم الشاهد ج١ ص٥٢ ط٣ س١٤٠٧هـ ١٩٨٧م. دار ابن كثير، اليمامة بيروت.

٢٠) أخرجه البخاري في صحيحه. تحقيق الدكتور مصطفى ديب البغا. باب ما ذكر عن بني إسرائيل ج٣ ص١٢٧٥.

٢١) الموافقات للشاطبي مج٢ ج٣ ص١٧٨.

٢٢) هو يحيى بن شرف النووي الشافعي. أبو زكريا محيي الدين. علامة بالفقه والحديث، ولد في نوا (من قرى حوران بسوريا) سنة ٦٣١هـ – ١٢٢٣م وتوفي بها سنة ٦٧٦هـ – ١٢٧٧م، وإليها نسبته، من آثاره: المنهاج في شرح مسلم، وكتاب المجموع شرح المهذب للشيرازي. انظر الأعلام للزركلي ج٨ ص١٤٩.

٢٣) هو عبد الرحمن بن أبي ليلى من أئمة التابعين وثقاتهم. انظر ميزان الاعتدال للذهبي ج٢ ص٥٨٤ تحقيق الشيخ علي محمد معوض والشيخ عادل أحمد عبد الموجود، سنة النشر ١٩٩٥ بيروت – لبنان.

٢٤) هو عبد الله بن مسعود بن غافل بن هذيل صحابي جليل، هاجر الهجرتين، وشهد بدراً والمشاهد بعدها، ولازم النبي – ﷺ – ، وكان صاحب نعليه. مات بالمدينة سنة ٣٢هـ. انظر الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر ج٦ ص٢١٦. مطبعة مكتبة المثنى. بغداد – العراق.

٢٥) هو عبد الله بن عباس بن عبد المطلب ابن عم رسول الله ﷺ، صحابي جليل عالم بالتفسير. ولد قبل الهجرة بثلاث سنين وتوفي سنة ٦٨هـ على الأصح. انظر المصدر السابق ج٦ ص١٣٠ وما بعدها. ط س ١٤١١هـ. نشر مكتبة ابن تيمية. القاهرة– مصر.

٢٦) هو أحمد بن محمد بن حنبل المروزي ثم البغدادي. إمام الحنابلة، ولد ببغداد سنة ١٦٤هـ وتوفي بها سنة ٢٤١هـ. انظر طبقات الحفاظ للسيوطي من ص١٨٩ إلى ص١٩١.ط١ س١٤٠٣هـ - ١٩٨٣م. دار الكتب العلمية. بيروت — لبنان.

٢٧) هو محمد ين إدريس الشافعي — إليه تنسب الشافعية، ولد بغزة بفلسطين سنة١٥٠هـ - ٧٦٧م. وتوفي بمصر سنة٢٠٤هـ - ٨١٩م. مؤسسة الرسالة. بيروت- لبنان.

٢٨) هو مالك بن أنس بن مالك بن أبي عامر. إمام دار الهجرة وإليه تنسب المالكية. ولد سنة٩٣هـ - ٧١٢م وتوفي بالمدينة سنة ١٧٩هـ - ٧٩٥م. ودفن بالبقيع. لنظر سير أعلام النبلاء للذهبي ج٨ ص٤٨ وما بعدها. الطبعة التاسعة ١٤١٣ هـ ١٩٩٣ م مؤسسة الرسالة بيروت — لبنان.

٢٩) هو النعمان بن ثابت الكوفي. أبو حنيفة. إمام الحنيفية، الفقيه المجتهد المحقق. أحد الأئمة الأربعة عن أهل السنة. ولد سنة ٨٠هـ - ٦٩٩م وتوفي سنة ١٥٠هـ - ٧٦٧م. انظر الأعلام للزركلي ج٨ ص٣٦.

٣٠) كتاب المجموع شرح المهذب للشيرازي للإمام النووي، المقدمة ص٩٣،٩٤ ط١ س١٤٢٢هـ - ٢٠٠١م. دار إحياء التراث العربي. بيروت- لبنان.

٣١) انظر مبحث ضبط الفتوى للشيخ علي ونيس على شبكة الإنترنت.

٣٢) سبقت ترجمته.

٣٣) كتاب المجموع شرح المهذب للشيرازي للإمام النووي تحقيق محمد نجيب المطيعي ج١ ص١٠١ ط١ س١٤٢٢هـ - ٢٠٠١م . دار إحياء التراث العربي. بيروت- لبنان.

٣٤) سورة الأعراف، الآية ٣٣.

٣٥) سورة النحل، الآية١١٦.

٣٦) البحر الرائق شرح كنز الدقائق لزين الدين بن نجيم الحنفي ج٦ ص٢٩٠. دار المعرفة. بيروت — لبنان.

٣٧) ((أن يعلم الكتاب بمعانيه والسنة بطرقها، والمراد بعلمها علم ما تتعلق به من الأحكام منهما من العام والخاص والمشترك والمؤول والنص والظاهر والناسخ

والمنسوخ ومعرفة الإجماع والقياس ولا يشترط حفظه لجميع القرآن ولا لبعضه عن ظهر قلب بل يكفي أن يعرف مظان أحكامها في أبوابها فيراجعها وقت الحاجة، ولا يشترط التبحر في هذه العلوم، ولابد له من معرفة لسان العرب لغة وإعراباً، وأما الاعتقاد فيكفيه اعتقادٌ جازمٌ ولا يشترط معرفتها على طريق المتكلمين وأدلتهم لأنها صناعة لهم ويدخل في السنة أقوال الصحابة فلابد من معرفتها... ولابد من معرفة عرف الناس وهو معنى قولهم: لابد أن يكون صاحب قريحة.)) المرجع السابق ج٦ ص٢٩٠. وانظر نهاية السول في شرح مناهج الأصول للقاضي البيضاوي. تأليف الإمام جمال الدين الأسنوي ج٤ ص٥٤٧ وما بعدها. عالم الكتب، بيروت – لبنان.

٣٨) انظر الفتوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان للشيخ ناظم الدين وجماعة من علماء الهند ج٣ ص٣٠٩. ط س ١٤١١هـ – ١٩٩١م. دار الفكر.

٣٩) هو محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني. أبو عبد الله. إمام بالفقه والأصول، وهو الذي نشر علم أبي حنيفة. ولد سنة ١٣١هـ ونشأ بالكوفة وتوفي سنة ١٨٩هـ. انظر الأعلام للزركلي ج٦ ص٨٠.

٤٠) الفتاوى الإسلامية من دار الإفتاء المصرية مج١ ص١٢. ط س ١٤٠٠هـ – ١٩٨٠م القاهرة.

٤١) هو محمد بن أحمد ابن رشد أبو الوليد، من أعيان المالكية تولى القضاء بقرطبة. ولد سنة ٤٥٠هـ وتوفي سنة٥٢٠هـ. انظر الأعلام للزركلي ج٥ ص٥.

٤٢) مواهب الخليل لشرح مختصر الخليل لشمس الدين محمد بن عبد الرحمن الطرابلسي المغربي المعروف بابن الخطاب الرُّعيني. تحقيق زكريا عميرات باب الأقضية ج٨ ص٧٤، ط س ١٤٢٣هـ – ٢٠٠٣م. دار عالم الكتاب.

٤٣) المرجع السابق ج٧ ص٧٥.

٤٤) أدب المفتي والمستفتي لابن الصلاح بتصرف ج١ ص٢٩ وما بعدها تحقيق موفق عبد الله عبدالقادر. ط١ س١٤٠٧هـ. عالم الكتب. بيروت

٤٥) سبقت ترجمته.

٤٦) هو عثمان بن عبد الرحمن أبو عمرو المعروف بابن الصلاح أحد علماء التفسير والحديث والفقه وأسماء الرجال. ولد سنة ٦٤٣هـ. انظر الأعلام للزركلي ج٤ ص٢٠٧.

٤٧) هو عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن أحمد بن محمد الجويني إمام الحرمين. أعلم المتأخرين من أصحاب الشافعي. ولد في جوين من نواحي نيسابور سنة ٤١٩هـ وتوفي سنة ٤٧٨هـ وتوفي سنة ٤٧٨هـ. انظر الأعلام للزركلي ج٤ ص١٦٠.

٤٨) كتاب المجموع للنووي ج١ ص١٠٠.

٤٩) سبقت ترجمته.

٥٠) انظر أعلام الموقعين لابن قيم الجوزية ج٤ ص٢٠٥.

٥١) انظر أدب المفتي والمستفتي لابن الصلاح ج١ ص٧٢-٧٦.

- وانظر أعلام الموقعين لابن قيم الجوزية ج٤ ص٢٥٦
- وانظر الموافقات للشاطبي مج٢ ج٤ ص١٨٤-١٨٥.
- وانظر الإحكام في أصول الأحكام للآمدي ج٤ ص٢٩٨ ط سنة١٣٣٢هـ، مطبعة المعارف، مصر
- وانظر آداب المفتي في الموسوعة الفقهية الكويتية على شبكة الإنترنت www.aleman.com

٥٢) سورة الأعراف، الآية٣٢.

٥٣) هو مكحول بن أبي مسلم. أبو عبد الله. فقيه الشام في عصره، من حفاظ الحديث، قال الزهري: لم يكن في زمنه أبصر منه بالفتيا. أصله من فارس توفي سنة ١١٢هـ - ٧٣٠م. انظر الأعلام للزركلي ج٧ ص٢٨٤.

٥٤) سبقت ترجمته.

٥٥) سورة البقرة، الآية ٣٢.

٥٦) سورة الأنبياء، الآية٧٩.

٥٧) سورة طه، الآيات٢٥-٢٨.

٥٨) سبقت ترجمته.

٥٩) سورة الأحزاب، الآية٢٣.

٦٠) سورة الأحزاب، الآيات٧٥-٧٧.

٦١) سورة التوبة، الآية١١٩.

٦٢) الموافقات للشاطبي مج٢ ج٤ ص١٨٤-١٨٥.

٦٣) سورة آل عمران، الآية١٥٩.

٦٤) أخرجه الإمام البخاري في صحيحه. تحقيق: مصطفى ديب البغا، كتاب الأحكام. باب هل يقضي القاضي أو يفتي وهو غضبان؟ ج٦ ص٢١٦١. ط٣ س١٤٠٧هـ - ١٩٨٧م. دار ابن كثير اليمامة. بيروت.

٦٥) هو محمد بن أبي بكر بن أيوب الدمشقي. شمس الدين من أركان الإصلاح الإسلامي وأحد كبار العلماء. ولد بدمشق سنة ٦٩١هـ وتوفي بها سنة ٧٥١هـ. انظر الأعلام للزركلي ج٦ ص٥٦.

٦٦) أخرجه النسائي في سننه. تحقيق عبدالفتاح أبي غدة، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب بأي شيء تستفتح صلاة الليل، ج٣ ص٢١٢. قال الشيخ الألباني حسن. ط ٢س ١٤٠٦هـ - ١٩٨٦م، الناشر : مكتب المطبوعات الإسلامية — حلب.

٦٧) أعلام الموقعين لإبن قيم الجوزية ج٤ ص٢٥٧.

المصادر والمراجع

١- آداب المفتي في الموسوعة الفقهية الكويتية على شبكة الإنترنت www.aleman.com

٢- أدب المفتي والمستفتي لابن الصلاح تحقيق موفق عبد الله عبد القادر. ط١ س١٤٠٧هـ. عالم الكتب. بيروت

٣- الإحكام في أصول الأحكام للآمدي ط سنة١٣٣٢هـ، مطبعة المعارف – مصر.

٤- الأعلام للزركلي دار العلم للملايين.

٥- أعلام الموقعين عن رب العالمين لابن قيم الجوزية، دار الجيل. بيروت – لبنان.

٦- الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر ج٦ ص٢١٦. مطبعة مكتبة المثنى. بغداد، العراق

٧- البحر الرائق شرح كنز الدقائق لزين الدين بن نجيم الحنفي. دار المعرفة. بيروت، لبنان.

٨- التعاريف للمناوي تحقيق محمد رضوان الداية ط١ سنة١٤١٠هـ. دار الفكر المعاصر، بيروت. دار الفكر، دمشق.

٩- سنن ابن ماجه دار الفكر. بيروت.

١٠- سنن الترمذي تحقيق أحمد شاكر وآخرين. دار إحياء التراث العربي. بيروت.

١١- سنن النسائي تحقيق عبد الفتاح أبي غدة ط ٢س ١٤٠٦هـ - ١٩٨٦م، الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية – حلب.

١٢- سير أعلام النبلاء للذهبي. الطبعة التاسعة ١٤١٣ هـ ١٩٩٣ م مؤسسة الرسالة بيروت – لبنان.

١٣- صحيح البخاري تحقيق الدكتور مصطفى ديب البغا. ط٣ س١٤٠٧هـ ١٩٨٧م. دار ابن كثير، اليمامة بيروت

١٤- طبقات الحافظ للسيوطي. ط١ س١٤٠٣هـ - ١٩٨٣م. دار الكتب العلمية. بيروت – لبنان.

١٥- الفتاوى الإسلامية من دار الإفتاء المصرية. ط س ١٤٠٠هـ - ١٩٨٠م القاهرة.

١٦- الفتوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان للشيخ ناظم الدين وجماعة من علماء الهند. ط س ١٤١١هـ - ١٩٩١م. دار الفكر.

١٧- كتاب المجموع شرح المهذب للشيرازي للإمام النووي ط١ س١٤٢٢هـ - ٢٠٠١م. دار إحياء التراث العربي.

١٨- لسان العرب لإبن منظور دار صادر. بيروت- لبنان.

١٩- مبحث ضبط الفتوى للشيخ علي ونيس على شبكة الإنترنت.

٢٠- المحكم والمحيط الأعظم لابن سيده. تحقيق عبد الحميد هنداوي. ط س٢٠٠٠م. دار الكتب العلمية. بيروت- لبنان.

٢١- المعجم الوسيط لإبراهيم مصطفى وأحمد الزيات وحامد عبد القادر ومحمد النجار. الناشر: دار الدعوة.

٢٢- الموافقات في أصول الشريعة للشاطبي ط٣ ١٤٢٤هـ - ٢٠٠٣م. دار الكتب العلمية. بيروت — لبنان.

٢٣- مواهب الخليل لشرح مختصر الخليل لشمس الدين محمد بن عبد الرحمن الطرابلسي المغربي المعروف بابن الخطاب الرُّعيني. تحقيق زكريا عميرات. ط س ١٤٢٣هـ - ٢٠٠٣م. دار عالم الكتاب.

٢٤- ميزان الإعتدال في نقد الرجال تحقيق الشيخ علي محمد معوض والشيخ عادل أحمد عبد الموجود لشمس الدين محمد بن أحمد الذهبي، سنة النشر ١٩٩٥ بيروت — لبنان.

* *

قواعد التفسير نشأتها وتطورها

Rules of tafseer its inception & evolution

د. سميع الحق*
نصر من الله**

ABSTRACT

Rules of Tafseer are basically concerned with understanding meaning of the Holy Qur'an and learn how to take advantage of it.

This article preliminary defines the importance of Rules of Tafseer of the Qur'an and also elaborates the different terminologies associated with rules of Tafseer and how these rules are made and developed with the passage of time. This paper also provides an insight into the previous and current studies carried out in the field of Rules of Tafseer. In the beginning, the Rules of Tafseer were considered as part of Usool-e-Fiqh, Tafseer and Qur'anic Science. The knowledge and awareness about Rules of Tafseer was actually accumulated from the Holy Qur'an, Hadith, teachings' of Sahabah (R.A), Usool-e-Fiqh, Arabic grammar, books of Quranic Science and books of Tafseer, while later on new books were introduced in 14th century.

Keywords: Rules of tafseer, Usool-e-Tafseer, Tafseer, Qur'anic Sciences, Usool-e-Fiqh.

* أستاذ مشارك ورئيس قسم التفسير وعلوم القرآن سابقا ، الجامعة الإسلامية العالمية، إسلام آباد

** محاضر بكلية الإمام أبي حنيفة للغة العربية والدراسات الإسلامية، بشاور

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن والاه، وبعد:

فإن علم التفسير من أجلّ العلوم الشرعية، ومن أفضلها -إن لم يكن أفضلها- على الإطلاق، وذلك لعلاقته بأفضل كتاب أنزل من عند الله العليم الخبير، ولذا فإنه من السعادة العظيمة والمنزلة الرفيعة أن يشتغل المسلم بعلم التفسير دراسة وتدريساً، وتعلّماً وتعليماً، كما أنه من السذاجة جداً أن يرزق الله تعالى عبداً من عباده فهم كتابه ثم يشتغل بغيره، فلا شكّ أنه يحقّر ما عظّمه الله ويعظّم ما حقّره الله.

ولما احتلّ علم التفسير هذه المنزلة الرفيعة من بين العلوم الشرعية وأولاه الإسلام هذه الأهمية كان اعتناء العلماء الأجلاء به كبيراً –قديماً وحديثاً– فصنفوا في علم التفسير مصنفات عديدة وذلك في مجالات مختلفة من علم التفسير، وعندما دخل الغث والثمين في علم التفسير، واحتيج الأمر إلى التمييز بين ما هو مقبول من التفسير وما هو مردود منه، شمّر بعض المفسرين إلى وضع قواعد كلية لضبط هذا العلم وترتيبه وتنسيقه وتسمى بـ (قواعد التفسير) شأنها كشأن أصول الفقه أو القواعد الفقهية بالنسبة لعلم الفقه أو قواعد اللغة من نحو وصرف بالنسبة للغة العربية.

ولكن من المؤسف جداً أن كثيراً ممن يتعرضون لتفسير كلام الله تعالى–في هذا الزمن– لا يراعون هذه القواعد أثناء تفاسيرهم، ولذا تجدهم يجمعون بين التفاسير المقبولة والمردودة من غير تمحيص ولا تنقيد، وهذا إن دلّ على شيء فإنما يدلّ على بعدهم عن المنهجية الصحيحة لتفسير كلام الله تعالى وبالتالي عدم مراعاتهم للقواعد الأساسية التي وضعها العلماء لتفسير كلام الله تعالى، ولذا رأينا من الأهمية بمكان أن نسلّط الضوء على نشأة علم قواعد التفسير وكيفية تطوّره

وازدهاره وأبرز المؤلفات في هذا العلم النبيل، وقد تناول البحث عدة عناصر كما يلي:

- التعريف بقواعد التفسير لغة واصطلاحاً
- الفرق بين قواعد التفسير وعلوم القرآن
- أهمية علم قواعد التفسير
- موضوع علم قواعد التفسير وغايته واستمداده
- نشأة علم قواعد التفسير وتطوره
- التأليف في علم قواعد التفسير
- المناهج المتبعة في التأليف في القواعد عموماً
- أنواع القواعد في التفسير

التعريف بقواعد التفسير لغة واصطلاحا:

لا بدّ للمركب الإضافي من أن يعرّف بجزئيه حتى يعرف المركب معرفة جزئية قبل أن يعرف كعَلَم لشيء مستقل، وبما أن مصطلح (قواعد التفسير) مركب من كلمتين هما: قواعد وتفسير، فلذا نحتاج أولاً أن نعرّف كل كلمة منهما على حدة، ثم نعرّف (قواعد التفسير) كعلم أو لقب لعلم مستقل، وبالله تعالى التوفيق:

أولاً: تعريف القواعد:

القواعد لغة: القواعد جمع قاعدة، وهي الأصل والأساس الذي يبنى عليه غيره، وكل قاعدة هي أصل للتي فوقها، ويستوي فيه الأمور الحسية والمعنوية، فقاعدة البيت: أساسه، ومنه قوله تعالى: ﴿ **وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ** ﴾[البقرة: ١٢٧] وقاعدة الهودج: هي الخشبات الأربع المعترضة في أسفله، وقاعدة الباب: هي الأصل الذي تبنى عليه مسائله.(١)

القاعدة اصطلاحاً: ذكر العلماء في تعريف القاعدة اصطلاحاً عدة تعاريف، نختار منها ما يلي:

هي: "**الأمر الكلي الذي ينطبق على جزئيات كثيرة تُفهم أحكامها منه**".(٢) أو هي: "**حكم أغلبي ينطبق على معظم جزئياته**".(٣) أو هي: "**حكم كلي يتعرف به على أحكام جزئياته**".(٤) وهي كما تبدو تعاريف متقاربة، فالمعنى واحد والألفاظ متغايرة، والقاعدة بهذا المدلول المذكور تشمل كل ما يطلق عليه قاعدة في العلوم كافة، كالقاعدة الأصولية: " الأمر يقتضي الوجوب"، والقاعدة النحوية: " الفاعل مرفوع" والقاعدة الفقهية: "لا ضرر ولا ضرار" والقاعدة الترجيحية: " القول بالتأسيس مقدّم على القول بالتأكيد"، وغيرها من القواعد.

ثانياً: تعريف التفسير:

التفسير لغة: اختلف علماء العربية في أصل لفظ التفسير، فقال جماعة، منهم الأزهري وابن فارس وغيرهما: أنه من الفَسْر، بمعنى الإبانة وكشف المراد عن اللفظ وإيضاحه، والفَسْر هو: التفسير، وهو بيان وتفصيل للكتاب.(٥)

وقال آخرون: هو مقلوب من: سَفَرَ، ومعناه أيضاً: الكشف، يقال سفرت المرأة سفوراً: إذا ألقت خمارها عن وجهها. وجعل التفعيل للتكسير. وأياً كان الأمر فأصل المادة يدور على معنى البيان والكشف والإيضاح.(٦)

والتفسير اصطلاحاً: كما تعدّدت عبارات العلماء في التعريف اللغوي للتفسير، هكذا تعدّدت عباراتهم في التعريف الاصطلاحي له أيضاً، وهي تعريفات كثيرة، نختار منها ما يلي:

قال الإمام أبي حيان –رحمه الله – في تعريف التفسير: " **هو علم يبحث فيه عن كيفية النطق بألفاظ القرآن الكريم، ومدلولاتها، وأحكامها الإفرادية والتركيبية، ومعانيها التي تحمل عليها حال التركيب، وتتمات لذلك**".(٧) ونقله

الإمام الألوسي في تفسيره،[٨] ثم شرحه، وكأنه ارتضاه، ولا يخفى ما في هذا التعريف من العموم والشمول، وبهذا لا يكون مانعاً كما يشترط في التعاريف.

وعرّفه الإمام الزركشي –رحمه الله– بقوله: " **علم يعرف به فهم كتاب الله المنزل على نبيه محمد صلى الله عليه وسلم، وبيان معانيه واستخراج أحكامه وحكمه**". [٩]

وخلاصة القول أن التفسير هو بيان كلام الله سبحانه وتعالى المنزل على محمد صلى الله عليه وسلم بقدر الطاقة البشرية.

ثالثاً: تعريف قواعد التفسير:

وأما تعريف قواعد التفسير باعتباره لقباً على فنّ معيّن من العلم فهو: "**الأحكام الكلية التي يتوصل بها إلى استنباط معاني القرآن العظيم ومعرفة كيفية الاستفادة منها**".[١٠]

وبهذا صار علم قواعد التفسير علماً مستقلاً من علوم القرآن، له موضوعاته ومباحثه وغايته وغرضه وفائدته حسب ما سنذكره فيما بعد.

الفرق بين قواعد التفسير وعلوم القرآن

مصطلح قواعد التفسير مرادف لمصطلح (أصول التفسير) ويعتبر من أشرف وأهمّ العلوم التي تتعلق بالقرآن الكريم، والنسبة بين قواعد التفسير وبين علوم القرآن هي نسبة الجزء إلى الكلّ، وقد تطلق قواعد التفسير على جملة علوم القرآن،وهذا إما أن يكون من باب إطلاق الجزء على الكلّ، وإما لكون علوم القرآن والكتب المصنفة في ذلك تشتمل على قواعد كثيرة من قواعد التفسير منثورة في أبوابه المختلفة.

والخلاصة أن علوم القرآن هي عبارة عن جميع العلوم التي تتعلق بالقرآن من وجوه شتى، أما قواعد التفسير فالمراد بها تلك الكليات والضوابط المخصوصة التي سبق في التعريف.[١١]

أهمية علم قواعد التفسير وفوائده

لما تشعبت العلوم وتناثرت تفاصيلها وجزئياتها، بحيث أصبح من الصعوبة بمكان، الإحاطة بجزئيات فن واحد من فنون العلم فضلاً عن الإحاطة بجزئيات الفنون المختلفة، عمد العلماء إلى استقراء وإبراز الأصول الجامعة والقضايا الكلية التي ترجع إليها تلك الجزئيات تيسيرًا للعلم، وإعانة على حفظ ما تناثر من جزئياته، مع اختصار لكثير من الجهد والوقت، إضافة إلى تربية ملكة الفهم، وضبطه بضوابط تحجزه عن الخطأ.

إذن هذه هي التي تجعل معرفة القواعد عمومًا وقواعد التفسير خصوصًا أمرًا مهمّاً.

قال شيخ الإسلام ابن تيمية – رحمه الله تعالى – : "لابد أن يكون مع الإنسان أصول كلية ترد إليها الجزئيات ليتكلم بعلم وعدل،- حتى لا يفرق بين مسألتين متماثلتين بسبب أنه لا يملك القاعدة التي تجمع ما تفرق – ثم يعرف الجزئيات كيف وقعت وإلا فيبقى في كذب وجهل في الجزئيات وجهل وظلم في الكليات فيتولد فساد عظيم".[١٢]

ويقول الزركشي – رحمه الله تعالى – في المنثور في القواعد: " أما بعد: فإن ضبط الأمور المنتشرة المتعددة في القوانين المتحدة. هو أوعى لحفظها، وأدعى لضبطها، وهي إحدى حكم العدد التي وضع لأجلها، والحكيم إذا أراد التعليم لا بد أن يجمع بين بيانين: إجمالي تتشوَّف إليه النفس، وتفصيلي تسكن إليه".[١٣]

هذا من جهة، ومن جهة أخرى فإن أهميتها تعرف بمعرفة أهمية موضوعها وهو القرآن الكريم؛ إذ هو أصل العلوم وفيه خير العاجل والآجل، فإذا فهمه العبد فهمًا صحيحًا حاز علمًا عظيمًا لا يدانيه علم البتة. ولذا كان الرجل إذاحفظ سورة البقرة وآل عمران يعظم في أعين الصحابة قال أنس – رضي الله عنه –: (وكان الرجل إذا قرأ البقرة وآل عمران جدّ فينا). يعني عَظم.[١٤]

فمن عرف قواعد التفسير حصلت له ثلاث فوائد:

١- تنفتح له معاني قرآنية كثيرة جدًّا.

٢- يصير بيده آلة يتمكن بها من الاستنباط والفهم.

٣- يصبح عنده ملكة تجعله يحسن اختيار الأقوال المختلفة، حتى ماكان مختلفًا اختلاف تنوّع.

٤- ضبط التفسير بقواعده الصحيحة.(١٥)

موضوع علم قواعد التفسير وغايته وشرفه واستمداده

موضوعه: موضوع هذا العلم هو القرآن الكريم وإذا أردنا تحري الدقة فإننا نقول موضوعه تفسير القرآن.

غايته : فهم معاني القرآن كي تُمتثل فيحصل الفوز في الدارين. وليس لتحصيل بعض الفوائد والمكاسب، وإنما الامتثال.

شرفه : يمكن أن نلخص هذه القضية في ثلاثة أوجه:

١- من جهة الموضوع، إذ موضوعه كلام الله تعالى الذي هو أجلّ الكتب وأعظمها وأشرفها، والعلماء يقولون: شرف العلم بشرف المعلوم.

٢- من جهة مقصوده وغايته وهي الاعتصام بحبله للوصول إلى السعادتين.

٣- من جهة عظم الحاجة إليه إذ إن كل فلاح ديني أو دنيوي مفتقر إلى العلوم الشرعية وهي متوقفة على العلم بكتاب الله تعالى إذ هو أصلها.(١٦)

استمداد قواعد التفسير:

نقصد بالاستمداد ما استمدت وأخذت منه قواعد التفسير من المصادر، ومن خلال التتبع والاستقراء نجد أن قواعد التفسير مستمدة مما يأتي :

١- القرآن الكريم: وذلك عن طريق استقراء بعض القضايا فيه. فمثلاً: كل (أليم) في القرآن فهو بمعنى مؤلم أو موجع. وكل (كلاّ) في القرآن بعد أمر منكر

فهو للردع، وكل (كلاّ) لم يأتي بعدها أمر منكر فهي بمعنى حقًّا.

٢- السنة النبوية:

٣- بعض ما أثر عن الصحابة رضي الله عنهم في الكلام على التفسير، بحيث إنه يمكن أن نعرف منه بعض الأصول التي يسيرون عليها في استنباط المعاني .

٤- أصول الفقه لأن حقيقتها استقراء كليات الأدلة حتى تكون نصب عيني المجتهد، وسهلة الملتمس لدى الطالب، وينبغي الاهتمام بهذا العلم لأنه يؤصل علوم الشريعة، ويضبطها ويعصمنا بإذن الله من الزلل، ويعطينا القدرة على المحاجة والمدافعة عن الحق الذي نعتقده بطريقة مؤصلة.

٥- اللغة والبيان والنحو والتصريف، لأن علوم اللسان هادية للصواب في الكتاب والسنة فحقيقتها إذًا أنها فقه التعبد بالألفاظ الشرعية الدالة على معانيها كيف تؤخذ وتؤدى.

٦- كتب علوم القرآن ، مثل البرهان والإتقان، ومقدمات بعض كتب التفسير كالتحرير والتنوير، ومقدمة كتاب التسهيل لابن جُزي الكلبي، حيث ذُكرت فيها جملة من قواعد التفسير.

تنبيه:

لم نذكر كتب التفسير مع أنها مشحونة بالقواعد بسبب أن وجود القواعد فيها إنما هو عبارة عن تطبيقات للقواعد, وليس المقصود من ذكرها تقريرها، كما هو الحال في الفقه مثلا, فإن كتبه مشحونة بالقواعد الأصولية ومع ذلك لا تعتبر كتب الفقه مادة يستمد منها قواعد الأصول.[١٧]

نشأة علم قواعد التفسير وتطوره

الحديث عن نشأة قواعد التفسير يكون من وجهين:

الأول : من جهة كونها مفرقة ومتناثرة في مصادرها التي تستمد منها. فالكلام فيها هو الكلام عن نشأة بعض العلوم وتطورها كأصول الفقه وعلوم القرآن وعلوم اللغة ... وهذا بالطبع ليس هو المقصود منها.

الوجه الثاني : نشأتها كفن مستقل مدوّن (حسب المصطلح الخاص به) وهذا بعد التتبع لم نقف فيه على القدر الذي يتناسب مع ماله من أهمية, وإنما وقفنا في بعض الفهارس على ثلاثة كتب معنونة بـ " قواعد التفسير " أو ما يقارب هذه العبارة (وسنذكرها تحت عنوان التأليف في علم قواعد التفسير)؛ لأن مؤلفات هذا العلم كانت متناثرة وقليلة جدًّا، ولكن في الأزمنة المعاصرة كثرت عناية الناس به، كما توجد بعض الكتب المعاصرة ذات العناوين المشابهة أو المطابقة – ظاهرا – للموضوع بغض النظر عن مضمونها .

الحاصل أن هذا الفن لم يتوفر لدينا مؤلفات مستقلة به فلا يمكن أن نفصل الحديث عن نشأته، لكن يمكن أن نقول إن بواكيير هذا العلم قد ظهرت في العهد النبوي على يد أفضل الخلق عليه السلام ثم على يد أئمة التفسير من بعد النبي صلى الله عليه وسلم من الصحابة والتابعين رضي الله عنهم أجمعين فكانت نشأة قواعد التفسير مواكبة لنشأة علم التفسير إلا أنها كانت متفرقة ومنثورة ضمن كتب التفسير ثم ازدادت بازدياد كتب التفسير .

- أما في القرن الثاني الهجري فقد دخلت قواعد التفسير طورًا جديدًا إذ ظهرت جملة منها مدونة في أول كتاب ظهر في أصول الفقه وهو " الرسالة للإمام الشافعي " رحمه الله وكذا كتاب " أحكام القرآن " له أيضاً.
- و أما في القرن الثالث والرابع فقد اتسع نطاق التدوين لقواعد التفسير في كتب التفسير والأصول واللغة كـ " تأويل مشكل القرآن " لا بن قتيبة وكتاب "جامع البيان " للإمام الطبري "وأحكام القرآن" للطحاوي "وأحكام القرآن" للجصاص.

- وأما في القرنين الخامس والسادس فقد ظهرت مؤلفات كثيرة في التفسير وأصول الفقه واللغة أمثال "الإحكام" لابن حزم "والبرهان" للجويني "وأصول الفقه "للسرخسي والمستصفى للغزالي والمحرر الوجيز لابن عطية وفنون الأفنان لابن الجوزي وغيرها.
- وأما في القرنين السابع والثامن فقد ظهرت مؤلفات جديدة حافلة بالقواعد كمؤلفات شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله وخاصة رسالته المطبوعة باسم (المقدمة في أصول التفسير) ومؤلفات تلميذه ابن القيم، والبحر المحيط لأبي حيان، وكتفسير القرطبي، وتفسير ابن كثير، ومثل البرهان في علوم القرآن للزركشي، والمنثور في قواعد الفقه والبحر المحيط في أصول الفقه له أيضاً، ومؤلفات ابن رجب، والإتقان في علوم القرآن للسيوطي، والتحبير في علم التفسير له أيضاً، وبعده الفوز الكبير في أصول التفسير للشاه ولي الله الدهلوي، وكثيرين بعدهم، وهذه الكتب من أصول التفسير أو أصول الفقه أو علوم القرآن لكن يذكر فيها مؤلفوها قواعد كثيرة من قواعد التفسير.
- وهكذا ظلّت قواعد التفسير مبثوثة في بطون الكتب في القرون الخمسة اللاحقة ما بين كتب التفسير وأصوله وقواعد الفقه وأصوله.
- وفي القرن الرابع عشر الهجري وقفنا على تدوين مستقل في قواعد التفسير وهو كتاب القواعد الحسان لتفسير القرآن للعلامة عبد الرحمن بن سعدي رحمه الله.[١٨]

ومن هنا يمكننا القول بأن لَبِنات علم قواعد التفسير كعلم مستقل وضعت في القرن الرابع عشر الهجري، وفيه بدأ التدوين في هذا العلم.

التأليف في علم قواعد التفسير

وفي هذا الموضع سنذكر كل ما وقفنا عليه من الكتب المعنونة بـ (قواعد التفسير) أو ما يقارب هذه العبارة حسب الترتيب الزمني، ثم نتحدث عن مضمون هذه الكتب إن أمكن:

١ - (**قواعد التفسير**) تأليف أبي عبد الله محمد بن أبي القاسم الخضر بن محمد ابن الخضر بن علي بن عبد الله المعروف بإبن تيمية الحراني الملقب بـ فخر الدين بن الخطيب الواعظ الفقيه الحنبلي ولد في حران سنة ٥٤٢هـ وتوفي بها سنة ٦٢١هـ وهذا الكتاب لم يصل إلينا وإنما ذكره صاحب كشف الظنون بالعنوان المشار إليه .

٢ - (**المنهج القويم في قواعد تتعلق بالقرآن الكريم**) تأليف شمس الدين ابن الصائغ محمد بن عبد الرحمن الحنفي توفي عام ٧٧٧هـ وقد ذكر صاحب كشف الظنون ولم يذكر شيئا من المعلومات عنه فالله أعلم .

٣ - (**قواعد التفسير لابن الوزير**) " مخطوط " هكذا ذكر في فهرس التيمورية وابن الوزير المشار إليه هنا هو محمد بن إبراهيم الوزير اليماني توفي عام ٨٤٠ هـ رحمه الله تعالى، وهو في الأصل فصل من كتاب " إيثار الحق على الخلق " للمؤلف نفسه مطبوع وهو الفصل الواقع ما بين ص ١٥٦ : ١٦٧ بعنوان فصل في الإرشاد إلى طريق المعرفة لصحيح التفسير وقد تحدث فيه المؤلف عن طرق التفسير ومراتبه وأنواعه وبهذا لا يعتبر الكتاب من المؤلفات في قواعد التفسير حسب الاصطلاح الخاص.

٤ - (**التيسير في قواعد علم التفسير**) تأليف محمد بن سليمان الكافيجي توفي ٨٧٩ هـ وهو كتاب في علوم القرآن. وقد طبع هذا الكتاب عام ١٤١٠هـ بتحقيق: ناصر بن محمد المطرود.

٥ - (**القواعد الحسان لتفسير القرآن**) تأليف الشيخ عبد الرحمن بن ناصر السعدي توفي سنة ١٣٧٦ هـ وقد طبع الكتاب طبعات عدة وذكر فيه المؤلف رحمه الله ٧١ قاعدة مع ذكر أمثلتها ويبدوا أن القواعد التي ذكرها المؤلف رحمه الله على أنواع:

- فمنها قواعد في التفسير حقيقة وتقارب العشرين قاعدة.

• ومنها ما يصلح أن يسمى قواعد قرءانية وليست من قواعد التفسير كالتي تعرف من خلال تتبع منهج القرآن في بعض القضايا كمقابلة الوعد بالوعيد وأهل الإيمان بضدهم وهكذا

• ومنها فوائد ولطائف وليست بقواعد ومنها قواعد فقهية مستنبطة من القرآن.

وفي الجملة يمكن أن نقول إن هذا الكتاب قد وضعه مؤلفه – رحمه الله – في قواعد التفسير إلا أنه توسع فيما اختاره من القواعد فعد معها كثير من القواعد والفوائد المستنبطة من القرآن التي لا تدخل في قواعد التفسير.

٦- (**أصول التفسير وقواعده**) لخالد بن عبد الرحمن العك وهو مطبوع وموضوعه علوم القرآن.

٧- (**قواعد التدبر الأمثل لكتاب الله عز وجل**) تأليف عبد الرحمن حبنّكة الميداني وهو كتاب مطبوع يقع في ٨٤٠ صفحة مع الفهارس وقد ذكر فيه المؤلف أمورا يراعيها القارئ لكتاب الله كي يحصل له التدبر وهذه الأمور عبارة عن فوائد وتوجيهات ووصايا مع الإشارة إلى بعض الحكم لمتعلقة بنصوص التنزيل، وفيه أشياء قليلة تناسب قواعد التفسير لكنها تحتاج إلى ترتيب وتنسيق.

٨- (**قواعد وفوائد لفقه كتاب الله تعالى**) تأليف عبد الله بن محمد الجوعي وهو كتاب مطبوع يقع في ١٤٤ صفحة مع الفهارس وهذا الكتاب يتضمن —كما هو ظاهر من العنوان — لطائف وفوائد مستنبطة من القرآن الكريم إضافة إلى بعض قواعد التفسير .أشار المؤلف في مقدمة كتابه إلى أنه قيدها من كتب متفرقة إلى أن قال: كثير من الفوائد لم أعزها وذلك لأنها مما علق في الذهن مما قرأته أو سمعته من بعض العلماء فيتعذر عزوه..ا.هـ

وهذا الذي لا يعزوه المؤلف هو الغالب على الكتاب إذ العزو فيه قليل جداً، وإنما ذكرت هذا الكتاب والذي قبله إتماما للموضوع وإلا فإن الفائدة منهما في موضوعنا قليلة، والله أعلم.[١٩]

وأخيراً كتبت ثلاث رسائل فريدة في قواعد التفسير وهي:

٩-الأولى: (**قواعد التفسير جمعاً ودراسة**) للدكتور خالد بن عثمان السبت في مجلدين، وهي رسالة دكتوراه، مقدّمة في الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة، وهي من أجمع الكتب في علم قواعد التفسير وأفضلها، فهو يذكر القاعدة ثم يشرحها ثم يأتي بالأمثلة التطبيقية من كتب التفسير لهذه القاعدة.

١٠- الثانية: (**قواعد الترجيح عند المفسرين**) لحسين بن علي الحربي في مجلدين، وهي رسالة ماجستير مقدمة في جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، وموضوع الثانية أخص من الأولى؛ إذ هي في القواعد الترجيحية.

١١- والثالثة: (**فصول في أصول التفسير**) وهو كتاب صغير للدكتور مساعد بن سليمان الطيار، وهو أيضاً لا يقلّ أهمية من الرسالتين السابقتين في موضوع قواعد التفسير، حيث ذكر الأصول العامة للتفسير في بداية الكتاب ثم ذكر بعض القواعد المهمة للتفسير وزيّنها بالأمثلة التطبيقية.

المناهج المتبعة في التأليف في القواعد عموماً

لما كان التأليف في قواعد التفسير ضئيلا أو شبه منعدم، أصبح من المتعذر الحديث عن المناهج المتبعة فيه ولذا سيكون الحديث هنا عن مناهج العلماء في التأليف في القواعد عموما لأن هذا البحث عن "القواعد " فنقول: لم يقتصر العلماء الذين ألفوا في القواعد على طريقة واحدة بل تعددت طرائقهم ومناهجهم في التأليف في هذا الفن فمن هذه المناهج:

الترتيب الهجائي: من المعلوم أن عدد من القواعد تتعلق بأبواب متنوعة فإذا وضع الكتاب على طريقة الأبواب فإن هذا سيؤدي إلى إغفال القاعدة – المرتبطة بأكثر من باب – في موضعها الآخر أو تكرارها فتفاديا لهذا الأمر انتهج بعض المؤلفين في القواعد نهج الترتيب الهجائي . وهذه الطريقة ليست سليمة، لأن لفظ القاعدة ليست بيتًا شعريًّا ولا نصًّا شرعيًّا، فلا نعرف أين وضع القاعدة، وممن سار على

هذا المنهج الزركشي في المنثور، وأبو سعيد الخادمي في مجامع الحقائق، والبركتي في القواعد الفقهية.

الترتيب الموضوعي: المنظور فيه إلى شمولية القاعدة وإلى الاتفاق والخلاف فيها.

فجعلوا القواعد في الجملة على ثلاثة أقسام:

القسم الأول: قواعد كلية يرجع إليها أغلب المسائل.

القسم الثاني: قواعد كلية يرجع إليها بعض المسائل.

القسم الثالث: قواعد خلافية وغالبا ما تكون مبدوءة بـ (هل).

وعلى هذا جرى السبكي في الأشباه والنظائر وابن نُجيم والسيوطي – رحمهما الله – في كتابيهما الأشباه والنظائر، وهما في قواعد الفقه، لكن ابن نجيم في قواعد الفقه عند الحنفية، والسيوطي في قواعد الفقه.

ذكر القواعد دون ترتيب معين: وعلى هذا أكثر الذين دوّنوا في قواعد التفسير يذكرونها هكذا منتثرة، مثل ابن رجب في كتابه (القواعد الفقهية) والونشريسي في كتابه (إيضاح المسالك إلي قواعد الإمام مالك) وابن عبد الهادي في (مغني ذوي الأفهام) و كذلك السيوطي في الإتقان في قواعد التفسير، وكذلك الزركشي في البرهان في قواعد التفسير، ومن المعاصرين: الشيخ عبد الرحمن السعدي في كتابه (القواعد الحسان لتفسير القرآن) و (القواعد والأصول الجامعة) في الفقه.

الترتيب على طريقة التبويب: كالأبواب الفقهية وهذه هي الطريقة المشابهة للمقاصد المدونة في هذا الكتاب، وممن سار على هذا الأسلوب المقري المالكي في كتابه (القواعد) ومحمد البقوري في (ترتيب فروق القرافي) والشيخ عظوم في (المسند المذهب في قواعد المذهب) محمود حمزة في (الفرائد البهية في القواعد والفوائد الفقهية) والبكري في (الاستغناء في الفرق والاستثناء) وابن خطيب الدهشة في (مختصر من قواعد العلائي وكلام الأسنوي)، وهي الطريقة التي مشى عليها الدكتور خالد بن عثمان السبت في كتابه (قواعد التفسير جمعاً ودراسة) فذكر بابًا في

أسباب النزول وتحته القواعد المتصلة به، وكذلك أساليب العرب، ونحو ذلك، وهذه أضبطها في الجملة.[٢٠]

أنواع القواعد في التفسير

يمكن أن ننوع القواعد بالنظر إلى ناحيتين:

الأولى: شمولية القاعدة للأبواب المتعددة .

الثانية: ما تحظى به القاعدة من وفاق أو خلاف .

فالقواعد بالنظر الأول على نوعين:

أحدهما: قواعد تدخل في أبواب مختلفة تقل أو تكثر لكنها لا تقتصر على باب واحد ومنها ما يتعلق بعامة الأبواب أو كلها. مثل لا ضرر ولا ضرار

الثاني: قواعد تختص بباب واحد وهذه أيضا تتفاوت فمنها ما يضم جزئيات كثيرة جدا ومنها الذي يجمع قدرا قليلا من الجزئيات. مثل: العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب. هذه تختص بباب واحد هو أسباب النزول.

ثم إن نظرنا إلى القواعد بالنظر الثاني وهو الملحوظ فيه جانب الوفاق والخلاف نجد أنها على قسمين كذلك :

الأول: القواعد التي حصل الوفاق عليها، أو وقع فيها شيء من الخلاف لكنه ضعيف وهي التي يُعبر عنها غالبا بجمل خبرية وبصيغة الجزم كقولنا : التأسيس مقدم على التوكيد، والعبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب.

الثاني: القواعد التي اشتهر فيها الخلاف وقوي وهي التي يعبر عنها غالبا بصيغ الاستفهام كقولنا : هل الأمر يقتضي التكرار؟ أو قولنا : هل الزيادة على النص نسخ؟.[٢١]

للقواعد باعتبار الغاية تقسيم آخر وهو: أنها على نوعين:

الأول: قواعد عامة يستفاد منها في فهم القرآن؛ كقاعدة : " المفرد المضاف يفيد العموم " كقوله تعالى:﴿ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴾[٢٢].وقوله: ﴿ وَإِن تَعُدُّواْ نِعْمَتَ ٱللَّهِ لَا تُحْصُوهَآ ﴾[٢٣] المقصود:نعم الله .

الثاني: قواعد ترجيحية يستفاد منها في الموازنة بين الأقوال، ومعرفة الراجح منها والمرجوح؛ كقاعدة : " القول الذي تؤيده قرائن السياق مرجح على ما خالفه" ، كقوله تعالى:﴿ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ ﴾[٢٤] أي: بعلمه، قالوا: لأن الله افتتح الآية بالعلم وختمها بالعلم.[٢٥] وقوله تعالى:﴿ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَٰهُمَا ﴾[٢٦]

قال ابن جرير":وأوْلى الأقوال في ذلك بالصواب قول من قال: معنى ذلك: ((أَوَلَمْ يَرَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ أَنَّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَٰهُمَا))[٢٧] من المطر والنبات، ففتقنا السماء بالغيث والأرض بالنبات، وإنما قلنا: ذلك أوْلى بالصواب؛ لدلالة قوله تعالى: ((وَجَعَلْنَا مِنَ ٱلْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ))[٢٨] على ذلك.[٢٩]

الخاتمة

هذا ما يسّر الله تعالى لنا تحريره من كتابة بحث موجز حول نشأة قواعد التفسير وتطورها، ونحمد الله تعالى العلي القدير أن وفقنا لكتابة هذه الصفحات، فإنه نعم المولى ونعم النصير، وبعد:

فمن خلال المعايشة مع قواعد التفسير عدة أيام توصلنا إلى عدة نتائج نلخصها في النقاط التالية:

- إن المراد من قواعد التفسير هي: **الأحكام الكلية التي يتوصل بها إلى استنباط معاني القرآن العظيم ومعرفة كيفية الاستفادة منها**. وهي جزء من علوم القرآن الكثيرة.
- إن هذا العلم من أشرف العلوم وأعلاها، لكونه يتعلق بالقرآن الكريم وتفسيره، بل هو ميزان علم التفسير.
- تستمد قواعد التفسير من القرآن الكريم نفسه، ومن السنة النبوية ومن أقوال الصحابة والتابعين رحمهم الله كما تستمد من أصول الفقه، وقواعد اللغة العربية وكتب علوم القرآن ومقدمات كتب التفسير.
- نشأ علم قواعد التفسير بداية ضمن باقي العلوم كأصول الفقه وعلم التفسير وعلوم القرآن وعلوم اللغة، وذلك عبر القرون الثلاثة عشر المنصرمة، حتى تمّ تدوين قواعد التفسير كعلم مستقل في مؤلفات خاصة في القرن الرابع عشر الهجري.
- كثرت المؤلفات المعنونة بقواعد التفسير إلا أن معظمها ليست في قواعد التفسير، بل هي أشبه ما تكون بكتب علوم القرآن والتفسير.
- لقد اتبع من ألّف في القواعد عامّة مناهج مختلفة فمنهم من رتّبها حسب حروف المعجم، ومنهم من رتّبها حسب الأبواب والموضوعات، ومنهم من لم يراع شيئاً من ذلك فجعلها من غير ترتيب.
- لقواعد التفسير أنواع متعددة، ويمكن تلخيصها في قواعد عامة، وقواعد خاصة، أو قواعد عامة وقواعد الترجيح، ويقصد بالقواعد العامة القواعد التي تشمل التفسير والعلوم الأخرى كالفقه وأصوله، والقواعد الخاصة هي القواعد التي تخص علم التفسير، وأما القواعد الترجيحية فهي التي يستفاد منها في الموازنة والمقارنة بين الأقوال المتعارضة ومن ثمّ ترجيح بعضها على بعض.

هذا ما توصلنا إليه من النتائج، فإن كان صواباً فمن الله وإن كان غير ذلك فمنا ومن الشيطان، والله تعالى منه بريء، ورحم الله امرءاً أهدى إلينا عيوبنا.

وأخيراً نسأل الله عز وجل أن يعفو عنا الزلل، وأن يغفر لنا خطايانا وإسرافنا في أمرنا، وأن يرحمنا، وأن يقبل عنا هذا الجهد المتواضع، وأن ينفعنا به والمسلمين. آمين

الهوامش والإحالات

(١) انظر: معجم مقاييس اللغة للإمام أحمد بن فارس بن زكرياء القزويني الرازي، تحقيق: عبد السلام محمد هارون، دار الفكر، ١٣٩٩هـ - ١٩٧٩م (مادة: قعد) ٥/١٠٩، ولسان العرب لابن منظور الإفريقي، إعداد وتصنيف: يوسف خياط، دار لسان العرب، بيروت (مادة: قعد) ٣/ ١٢٨، وتاج العروس من جواهر القاموس لمحمد مرتضى الزبيدي، دار مكتبة الحياة، بيروت (مادة: قعد) ٢/ ٤٧٣

(٢) شرح الكوكب المنير لمحمد بن أحمد الفتوحي الحنبلي المعروف بابن النجار، تحقيق: محمد الزحيلي، نزيه حماد، مركز البحث العلمي وإحياء التراث بجامعة أم القرى. الطبعة الأولى: ١٤٠٢هـ ١/ ٣٠

(٣) المدخل الفقهي العام لمصطفى أحمد الزرقاء، دار الفكر، دمشق، الطبعة التاسعة: ١٩٦٨م. ٢/ ٩٤٦

(٤) قواعد التفسير جمعاً ودراسةً للدكتور خالد بن عثمان السبت، دار ابن عفان، القاهرة، الطبعة الثالثة: ١٤٣٢هـ ٢٠١١م ١/ ٢٣

(٥) انظر: تهذيب اللغة للإمام أبي منصور محمد بن أحمد الأزهري، تحقيق: عبد السلام محمد هارون، دار القومية العربية للطباعة، ١٣٨٤هـ. ١٢/ ٤٠٧، ومعجم مقاييس اللغة لابن فارس ٤/ ٥٠٤، ولسان العرب لابن منظور ٥/ ٥٥، (مادة: فسر).

(٦) انظر: مفردات ألفاظ القرآن للراغب الأصفهاني، تحقيق: صفوان عدنان داوودي، دار القلم، دمشق، الطبعة الأولى: ١٤١٢هـ ص ٤١٢، والبرهان في علوم القرآن للإمام بدر الدين محمد بن عبد الله الزركشي، تحقيق: محمد أبو الفضل إبراهيم، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانية، ١٣٩٠هـ ٢/١٤٧

(٧) البحر المحيط للإمام أبي حيان محمد بن يوسف الأندلسي الغرناطي، دار الكتاب الإسلامي، القاهرة، الطبعة الثانية: ١٤١٣هـ ١/٢٦

(٨) روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، للإمام شهاب الدين السيد محمود الألوسي، دار الفكر، لبنان بيروت، ١٤٠٨هـ ١/٤

(٩) البرهان في علوم القرآن للزركشي ١/١٣

(١٠) قواعد التفسير جمعاً ودراسة لخالد السبت ١/ ٣٠

(١١) انظر: المرجع السابق ١/ ٣٣

(١٢) مجموع الفتاوى للإمام أحمد بن عبد الحليم ابن تيمية، جمع وترتيب: عبد الرحمن القاسم العاصمي، طبعة الرياض. (١٩/٢٠٣)

(١٣) المنثور في القواعد للإمام بدر الدين محمد بن بهادر الزركشي، تحقيق: فائق أحمد محمود، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، الكويت، الطبعة الأولى: ١٤٠٢هـ (١/ ٦٥ – ٦٦)

(١٤) مسند الإمام أحمد بن حنبل، تحقيق: شعيب الأرنؤوط- عادل مرشد وآخرون، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى: ١٤٢١هـ ٢٠٠١م. ١٩/ ٢٤٧

(١٥) انظر: قواعد التفسير جمعاً و دراسة ١/ ٣٦-٣٨

(١٦) انظر: المرجع السابق ١/ ٣٩

(١٧) انظر: المرجع السابق ١/ ٤٠-٤١

(١٨) انظر: المرجع السابق ١/ ٤١-٤٣

(١٩) انظر: المرجع السابق ١/٤٣-٤٥

(٢٠) انظر: المرجع السابق ١/ ٤٦-٤٧

(٢١) انظر: المرجع السابق ١/ ٤٧-٤٨

(٢٢) الضحى:١١

(٢٣) إبراهيم:٣٤

(٢٤) المجادلة:٧

(٢٥) انظر: قواعد الترجيح عند المفسرين لحسين بن علي الحربي، دار القاسم، الرياض، الطبعة الأولى، ١٤١٧هـ ١٩٩٦م ١/ ٣٠١

(٢٦) الأنبياء:٣٠

(٢٧) الأنبياء:٣٠

(٢٨) الأنبياء:٣٠

(٢٩) جامع البيان عن تأويل آي القرآن للإمام محمد بن جرير الطبري، تحقيق: محمود شاكر، دار المعارف، مصر، الطبعة الثانية. ١٧/ ١٩

****

روايات الضعفاء الموثقين في شيخ معين في الصحيحين والمجتبى

Unauthentic Narrators whose texts about a particular sheikh are accepted & their narrations in sahehan & Mujtaba

د. فتح الرحمن القرشي*

ABSTRACT

The authors approach towards the text of some narrators is neither absolute acceptance nor absolute refusal to their texts regardless of whether they are authentic or unauthentic. Hence, it should be noted that even the authentic narrator's text can be rejected on the basis of the context in which the text is narrated. Likewise, the unauthentic narrator's text should not be rejected in context where the narrator is assumed to be authentic. The narrator might have been of weak memorisation, but his text may be accepted because of his long companionship to that particular Sheikh whereby he acquires strength. This research is limited to the unauthentic narrators whose text about a particular Bukhari, Muslim and Nisei.

The objective is to extract these unauthentic narrators out of the men of Bukhari, Muslim and Nisei depending on the judgments of the critics that are related to the documentation of the unauthentic narrator and the acceptance of his text reported about a particular Sheikh, through the reviewing of reliable references. The study also aims to the extraction of the narrations of those narrators in Bukhari, Muslim and Nisei and its study in terms of text in order to know how the classifier quotes those narrators.

Keywords: Unauthentic Narrators, Weak memorization, extraction of narrations, Judgments of the critics

---

* أستاذ مساعد ورئيس قسم الحديث وعلومه،الجامعة الإسلامية العالمية، إسلام آباد

مدخل:

معلوم عند علماء الحديث وجود بعض الرواة المتكلم فيهم في صحيحي البخاري ومسلم، فهذا أمر لا يخفى على المحدِّثين، ولا يخفى على الإمامين البخاري ومسلم (رحمهما الله)، فهما ينتقيان من حديث المتكلم فيهم ما يُجزَمُ أنَّه صحيحٌ مقبول، سواء كان هذا الراوي مُضَعفاً مِن قِبَلهما، أو مِن قِبَل غيرهما مِن المحدثين .

ومن المعلوم أيضاً أن البخاري ومسلماً لم يرويا الحديث عن ضعيف إلا وهو مقرون بغيره أو تابعه الثقات، ولم يرويا عن مدلس حتى يصرح بالسماع سواءً في نفس الرواية أو في رواية أخرى في الصحيحين.

ذكر العلامة المعلمي (رحمه الله): إن الشيخين يخرجان لمن فيهم كلام في مواضع معروفة، أحدها: أن يؤدي اجتهادهما إلى أن ذلك الكلام لا يضره في روايته البتة، كما أخرج البخاري لعكرمة .

الثاني: أن يؤدي اجتهادهما إلى أن ذلك الكلام إنما يقتضي أنه لا يصلح للاحتجاج به وحده، ويريان أنه يصلح لأن يحتج به مقروناً، أو حيث تابعه غيره، ونحو ذلك .

ثالثها: أن يريا أن الضعف الذي في الرجل خاص بروايته عن فلان من شيوخه، أو برواية فلان عنه، أو بما سمع منه من غير كتابه، أو بما سمع منه بعد اختلاطه، أو بما جاء عنه عنعنه وهو مدلس، ولم يأت عنه من وجه آخر ما يدفع ريبة التدليس. فيخرجان للرجل حيث يصلح، ولا يخرجان له حيث لا يصلح"(١) .

وقال الذهبي (رحمه الله): "فما في الكتابين - يعني صحيحي البخاري ومسلم - بحمد الله رجل احتج به البخاري أو مسلم في الأصول ورواياته ضعيفة، بل حسنة أو صحيحة ... ومن خرج له البخاري أو مسلم في الشواهد والمتابعات ففيهم مَن في حفظه شيء، وفي توثيقه تردد"(٢) .

قلتُ: يجب التنبه إلى عدم صحة الاستدلال على ثقة الراوي بإخراج البخاري أو مسلم له، وإنما ينبغي النظر في كيفية إخراج البخاري أو مسلم له، هل أخرجا له في الأصول؟ وما هي الأحاديث التي أخرجاها، هل لها شواهد ومتابعات؟ فإن أخرجا له –كلاهما أو أحدهما – حديثاً في الأصول صحيحاً لذاته، فهذا الذي في أعلى درجات التوثيق، أمّا من أخرجا له في المتابعات أو صحيحاً لغيره فهذا يشمله اسم الصدق العام، ولكن قد لا يكون في أعلى درجات التوثيق.

وهذا هو الذي أبرزه ابن حجر من منهج البخاري بقوله: "فأما إن خرج له في المتابعات والشواهد والتعاليق فهذا يتفاوت درجات من أخرج له منهم في الضبط وغيره، مع حصول اسم الصدق لهم"(٣).

وقد ردَّ ابن الصلاح على من عاب على الإمام مسلم بروايته في صحيحه عن جماعة من الضعفاء علم الطعن فيهم، وليسوا من شرط الصحيح بأجوبة منها: "أن يكون ذلك واقعاً في الشواهد والمتابعات لا في الأصول، وذلك بأن يذكر الحديث أولاً بإسناد نظيف رجاله ثقات ويجعله أصلاً ثم يتبع ذلك بإسنادٍ آخر أو أسانيد فيها بعض الضعفاء على وجه التأكيد بالمتابعة، أو لزيادة فيه تنبه على فائدة فيما قدمه"(٤).

شرط النسائي في المجتبي:

أما النسائي فله شرط في المجتبى بينه العلماء، قال أبو الفضل بن طاهر المقدسي: "سألت الإمام أبا القاسم سعد بن علي الزنجاني بمكة عن حال رجل من الرواة، فوثقه، فقلت: إن أبا عبد الرحمن النسائي ضعفه، فقال: "**يا بني! إن لأبي عبد الرحمن في الرجال شرطاً أشد من شرط البخاري ومسلم**"(٥)

وقد قال الحافظ : "كم من رجل أخرج له أبو داود والترمذي تجنب النسائي إخراج حديثه، بل تجنب إخراج حديث جماعة في الصحيحين"(٦).

وشرطه بيّنه بقوله: "لما عزمت على جمع كتاب السنن، استخرت الله تعالى في الرواية عن شيوخ كان في القلب منهم بعض الشيء، فوقعت الخيرة على تركهم، فتركت جملة من الحديث كنت أعلو فيه عنهم"(٧).

قلت: فمن هؤلاء عبد الله بن لهيعة، قال الحافظ أبو طالب أحمد بن نصر البغدادي: "من يصبر على ما صبر عليه أبو عبد الرحمن؟! كان عنده حديث ابن لهيعة ترجمة ترجمة فما حدث بها، وكان لا يرى أن يحدث بحديث ابن لهيعة"(٨).

وقال ابن رجب مرجحاً له على أبي داود والترمذي فيمن يخرج له: "وأما النسائي فشرطه أشد من ذلك، ولا يكاد يخرج لمن يغلب عليه الوهم، ولا لمن فحش خطؤه وكثر"(٩).

وأطلق بعض العلماء على كتاب النسائي اسم (الصحيح)، جاء هذا عن الحفاظ، أبي علي النيسابوري، وأبي أحمد بن عدي، والدارقطني، وابن منده، وعبد الغني بن سعيد الأزدي، والحاكم، وأبي يعلي الخليلي، والخطيب البغدادي، وأبي طاهر السلفي، وذلك من أجل ما رأوه في كتابه من قوة شرطه وتحريه(١٠).

ولا شك في أن صحيح البخاري أصح وأعلى شرطاً من سنن النسائي، وللدارقطني جزء صغير في الرجال الذين خرج لهم البخاري وأعرض عنهم النسائي كإسماعيل بن أبي أويس.

وهكذا كانت ميزة سنن النسائي في ضيق شرطه في التصحيح ودقة مقاييسه في القبول لدرجة أن أبا الحسن المعافري (ت٤٨٤هـ) تلميذ ابن عبد البر عدّهُ سلك أغمض وأجل ما سلكه الأئمة الستة من مسالك(١١). فشرطه في المجتبى هو أقوى الشروط بعد الصحيحين، مما دفع الذهبي إلى القول: "ولم يكن أحد في رأس الثلاثمائة أحفظ من النسائي، هو أحذق بالحديث وعلله ورجاله من

مسلم، ومن أبي داود، ومن أبي عيسى، وهو جار في مضمار البخاري، وأبي زرعة"[١٢].

والخلاصة أنه ليس من شرط الأئمة البخاري ومسلم والنسائي (رحمهم الله) ألا يخرجوا عن رواة متكلم فيهم أو موصوفين بالضعف، وذلك لأنّ الراوي الضعيف أو المتكلم فيه لا يلزم أن ترد جميع مروياته – ما دام غير متهم بالكذب –، إذ قد يكون مُضَعّفاً في حالٍ دون حال، أو في شيخٍ دون شيخ، أو في بلدٍ دون بلد، أو في حديث معين دون أحاديث أخر، ونحو ذلك من أنواع التضعيف[١٣]، فلا يجوز أن نرد جميع مروياته حينئذ، بل نقبل حديثه الذي تبين لنا أنه ضبطه وحفظه وأداه كما حفظه، ونرد حديثه الذي تبين لنا أنه أخطأ فيه، ونتوقف فيما لم يتبين لنا شأنه.

هذا هو منهج المحدثين في التعامل مع جميع مرويات الرواة الضعفاء، ويسمى منهج "**الانتقاء من أحاديث الضعفاء**"[١٤]، يعني تصحيح أحاديث بعض الرواة المتكلم فيهم بالضعف إذا تبين أنهم قد حفظوا هذا الحديث بخصوصه، تماما كما أننا قد نرد حديث الراوي الثقة إذا تبين أنه لم يحفظ هذا الحديث المعين، أو خالف فيه من هو أوثق منه وأحفظ، والله الموفق والهادي إلى سواء السبيل.

موضوع البحث:

موضوع هذا البحث روايات الضعفاء الموثقين في شيخ معيّن عند البخاري ومسلم والنسائي في كتبهم – الصحيحان والمجتبى – ويجيب عن السؤالين التاليين:

من هم الرواة الضعفاء الموثقون في شيخ الذين أخرج لهم البخاري ومسلم والنسائي؟

كيف أخرج هؤلاء الأئمة أحاديث الموثقين في شيخ؟

قسمتُ هذا البحث إلى مبحثين:

المبحث الأول: عقدته لتراجم الضعفاء الموثقين في شيخ عند البخاري ومسلم والنسائي.

والمبحث الثاني: لدراسةأحاديث الضعفاء الموثقين في شيخ عند هؤلاء الأئمة في ، وفيه مطالب هي:

المطلب الأول: أحاديث الموثقين في شيخ عند الإمام البخاري.

المطلب الثاني: أحاديث الموثقين في شيخ عند الإمام مسلم.

المطلب الثالث: أحاديث الموثقين في شيخ عند الإمام النسائي.

وجعلتُ خاتمة فيها الخلاصة وأهم النتائج.

والله الموفق والهادي إلى سواء السبيل،

المبحث الأول

الضعفاء الموثقون في شيخ

عند البخاري ومسلم والنسائي في الصحيحين والمجتبى

أخرج هؤلاء الأئمة لأربعة من الرواة الضعفاء الموثقين في شيخ، هم: هشام بن سعد واتفقوا عليه! ويحيى بن الضحّاك انفرد به البخاري دونهم، وقرة بن عبد الرحمن، ومجالد بن سعيد أخرج لهما مسلم دونهم(١٥).

جمعتُ هؤلاء الرواة من خلال تتبع أقوال النقاد التي تفيد توثيق الراوي الضعيف أو قبول حديثه عن شيخٍ معين، وذلك بالرجوع إلى أمّهات الكتب المعتمدة في الرجال - خاصّة كتب رجال الصحيحين - والكتب الخاصّة بتراجم الكتب الستّة، وأهمها تهذيب الكمال للمزّي، وتهذيب التهذيب وتقريب التهذيب لابن حجر. فدرستُ ترجمة الراوي، وتتبع أقوال النقاد فيه، ثمّ النظر في هذه الأقوال ووضع خلاصة لهذه الأقوال، فأقول وبالله التوفيق:

(١) – قرة بن عبد الرحمن بن حِيْوِيل – بمهملة مفتوحة ثم تحتانية وزن جبريل – المعافري المصري، يقال اسمه يحيى. من السابعة مات سنة سبع وأربعين[١٦]. أخرج له مسلم، وأبو داود، والنسائي[١٧]، والترمذي، وابن ماجة.

قال الإمام أحمد: "منكر الحديث جداً"[١٨]. وقال يحيى بن معين: "ضعيف الحديث". وقال أبو حاتم: "ليس بقوي"[١٩]. وقال أبو زرعة: "الأحاديث التي يرويها مناكير"[٢٠].

ذكره ابن حبان في الثقات، ونقل قول الأوزاعي: "أعلم الناس بالزهري قرة بن عبد الرحمن بن حيويل"[٢١]، ثم نقل ابن حبان استنكار أبو حاتم الرازي أن يكون قرة أعلم الناس بالزهري، وأن كل شيء روي عنه لا يكون ستين حديثًا، بل أتقن الناس بالزهري: مالك، ومعمر، والزبيدي: ويونس، وعقيل، وابن عيينة، هؤلاء الستة أهل الحفظ والإتقان، والضبط، والمذاكرة، وبهم يعتبر حديث الزهري إذا خالف بعض أصحاب الزهري بعضًا في شيء يرويه. وترجم ابن حبان لقرة مرة أخرى في مشاهير علماء الأمصار[٢٢].

ووجّه ابن حجر قول الأوزاعي بأنّ قرة أعلم بحال الزهري من غيره لا فيما يرجع إلى ضبط الحديث وهذا هو اللائق. خاصة أنّ قرة قال: لم يكن للزهري كتاب إلا كتاب فيه نسب قومه"[٢٣].

قال ابن عدي: "ولقرة أحاديث صالحة يرويها عنه رشدين وسويد بن عبد العزيز، وابن وهب والأوزاعي وغيرهم وجملة حديثه عند هؤلاء ولم أر في حديثه حديثاً منكراً جداً فأذكره وأرجو أنه لا بأس به"[٢٤].

الخلاصة: أنّه ضعيف ويقبل حديثه في الزهريّ خاصّة، والأوزاعي إمام حجة، وكفى بشهادته لشيخه قرة، خاصة إذا كان الراوي عنه ابن وهب، أو الأوزاعي، أو سويد بن عبد العزيز.

(٢) – مُجَالد – بضم أوله وتخفيف الجيم – بن سعيد بن عمير الهمْداني – بسكون الميم – أبو عمرو الكوفي، من صغار السادسة مات سنة أربع وأربعين[٢٥]، أخرج له مسلم، وأبو داود، والنسائي، والترمذي، وابن ماجة.

قال البخاري: "كان يحيى القطان يضعفه وكان ابن مهدي لا يروي عنه"[٢٦]. وقال ابن عدي: "ومجالد له عن الشعبي عن جابر أحاديث صالحة وعن غير جابر من الصحابة أحاديث صالحة وجملة ما يرويه عن الشعبي وقد رواه عن غير الشعبي ولكن أكثر روايته عنه وعامة ما يرويه غير محفوظ"[٢٧].

قال أبو بكر بن أبي خيثمة: "سمعت يحيى بن معين يقول: مجالد ضعيف واهى الحديث. قلت: كان يحيى بن سعيد القطان يقول: لو أردت أن يرفع لى مجالد حديثه كله رفعه، قال: نعم، قلت: وَلِمَ يرفع حديثه؟ قال: لضعفه"[٢٨].

وقال ابن أبي حاتم: "حدثنا أحمد بن سنان قال سمعت عبد الرحمن بن مهدى يقول: "حديث مجالد عند الأحداث يحيى بن سعيد، وأبى أسامة، ليس بشئ، ولكن حديث شعبة، وحماد بن زيد، وهشيم، وهؤلاء القدماء. يعني أنه تغير حفظه في آخر عمره"[٢٩].

وقال ابن حبان: "وكان رديء الحفظ يقلب الأسانيد ويرفع المراسيل لا يجوز الاحتجاج به"[٣٠].

الخلاصة: مجالد ضعيف بسبب تغير حفظه في آخر عمره، ورواية الأكابر شعبة، وحماد بن زيد، وهشيم، مقبوله، وتجنب رواية الأحداث كيحيى بن سعيد، وأبو أسامة إلاّ إذا توبعوا، والله أعلم.

(٣) – هشام بن سعد المدني أبو عباد أو أبو سعيد، مولى آل أبي لهب، القرشي، يتيم زيد بن أسلم. من كبار السابعة مات سنة ستين أو قبلها[٣١]. أخرج له البخاري تعليقاً، ومسلم، وأبو داود، والنسائي، والترمذي، وابن ماجة.

قال الإمام أحمد: "لم يكن هشام بالحافظ"[٣٢]. وقال أيضاً: "كان يحيى بن سعيد لا يحدث عنه"[٣٣]. "وقال الدوري عن ابن معين: "سمعت يحيى يقول: كان داود بن قيس يعنى الفراء صالح الحديث. وهشام بن سعد فيه ضعف وداود أحب إليّ منه"[٣٤]. وقال أيضاً: "صالح وليس بمتروك الحديث"[٣٥]. وقال أيضاً: "ليس بذاك القوي"[٣٦].

وقال أبو زرعة: "محله الصدق وهو أحب إلي من ابن إسحاق. وقال أبو حاتم: يكتب حديثه ولا يحتج به، هو ومحمد بن إسحاق عندي واحد"[٣٧]. وقال النسائي: ضعيف"[٣٨]. قال ابن عدي: "مع ضعفه يكتب حديثه"[٣٩].

وقال أبو داود: "هشام بن سعد أثبت الناس في زيد بن أسلم"[٤٠].

قال ابن حبان: "كان ممن يقلب الأسانيد وهو لا يفهم ويسند الموقوفات من حيث لا يعلم فلما كثر مخالفته الأثبات فيما يروي عن الثقات بطل الاحتجاج به وإن اعتبر بما وافق الثقات من حديثه فلا ضير"[٤١].

الخلاصة: ضعيف يعتبر حديثه، وهو أثبت الناس في زيد بن أسلم كما قال أبو داود (رحمه الله)، والله أعلم.

(٤) – يحيى بن عبد الله بن الضحاك البابلتي – بموحدتين ولام مضمومة ومثناة ثقيلة – أبو سعيد الحراني ابن امرأة الأوزاعي، من التاسعة مات سنة ثماني عشرة[٤٢]. أخرج له البخاري تعليقاً، والنسائي في الكبري[٤٣].

قال أبو حاتم: "سمعت النفيلى يحمل عليه وقال لى كتبت عنه؟ فقلت: لا، أوهمته أنّي لم أكتب عنه من أجل ضعفه، وإنّما قدمت حرّان وقد كان توفى. وقال أبو زرعة: لا أحدث عنه. ولم يقرأ علينا حديثه"[٤٤].

قال ابن معين: "لم يسمع من الأوزاعي شيئاً[٤٥]. وردّ ذلك الإمام أحمد بقوله: "أما السماع فلا يدفع"[٤٦]. وهي حكاية منقطعة السند[٤٧]، كيف وهو ابن امرأته؟!.

وقال ابن عدي: "وليحيى البابلتي عن الأوزاعي أحاديث صالحة، وفي تلك الأحاديث أحاديث ينفرد بها عن الأوزاعي، ويروى عن غير الأوزاعي من المشهورين والمجهولين، والضعف على حديثه بيِّن"(٤٨).

وقال ابن حبان: "كان كثير الخطأ لا يدفع عن السماع، ولكنَّه يأتي عن الثقات بأشياء معضلات ممن كان يهم فيها حتى ذهب حلاوته عن القلوب لما شاب أحاديثه المناكير، فهو عندي فيما انفرد به ساقط الاحتجاج، وفيما لم يخالف الثقات معتبر به، وفيما وافق الثقات محتج به"(٤٩).

الخلاصة: ضعيفٌ عند جماهير النقّاد، إلاّ في الأوزاعي خاصّة فيما يتابع عليه لا ما ينفرد به، والله أعلم.

المبحث الثاني

أحاديث الموثقين في شيخ

عند البخاري ومسلم والنسائي في الصحيحين والمجتبى

تقدم أنّ الأئمة البخاري ومسلم والنسائي، لم يخرجوا عنهم إلاّ نادراً، حيث بلغ مجموع ما أخرج لهم البخاري ثلاثة أحاديث فقط: اثنان لهشام، وواحد ليحيى بن الضحّاك.

وأمّا الإمام مسلم، فقد بلغ مجموع ما أخرج لهم ثلاثة عشر حديثاً: حديثاً واحداً لقرة بن عبد الرحمن، وحديثاً واحداً لمجالد بن سعيد، وأحد عشر حديثاً لهشام بن سعد.

أخرج الإمام النسائي لواحدٍ من الرواة الضعفاء الموثقين في شيخ، هو: هشام بن سعد. وأخرج له حديثاً واحداً.

درستُ تلك الأحاديث عند الأئمة في ثلاثة مطالب، فالأول لأحاديثهم عند البخاري، والثاني لأحاديثهم عند مسلم. والثالث لأحاديثهم عند النسائي.

المطلب الأول: أحاديث الموثقين في شيخ عند الإمام البخاري:

أولاً: حديث هشام بن سعد:

۞ الحديث الأول: أخرجه معلقاً بصيغة الجزم في كتاب الحج، باب كراهية النبي ﷺ أن تعرّى المدينة، تحت الحديث رقم (١٨٩٠)، فقال(رحمه الله):

"حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلاَلٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: «اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ، وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ ﷺ»، وَقَالَ ابْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ رَوْحِ بْنِ القَاسِمِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَتْ: سَمِعْتُ عُمَرَ نَحْوَهُ وَقَالَ هِشَامٌ، عَنْ زَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَفْصَةَ، سَمِعْتُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ(٥٠).

قلتُ: وصله بن سعد عن محمد بن إسماعيل بن أبي فديك عنه ولفظه عن حفصة أنها سمعت أباها يقول: فذكر مثله، وفي آخره: "إِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِأَمْرِهِ أَنَّى شَاءَ"(٥١).

قال ابن حجر: "أراد البخاري بهذين التعليقين بيان الاختلاف فيه على زيد بن أسلم فاتفق هشام بن سعد وسعيد بن أبي هلال على أنه عن زيد عن أبيه أسلم عن عمر وقد تابعهما حفص بن ميسرة عن زيد عند عمر بن شبة وانفرد روح بن القاسم عن زيد بقوله عن أمه وقد رواه بن سعد عن معن بن عيسى عن مالك عن زيد بن أسلم أن عمر فذكره مرسلاً.

وللحديث طريق أخرى أخرجها البخاري في تاريخه من طريق محمد بن عبد الله بن عبد الرحمن بن محمد بن عبد الله القارئ، عن جده، عن أبيه محمد، عن أبيه عبد الله أنه سمع عمر يقول ذلك.

وطريق أخرى أخرجها عمر بن شبة من طريق عبد الله بن دينار عن بن عمر عن عمر إسنادها صحيح"(٥٢).

قلتُ: هذا الحديث مما أعله الدارقطني في تتبعاته على الصحيحين، فقال: "وأخرج البخاري عن ابن بكير، عن الليث، عن خالد عن سعيد بن أبي هلال، عن زيد بن أسلم عن أبيه عن عمر: "اللهم ارزقني شهادة في سبيلك، واجعل موتي في بلد رسولك"قال: وقال يزيد بن زريع عن روح عن زيد عن أمه عن حفص عن عمر. وقال هشام بن سعد عن زيد عن أبيه عن حفصة عن عمر"(٥٣).

قال ابن حجر: "الظاهر أنه كان عند زيد بن أسلم عن أبيه عن عمر وعن أمه عن حفصة عن عمر؛ لأن الليث وروح بن القاسم حافظان وأسلم مولى عمر من الملازمين له العارفين بحديثه.

وفي سياق حديث زيد بن أسلم عن أمه عن حفصة زيادة على حديثه عن أبيه عن عمر كما بينته في كتاب تغليق التعليق(٥٤) فدل على أنهما طريقان محفوظان وأما رواية هشام بن سعد فإنها غير محفوظة لأنه غير ضابط"(٥٥).

۞ **الحديث الثاني: أخرجه معلقاً بصيغة الجزم في كتاب المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، تحت الحديث رقم (٤١٣١)، فقال** (رحمه الله):

"حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ القَطَّانُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الأَنْصَارِيِّ، عَنِ القَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، قَالَ: «يَقُومُ الإِمَامُ مُسْتَقْبِلَ القِبْلَةِ، وَطَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَهُ، وَطَائِفَةٌ مِنْ قِبَلِ العَدُوِّ، وُجُوهُهُمْ إِلَى العَدُوِّ، فَيُصَلِّي بِالَّذِينَ مَعَهُ رَكْعَةً، ثُمَّ يَقُومُونَ فَيَرْكَعُونَ لِأَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً، وَيَسْجُدُونَ سَجْدَتَيْنِ فِي مَكَانِهِمْ، ثُمَّ يَذْهَبُ هَؤُلاَءِ إِلَى مَقَامِ أُولَئِكَ، فَيَرْكَعُ بِهِمْ رَكْعَةً، فَلَهُ ثِنْتَانِ، ثُمَّ يَرْكَعُونَ وَيَسْجُدُونَ سَجْدَتَيْنِ» حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ القَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: مِثْلَهُ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ يَحْيَى، سَمِعَ القَاسِمَ، أَخْبَرَنِي صَالِحُ بْنُ

خَوَّاتٍ، عَنْ سَهْلٍ: حَدَّثَهُ: قَوْلَهُ، تَابَعَهُ اللَّيْثُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ القَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَهُ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ فِي غَزْوَةِ بَنِي أَنْمَارٍ(٥٦).

قلتُ: وصله البخاري في التاريخ الكبير: "وقال يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن هشام بن سعد، عن زيد بن أسلم، سمع القاسم بن محمد؛ أن النبي ﷺ صلى في غزوة بني أنمار.. نحوه"(٥٧).

ثانياً: حديث يحيى بن الضحّاك:

۞ أخرجه معلقاً بصيغة الجزم في كتاب الحج، باب نزول النبي ﷺ مكة، تحت الحديث رقم (١٥٩٠)، فقال (رحمه الله):

"حَدَّثَنَا الحُمَيْدِيُّ، حَدَّثَنَا الوَلِيدُ، حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الغَدِ يَوْمَ النَّحْرِ، وَهُوَ بِمِنًى: «نَحْنُ نَازِلُونَ غَدًا بِخَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ، حَيْثُ تَقَاسَمُوا عَلَى الكُفْرِ» يَعْنِي ذَلِكَ المُحَصَّبَ، وَذَلِكَ أَنَّ قُرَيْشًا وَكِنَانَةَ، تَحَالَفَتْ عَلَى بَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي عَبْدِ المُطَّلِبِ، أَوْ بَنِي المُطَّلِبِ: أَنْ لاَ يُنَاكِحُوهُمْ وَلاَ يُبَايِعُوهُمْ، حَتَّى يُسْلِمُوا إِلَيْهِمُ النَّبِيَّ ﷺ».

وَقَالَ سَلاَمَةُ، عَنْ عُقَيْلٍ، وَيَحْيَى بْنُ الضَّحَّاكِ، عَنِ الأَوْزَاعِيِّ، أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ، وَقَالاَ: بَنِي هَاشِمٍ، وَبَنِي المُطَّلِبِ، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: «بَنِي المُطَّلِبِ أَشْبَهُ»(٥٨).

قال ابن حجر: "ليس له في البخاري إلا هذا الموضع ... وطريقه هذه وصلها أبو عوانة في صحيحه، والخطيب في المدرج(٥٩)، وقد تابعه على الجزم بقوله: "بني هاشم وبني المطلب"، محمد بن مصعب عن الأوزاعي، أخرجه أحمد(٦٠) وأبو عوانة"(٦١).

وجاء من طريق الوليد « **بَنِي هَاشِمٍ، وَبَنِي المُطَّلِبِ**» من غير شكٍّ عند أحمد وابن خزيمة(٦٢).

قلتُ: فيكون هذا من حسان حديثه عن الأوزاعي، وهذا من البخاري اختيار لسماع يحيى من الأوزاعي تبعاً للإمام أحمد، والله الموفق.

المطلب الثاني: أحاديث الموثقين في شيخ عند الإمام مسلم

أولاً: حديث قرة بن عبد الرحمن:

۞ **أخرجه مقروناً مع عمرو بن الحارث، في كتاب الطلاق، باب بيع القلادة فيها خرز وذهب، تحت الحديث رقم (١٥٩١)، فقال** (رحمه الله):

"حدثني أبو الطاهر، أخبرنا ابن وهب، عن قرة بن عبد الرحمن المعافري، وعمرو بن الحارث، وغيرهما، أن عامر بن يحيى المعافري، أخبرهم، عن حنش، أنه قال: كنا مع فضالة بن عبيد في غزوة، فطارت لي ولأصحابي قلادة فيها ذهب وورق وجوهر، فأردت أن أشتريها، فسألت فضالة بن عبيد، فقال: انزع ذهبها فاجعله في كفة، واجعل ذهبك في كفة، ثم لا تأخذن إلا مثلاً بمثل، فإني سمعت رسول الله ﷺ، يقول: «**مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَلَا يَأْخُذَنَّ إِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ**»(٦٣).

ثانياً: حديث مجالد بن سعيد:

۞ **أخرجه مقروناً مع جماعةٍ في كتاب الطلاق، باب المطلقة ثلاثاً لا نفقة لها، تحت الحديث رقم (١٤٨٠)، فقال** (رحمه الله):

"حدثني زهير بن حرب، حدثنا هشيم، أخبرنا سيار، وحصين، ومغيرة، وأشعث، ومجالد، وإسماعيل بن أبي خالد، وداود، كلهم عن الشعبي، في حديث فاطمة بنت قيس: «**فَلَمْ يَجْعَلْ لِي سُكْنَى، وَلَا نَفَقَةً، وَأَمَرَنِي أَنْ أَعْتَدَّ فِي بَيْتِ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ**»(٦٤).

ثالثاً: حديث هشام بن سعد:

تقدم أنّ الإمام مسلم أخرج له أحد عشر حديثاً، لكن كلها في المتابعات.

۞ **الحديث الأول: أخرجه الإمام مسلم متابعةً في كتاب الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية، تحت الحديث رقم (٣٠٢)، فقال** (رحمه الله):

"وحدثني سويد بن سعيد، قال: حدثني حفص بن ميسرة، عن زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أبي سعيد الخدري، أن ناسا في زمن رسول الله ﷺ قالوا: يا رسول الله، هل نرى ربنا يوم القيامة؟ قال رسول الله ﷺ: «نَعَمْ» قَالَ: «**هَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ بِالظَّهِيرَةِ صَحْوًا لَيْسَ مَعَهَا سَحَابٌ؟ وَهَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ صَحْوًا لَيْسَ فِيهَا سَحَابٌ؟**»...

قال مسلم: قرأت على عيسى بن حماد زغبة المصري هذا الحديث في الشفاعة، وقلت له: أحدث بهذا الحديث عنك أنك سمعت من الليث بن سعد، فقال: نعم، قلت لعيسى بن حماد: أخبركم الليث بن سعد، عن خالد بن يزيد، عن سعيد بن أبي هلال، عن زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أبي سعيد الخدري، أنه قال: قلنا: يا رسول الله، أنرى ربنا؟ قال رسول الله ﷺ: «**هَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ إِذَا كَانَ يَوْمٌ صَحْوٌ**» قلنا: لا، وسقت الحديث حتى انقضى آخره وهو نحو حديث حفص بن ميسرة، وزاد بعد قوله بغير عمل عملوه، ولا قدم قدموه، فيقال لهم: «**لَكُمْ مَا رَأَيْتُمْ وَمِثْلُهُ مَعَهُ**»، قال أبو سعيد: بلغني أن الجسر أدق من الشعرة، وأحد من السيف، وليس في حديث الليث، فيقولون: ربنا أعطيتنا ما لم تعط أحدا من العالمين وما بعده "، فأقر به عيسى بن حماد.

وحدثناه أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا جعفر بن عون، حدثنا هشام بن سعد، حدثنا زيد بن أسلم بإسنادهما نحو حديث حفص بن ميسرة إلى آخره، وقد زاد ونقص شيئاً"(٦٥).

قال النووي: "ومراد مسلم (رحمه الله) أنّ زيد بن أسلم رواه عن عطاء عن أبي سعيد، ورواه عن زيد ثلاثة من أصحابه حفص بن ميسرة، وسعيد بن أبي

هلال، وهشام بن سعد... وأمّا روايه هشام من حيث الإسناد فهي بإسناديهما، ومن حيث المتن نحو حديث حفص، والله أعلم"[٦٦].

قلتُ: هذا من صحيح حديثه من غير طريق زيد بن أسلم، والله الموفق.

۞ **الحديث الثاني: أخرجه الإمام مسلم متابعةً في كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، تحت الحديث رقم (٩٨٧)، فقال (رحمه الله):**

"وحدثني سويد بن سعيد، حدثنا حفص يعني ابن ميسرة الصنعاني، عن زيد بن أسلم، أن أبا صالح ذكوان، أخبره أنه سمع أبا هريرة، يقول: قال رسول الله ﷺ: «**مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ، لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ...** ».

وحدثني يونس بن عبد الأعلى الصدفي، أخبرنا عبد الله بن وهب، حدثني هشام بن سعد، عن زيد بن أسلم، في هذا الإسناد بمعنى حديث حفص بن ميسرة، إلى آخره، غير أنه قال: «**مَا مِنْ صَاحِبِ إِبِلٍ لَا يُؤَدِّي حَقَّهَا**» ولَم يَقُل: «**مِنْهَا حَقَّهَا**» وذكر فيه «**لَا يَفْقِدُ مِنْهَا فَصِيلاً وَاحِدًا**» وقال: «**يُكْوَى بِهَا جَنْبَاهُ وَجَبْهَتُهُ وَظَهْرُهُ**»[٦٧].

قلتُ: له متابعات أوردها الإمام مسلم بعد هذا الحديث[٦٨]، فدلت على أنّ هذا من صحيح حديث هشام بن سعد عن زيد بن أسلم.

۞ **الحديث الثالث: أخرجه الإمام مسلم متابعةً في كتاب الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، تحت الحديث رقم (١٠١٤)، فقال (رحمه الله):**

"حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا يعقوب يعني ابن عبد الرحمن القاري، عن سهيل، عن أبيه، عن أبي هريرة، أن رسول الله ﷺ، قال: «**لَا يَتَصَدَّقُ أَحَدٌ بِتَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ، إِلَّا أَخَذَهَا اللهُ بِيَمِينِهِ...** ».

وحدثني أمية بن بسطام، حدثنا يزيد يعني ابن زريع، حدثنا روح بن القاسم، ح وحدثنيه أحمد بن عثمان الأودي، حدثنا خالد بن مخلد، حدثني سليمان يعني ابن بلال، كلاهما عن سهيل، بهذا الإسناد، في حديث روح «**مِنَ الْكَسْبِ الطَّيِّبِ فَيَضَعُهَا فِي حَقِّهَا**» وفي حديث سليمان «**فَيَضَعُهَا فِي مَوْضِعِهَا**».

وحدثنيه أبو الطاهر، أخبرنا عبد الله بن وهب، أخبرني هشام بن سعد، عن زيد بن أسلم، عن أبي صالح، عن أبي هريرة، عن النبي ﷺ، نحو حديث يعقوب، عن سهيل"[٦٩].

قلتُ: هذا من صحيح حديثه من طريق زيد بن أسلم، والله الموفق.

۞ **الحديث الرابع: أخرجه الإمام مسلم متابعةً في كتاب الصيام، باب التخيير في الصوم والفطر في السفر، تحت الحديث رقم (١١٢٢)، فقال (رحمه الله):**

"حدثنا عبد الله بن مسلمة القعنبي، حدثنا هشام بن سعد، عن عثمان بن حيان الدمشقي، عن أم الدرداء، قالت: قال أبو الدرداء: «**لَقَدْ رَأَيْتُنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فِي يَوْمٍ شَدِيدِ الْحَرِّ، حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ لَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ، وَمَا مِنَّا أَحَدٌ صَائِمٌ، إِلَّا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ**»[٧٠].

قلتُ: لم ينفرد به هشام بل وافقه عليه الثقات، من غير طريق زيد بن أسلم. فقد ذكره مسلم متابعةً لحديثٍ جاء قبله من طريق الوليد بن مسلم عن سعيد بن عبد العزيز، عن إسماعيل بن عبيد الله به، بنحوه[٧١].

وأخرج البخاري من طريق عبد الرحمن بن زيد بن جابر، أنّ إسماعيل بن عبيد الله حدّثه عن أمِّ الدرداء، عن أبي الدرداء به، بنحوه[٧٢].

قلتُ: هذا من صحيح حديثه من غير طريق زيد بن أسلم، والله الموفق.

۞ الحديث الخامس: أخرجه الإمام مسلم متابعةً في كتاب البيوع، باب كراء الأرض، تحت الحديث رقم (١٥٣٦)، فقال (رحمه الله):

"حدثني أبو الطاهر، وأحمد بن عيسى، جميعاً عن ابن وهب، قال ابن عيسى: حدثنا عبد الله بن وهب، حدثني هشام بن سعد، أن أبا الزبير المكي، حدثه، قال: سمعت جابر بن عبد الله، يقول: كنا في زمان رسول الله ﷺ نأخذ الأرض بالثلث أو الربع بالماذيانات، فقام رسول الله ﷺ في ذلك فقال: «**مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا، فَإِنْ لَمْ يَزْرَعْهَا فَلْيَمْنَحْهَا أَخَاهُ، فَإِنْ لَمْ يَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَلْيُمْسِكْهَا**»(٧٣).

قلتُ: ذكره الإمام مسلم متابعةً ضمن طرق حديث جابر رضي الله عنه «**أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ**». من طريق أبي خيثمة عن أبي الزبير عن جابر، ومن طريق زهير حدثنا أبو الزبير عن جابر به بنحوه، ومن طريق أيوب عن أبي الزبير، عن جابر به بنحوه.

وأخرج البخاري من طريق ابن عيينه، عن ابن جريج، عن عطاء، عن جابر به بنحوه(٧٤).

قلتُ: هذا من صحيح حديثه من غير طريق زيد بن أسلم، والله الموفق.

۞ الحديث السادس: أخرجه الإمام مسلم متابعةً في كتاب الوصية، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، تحت الحديث رقم (١٦٢٧)، فقال (رحمه الله):

"حدثنا أبو خيثمة زهير بن حرب، ومحمد بن المثنى العنزي، واللفظ لابن المثنى، قالا: حدثنا يحيى وهو ابن سعيد القطان، عن عبيد الله، أخبرني نافع، عن ابن عمر، أن رسول الله ﷺ قال: «**مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ، إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ**».

وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا عبدة بن سليمان، وعبد الله بن نمير، ح وحدثنا ابن نمير، حدثني أبي، كلاهما عن عبيد الله، بهذا الإسناد، غير أنهما قالا: «**وَلَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ**»، ولم يقولا: «**يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ**».

وحدثنا أبو كامل الجحدري، حدثنا حماد يعني ابن زيد، ح وحدثني زهير بن حرب، حدثنا إسماعيل يعني ابن علية، كلاهما عن أيوب، ح وحدثني أبو الطاهر، أخبرنا ابن وهب، أخبرني يونس، ح وحدثني هارون بن سعيد الأيلي، حدثنا ابن وهب، أخبرني أسامة بن زيد الليثي، ح وحدثنا محمد بن رافع، حدثنا ابن أبي فديك، أخبرنا هشام يعني ابن سعد، كلهم عن نافع، عن ابن عمر، عن النبي ﷺ بمثل حديث عبيد الله، وقالوا جميعا: «**لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ**»، إلا في حديث أيوب، فإنه قال: «**يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ**»، كرواية يحيى، عن عبيد الله"(٧٥).

قلتُ: هذا من صحيح حديثه من غير طريق زيد بن أسلم، والله الموفق.

۞ **الحديث السابع: أخرجه الإمام مسلم متابعةً في كتاب الإمارة، باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة إلى الكفر، تحت الحديث رقم (١٨٥١)، فقال (رحمه الله):**

"حدثنا عبيد الله بن معاذ العنبري، حدثنا أبي، حدثنا عاصم وهو ابن محمد بن زيد، عن زيد بن محمد، عن نافع، قال: جاء عبد الله بن عمر إلى عبد الله بن مطيع حين كان من أمر الحرة ما كان، زمن يزيد بن معاوية، فقال: اطرحوا لأبي عبد الرحمن وسادة، فقال: إني لم آتك لأجلس، أتيتك لأحدثك حديثا سمعت رسول الله ﷺ يقوله: سمعت رسول الله ﷺ يقول: «**مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ، لَقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً**».

وحدثنا ابن نمير، حدثنا يحيى بن عبد الله بن بكير، حدثنا ليث، عن عبيد الله بن أبي جعفر، عن بكير بن عبد الله بن الأشج، عن نافع، عن ابن عمر، أنه أتى ابن مطيع، فذكر عن النبي ﷺ نحوه.

حدثنا عمرو بن علي، حدثنا ابن مهدي، ح وحدثنا محمد بن عمرو بن جبلة، حدثنا بشر بن عمر، قالا جميعا: حدثنا هشام بن سعد، عن زيد بن أسلم، عن أبيه، عن ابن عمر، عن النبي ﷺ بمعنى حديث نافع، عن ابن عمر"(٧٦).

قلتُ: هو من صحيح حديثه من طريق زيد بن أسلم، والله الموفق.

۞ **الحديث الثامن والتاسع: أخرجه الإمام مسلم متابعةً في كتاب اللباس والزينة، باب النهي عن الجلوس في الطرقات وإعطاء الطريق حقه، تحت الحديث رقم (٢١٢١)، فقال (رحمه الله):**

"حدثني سويد بن سعيد، حدثني حفص بن ميسرة، عن زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أبي سعيد الخدري، عن النبي ﷺ قال: «**إِيَّاكُمْ وَالجُلُوسَ بِالطُّرُقَاتِ**» قالوا: يا رسول الله ما لنا بد من مجالسنا نتحدث فيها، قال رسول الله ﷺ: «**فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ**»، قالوا: وما حقه؟، قال: «**غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ**».

وحدثناه يحيى بن يحيى، أخبرنا عبد العزيز بن محمد المدني، (ح) وحدثناه محمد بن رافع، حدثنا ابن أبي فديك، أخبرنا هشام يعني ابن سعد كلاهما، عن زيد بن أسلم بهذا الإسناد مثله"(٧٧).

قلتُ: لمسلم طريقان لهشام بن سعد كما هو ظاهر، متابعةً لحفص بن ميسرة عن زيد بن أسلم، كذا أخرجه البخاري(٧٨). ومن طريق زهير، عن زيد بن أسلم به بنحوه(٧٩). فهذا من صحيح حديث هشام بن سعد من طريق زيد بن أسلم، والله الموفق.

۞ **الحديث العاشر: أخرجه الإمام مسلم متابعةً في كتاب السلام، باب الطيرة والفأل وما يكون فيه من الشؤم، تحت الحديث رقم (٢٢٢٦)، فقال** (رحمه الله):

"وحدثنا عبد الله بن مسلمة بن قعنب، حدثنا مالك، عن أبي حازم، عن سهل بن سعد، قال: قال رسول الله ﷺ: «**إِنْ كَانَ، فَفِي الْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ وَالْمَسْكَنِ**». يَعْنِي الشُّؤْمَ.

وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا الفضل بن دكين، حدثنا هشام بن سعد، عن أبي حازم، عن سهل بن سعد، عن النبي ﷺ بمثله"(٨٠).

قلتُ: هو من صحيح حديثه من غير طريق زيد بن أسلم، والله الموفق.

۞ **الحديث الحادي عشر: أخرجه الإمام مسلم متابعةً في كتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن لعن الدوابّ وغيرها، تحت الحديث رقم (٢٥٩٨)، فقال** (رحمه الله):

"حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا معاوية بن هشام، عن هشام بن سعد، عن زيد بن أسلم، وأبي حازم، عن أم الدرداء، عن أبي الدرداء، سمعت رسول الله ﷺ، يقول: «**إِنَّ اللَّعَّانِينَ لَا يَكُونُونَ شُهَدَاءَ، وَلَا شُفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ**»(٨١).

له متابعات من طريق معمر، عن زيد بن أسلم(٨٢). وإسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين. ومن طريق حفص بن ميسرة،عن زيد بن أسلم(٨٣). ومن طريق محمد بن جعفر قال: أخبرني زيد بن أسلم(٨٤).

قلتُ: هو من صحيح حديثه من غير طريق زيد بن أسلم، والله الموفق.

المطلب الثالث: أحاديث الموثقين في شيخ عند الإمام النسائي

أخرج الإمام النسائي لواحدٍ من الرواة الضعفاء الموثقين في شيخ، هو: هشام بن سعد. وأخرج له حديثاً واحداً. ويشار إلى أنّ النسائي ضعّف هشام بن

سعد، والله الموفق.

۞ حديث هشام بن سعد، أخرجه الإمام النسائي مقروناً بعمرو بن الحارث[٨٥]، في كتاب قطع السارق، باب الثمر يسرق بعد أن يؤويه الجرين، الحديث رقم (٤٩٥٩). قال (رحمه الله):

"قال الحارث بن مسكين، قراءة عليه وأنا أسمع، عن ابن وهب، قال: أخبرني عمرو بن الحارث، وهشام بن سعد، عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده عبد الله بن عمرو، أن رجلا من مزينة أتى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! كيف ترى في حريسة الجبل؟ فقال: «**هِيَ وَمِثْلُهَا وَالنَّكَالُ وَلَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنَ الْمَاشِيَةِ قَطْعٌ، إِلَّا فِيمَا آوَاهُ الْمُرَاحُ، فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ، فَفِيهِ قَطْعُ الْيَدِ، وَمَا لَمْ يَبْلُغْ ثَمَنَ الْمِجَنِّ، فَفِيهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَجَلَدَاتُ نَكَالٍ**». قال: يا رسول الله! كيف ترى في الثمر المعلق؟ قال: «**هُوَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ، وَالنَّكَالُ وَلَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنَ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ قَطْعٌ، إِلَّا فِيمَا آوَاهُ الْجَرِينُ، فَمَا أُخِذَ مِنَ الْجَرِينِ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَفِيهِ الْقَطْعُ، وَمَا لَمْ يَبْلُغْ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَفِيهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَجَلَدَاتُ نَكَالٍ**»[٨٦].

قال الحاكم: "هذه سنة تفرد بها عمرو بن شعيب بن محمد، عن جده عبد الله بن عمرو بن العاص. إذا كان الراوي عن عمرو بن شعيب ثقة، فهو كأيوب، عن نافع، عن ابن عمر"[٨٧].

قلتُ: هو من صحيح حديثه عن غير طريق زيد بن أسلم، والله الموفق.

أهم النتائج التي توصلت إليها:

أولاً: أخرج الإمام البخاري لراويين فقط من الرواة الضعفاء الموثقين في شيخ، ولم يخرج عنهما إلاّ نادراً، ثلاثة أحاديث فقط: اثنان لهشام، وواحد ليحيى بن الضحاك، أخرجها لهما تعليقاً بصيغة الجزم، وهي صحيحة.

ثانياً: أخرج الإمام مسلم لثلاثة منهم، ولم يخرج عنهم إلاّ نادراً أيضاً، حيث بلغ مجموع ما أخرجه لهم ثلاثة عشر حديثاً: حديثاً واحداً لقرة بن عبد الرحمن، وحديثاً واحداً لمجالد بن سعيد، وأحد عشر حديثاً لهشام بن سعد:

(١) حديث قرة بن عبد الرحمن: أخرجه مقروناً مع عمرو بن الحارث، في كتاب الطلاق، باب بيع القلادة فيها خرز وذهب، تحت الحديث رقم (١٥٩١).

(٢) حديث مجالد بن سعيد: أخرجه مقروناً مع جماعةٍ في كتاب الطلاق، باب المطلقة ثلاثاً لا نفقة لها، تحت الحديث رقم (١٤٨٠).

(٣) حديث هشام بن سعد: أخرج له أحد عشر حديثاً، كلها في المتابعات. منها سبعة أحاديث من صحيح حديثه من طريق زيد بن أسلم، وأربعة أحاديث من صحيح حديثه من غير طريق زيد بن أسلم، والله الموفق.

ثالثاً: أخرج الإمام النسائي لواحدٍ منهم، هو: هشام بن سعد. أخرج له حديثاً واحداً. ويشار إلى أنّ النسائي ضعّفه.

رابعاً: الشيخان والنسائي يعدّون مقلين في روايتهم عن هؤلاء الضعفاء، ومردّ ذلك عند الشيخين اشتراط الصحة، وعند النسائي شرطه في الرجال، والله الموفق.

الهوامش والإحالات

(١) التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الأباطيل (٦٩٢/٢).

(٢) الموقظة للذهبي (ص: ٧٩-٨١).

(٣) هدي الساري (ص:٣٨١)

(٤) صيانة صحيح مسلم: لابن الصلاح (ص: ٩٦-٩٧).

(٥) شروط الأئمة الستة، لابن طاهر (ص: ١٠٤).

(٦) النكت على كتاب ابن الصلاح لابن حجر (١/ ٧٥).

(٧) أخرجه ابن طاهر في "شروط الأئمة الستة "(ص: ١٠٤) وإسناده صحيح.

(٨) سؤالات السلمي (النص: ٣٣).

(٩) شرح علل الترمذي (١/ ٣٩٨).

(١٠) انظر: النكت على كتاب ابن الصلاح لابن حجر (١/ ٧٥)، وتحرير علوم الحديث للجديّع (٢/ ٨٦٣).

(١١) انظر مقدمة الحافظ السيوطي لشرحه على النسائي المسمى زهر الربى على المجتبى (٤/١).

(١٢) سير أعلام النبلاء ط الرسالة (١٤/ ١٣٣).

(١٣) راجع: شرح علل الترمذي لابن رجب (٧٣٢/٢).

(١٤) انظر: منهج الإمام البخاري لأبي بكر كافي (ص: ١٤٤-١٤٨).

(١٥) انظر: "التجريح والتعديل النسبي في نقد الرواة" للدكتور يحيى محمود القضاة، كلية الفكر الإسلامي والدعوة والعقيدة الإسلامية في جامعة صدّام للعلوم الإسلامية، عام ١٤٢٣هـ/٢٠٠٢م. و"الرواة الضعفاء الموثقون نسبياً ومنهج الرواية عنهم في الكتب الستة" للدكتورمحمد عودة أحمد الحوري كلية الشريعة في جامعة اليرموك – إربد الأردن، عام ١٤٢٦هـ/٢٠٠٥م.

(١٦) انظر ترجمته في: تهذيب التهذيب (٣٧٣/٨). وتقريب التهذيب (ص: ٥١٩).

(١٧) في موضع واحد من السنن الكبرى للنسائي (١٠/ ٤١٧) رقم (١١٨٩٩)، وليس له رواية في المجتبى.

(١٨) الضعفاء الكبير للعقيلي (٤٨٥/٣).

(١٩) الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (١٣٢/٧).

(٢٠) الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (١٣٢/٧).

(٢١) الثقات لابن حبان (٣٤٣/٧).

(٢٢) مشاهير علماء الأمصار لابن حبان (ص: ٣٠١).

(٢٣) تهذيب التهذيب (٣٧٣/٨).

(٢٤) الكامل في ضعفاء الرجال (١٨٤/٧).

(٢٥) انظر ترجمته في: التاريخ الكبير للبخاري بحواشي المطبوع (٩/٨). والكامل في ضعفاء الرجال (١٦٩/٨). والجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٣٦١/٨). والمجروحين لابن حبان (١٠/٣).

(٢٦) التاريخ الكبير للبخاري بحواشي المطبوع (٩/٨).

(٢٧) الكامل في ضعفاء الرجال (١٦٩/٨).

(٢٨) الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٣٦١/٨).

(٢٩) الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٣٦١/٨).

(٣٠) المجروحين لابن حبان (١٠/٣).

(٣١) انظر ترجمته في:الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٦١/٩). وسؤالات أبي داود للإمام أحمد (ص:٢٢٠). وتاريخ ابن معين رواية الدوري (١٩٥/٣). والضعفاء والمتروكون للنسائي (ص: ١٠٤). والكامل في ضعفاء الرجال (٤١١/٨). والمجروحين لابن حبان (٨٩/٣). وتهذيب التهذيب (٣٧/١١). وتقريب التهذيب (ص: ٥٧٢).

(٣٢) الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٦١/٩).

(٣٣) سؤالات أبي داود للإمام أحمد (ص: ٢٢٠).

(٣٤) تاريخ ابن معين - رواية الدوري (١٩٥/٣).

(٣٥) الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٦١/٩).

(٣٦) تهذيب التهذيب (٣٧/١١).

(٣٧) الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٦٢/٩).

(٣٨) الضعفاء والمتروكون للنسائي (ص: ١٠٤).

(٣٩) الكامل في ضعفاء الرجال (٤١١/٨).

(٤٠) تهذيب التهذيب (٣٧/١١).

(٤١) المجروحين لابن حبان (٨٩/٣).

(٤٢) انظر ترجمته في: الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة (٣٦٩/٢). وتقريب التهذيب (ص: ٥٩٣).

(٤٣) أخرج له النسائي في السنن الكبرى (٩/٣٣٧) برقم (١٠٦٩٠) وأعله بالاختلاف على الأوزاعي فيه، وبرقم (١٠٦٩٢) وأعله أيضاً بالاختلاف على عبيد الله بن عمر.

(٤٤) الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٩/١٦٤).

(٤٥) الكامل في ضعفاء الرجال (٩/١١٩).

(٤٦) التاريخ الكبير للبخاري بحواشي محمود خليل (٨/٢٨٨).

(٤٧) سير أعلام النبلاء ط الحديث (٨/٣٩٩).

(٤٨) الكامل في ضعفاء الرجال (٩/١٢٠).

(٤٩) المجروحين لابن حبان (٣/١٢٧).

(٥٠) صحيح البخاري (٣/٢٣).

(٥١) الطبقات الكبرى ط العلمية (٣/٢٥٢).

(٥٢) فتح الباري لابن حجر (٤/١٠١).

(٥٣) الإلزامات والتتبع للدارقطني (ص: ٢٦٥).

(٥٤) تغليق التعليق (٣/١٣٧).

(٥٥) فتح الباري لابن حجر (١/٣٥٨).

(٥٦) صحيح البخاري (٥/١١٤).

(٥٧) التاريخ الكبير للبخاري بحواشي محمود خليل (٤/٢٧٦).

(٥٨) صحيح البخاري (٢/١٤٨).

(٥٩) الفصل للوصل المدرج في النقل (٢/٦٩٦).

(٦٠) مسند أحمد ط الرسالة (١٦/٥٦٩) رقم (١٠٩٦٩).

(٦١) فتح الباري لابن حجر (٣/٤٥٣).

(٦٢) مسند أحمد ط الرسالة (١٢/١٨٠) رقم (٧٢٤٠)، وصحيح ابن خزيمة (٤/٣٢١) رقم (٢٩٨١).

(٦٣) صحيح مسلم (٣/١٢١٤).

(٦٤) صحيح مسلم (٢/١١١٧).

(٦٥) صحيح مسلم (١/١٦٧-١٧١).

(٦٦) شرح النووي على مسلم (٣/٣٥).

(٦٧) صحيح مسلم (٢/٦٨٠-٦٨٢).

(٦٨) صحيح مسلم (٦٨٢/٢) رقم (٩٨٧).

(٦٩) صحيح مسلم (٧٠٢/٢).

(٧٠) صحيح مسلم (٧٩٠/٢).

(٧١) صحيح مسلم (٧٩٠/٢) رقم (١١٢٢).

(٧٢) صحيح البخاري (٣٤/٣) رقم (١٩٤٥).

(٧٣) صحيح مسلم (١١٧٧/٣).

(٧٤) صحيح البخاري (١١٥/٣) رقم (٢٣٨١).

(٧٥) صحيح مسلم (١٢٤٩/٣).

(٧٦) صحيح مسلم (١٤٧٨/٣-١٤٧٩).

(٧٧) صحيح مسلم (١٦٧٥/٣).

(٧٨) صحيح البخاري (١٣٢/٣) رقم (٢٤٦٥).

(٧٩) صحيح البخاري (٥١/٨) رقم (٦٢٢٩).

(٨٠) صحيح مسلم (١٧٤٨/٤).

(٨١) صحيح مسلم (٢٠٠٦/٤).

(٨٢) مسند أحمد ط الرسالة (٥١٧/٤٥).

(٨٣) صحيح ابن حبان (٥٦/١٣).

(٨٤) الأدب المفرد للبخاري (ص: ١١٧).

(٨٥) ثقة فقيه حافظ، انظر ترجمته في: تهذيب التهذيب (٨ / ١٦)، وتقريب التهذيب (ص: ٤١٩).

(٨٦) سنن النسائي (٨ / ٨٥).

(٨٧) المستدرك على الصحيحين للحاكم (٤ / ٤٢٣).

المصادر والمراجع

(١) الأدب المفرد: لأبي عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة البخاري، (المتوفى: ٢٥٦هـ)، حققه وقابله على أصوله: سمير بن أمين الزهيري، نشر: مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، (١٤١٩هـ/١٩٩٨م).

(٢) الإلزامات والتتبع للدارقطني: أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (المتوفى: ٣٨٥هـ)، دراسة وتحقيق: الشيخ أبو عبد الرحمن مقبل بن هادي الوداعي، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان، الطبعة: الثانية، (١٤٠٥هـ - ١٩٨٥م).

(٣) تاريخ ابن معين (رواية الدوري): ليحيى بن معين أبو زكريا (١٥٨هـ/٢٣٣هـ)، تحقيق د. أحمد محمد نور سيف، نشر مركز البحث العلمي وإحياء التراث الإسلامي، سنة (١٣٩٩هـ - ١٩٧٩م)، مكة المكرمة.

(٤) تغليق التعليق على صحيح البخاري: لأبي الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: ٨٥٢هـ)، المحقق: سعيد عبد الرحمن موسى القزقي، الناشر: المكتب الإسلامي ، دار عمار - بيروت ، عمان – الأردن، الطبعة الأولى، ١٤٠٥هـ.

(٥) تقريب التهذيب: للحافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (ت: ٨٥٢ هـ)، دراسة وتحقيق: مصطفى عبد القادر عطا، طبعة دار المكتبة العلمية بيروت – لبنان.

(٦) تهذيب التهذيب: للامام الحافظ شيخ الاسلام شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (ت: ٥٢٨ هـ)، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، الطبعة الاولى (١٤٠٤هـ/١٩٨٤م).

(٧) تهذيب الكمال: يوسف بن الزكي عبدالرحمن أبو الحجاج المزي، تحقيق: د. بشار عواد معروف، نشر مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى (١٤٠٠ هـ/١٩٨٠م)، بيروت.

(٨) التاريخ الكبير: لأبي عبد الله محمد بن اسماعيل بن ابراهيم الجعفي البخاري (ت٢٥٦هـ/٨٦٩م)، تحقيق عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى (١٤٢٢هـ/٢٠٠٢م)، بيروت.

(٩) الثقات: محمد بن حبان بن أحمد أبو حاتم التميمي البستي، تحقيق السيد شرف الدين أحمد، نشر دار الفكر الطبعة الأولى (١٣٩٥ — ١٩٧٥م)، بيروت.

(١٠) التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الأباطيل: عبد الرحمن بن يحيى بن علي بن محمد المعلمي العتمي اليماني (المتوفى: ١٣٨٦هـ)، مع تخريجات وتعليقات: محمد ناصر الدين الألباني - زهير الشاويش - عبد الرزاق حمزة، الناشر: المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية، (١٤٠٦هـ-١٩٨٦م).

(١١) جامع الترمذي: لمحمد بن عيسى أبو عيسى التِرْمِذيّ السلمي، تحقيق: أحمد محمد شاكر وآخرون، نشر دار إحياء التراث العربي، بيروت.

(١٢) الجامع الصحيح المختصر: لمحمد بن إسماعيل أبي عبدالله البخاري الجعفي، تحقيق: د. مصطفى ديب البغا، دار ابن كثير، الطبعة الثالثة، (١٤٠٧هـ/١٩٨٧م)، بيروت.

(١٣) الجرح والتعديل: لابي محمد عبد الرحمن بن ابى حاتم محمد بن ادريس بن المنذر التميمي الحنظلي الرازي (ت: ٣٢٧ هـ)، الطبعة الاولى مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدرآباد الدكن - الهند سنة (١٣٧١هـ ١٩٥٢م)، دار إحياء التراث العربي بيروت.

(١٤) سؤالات أبي داود للإمام أحمد بن حنبل في جرح الرواة وتعديلهم: لأبي عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: ٢٤١هـ)، تحقيق: د. زياد محمد منصور، نشر: مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة، الطبعة الأولى، ١٤١٤هـ.

(١٥) سير أعلام النبلاء: لشمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايْماز الذهبي (ت٧٤٨هـ)، تحقيق مجموعة من المحققين بإشراف الشيخ شعيب الأرناؤوط، نشر مؤسسة الرسالة، الطبعة الثالثة (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م)، بيروت — لبنان.

(١٦) السنن الكبرى: لأحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبي بكر البيهقي (المتوفى: ٤٥٨هـ)، تحقيق: محمد عبد القادر عطا، نشر: دار الكتب العلمية، بيروت — لبنات، الطبعة الثالثة، (١٤٢٤ هـ-٢٠٠٣م).

(١٧) السنن الكبرى: أبي عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (المتوفى: ٣٠٣هـ)، تحقيق: حسن عبد المنعم شلبي، نشر: مؤسسة الرسالة – بيروت، الطبعة الأولى، (١٤٢١هـ - ٢٠٠١م).

(١٨) شرح علل الترمذي: لعبد الرحمن ابن رجب الحنبلي، تحقيق: نور الدين عتر، نشر: دار الملاح – الطبعة الأولى سنة: ١٣٩٨هـ.

(١٩) صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان: لمحمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التميمي، أبي حاتم، الدارمي، البُستي (المتوفى: ٣٥٤هـ)، تحقيق: شعيب الأرنؤوط، نشر: مؤسسة الرسالة – بيروت، الطبعة الثانية، (١٤١٤ – ١٩٩٣م).

(٢٠) صحيح ابن خزيمة: لأبي بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة بن المغيرة بن صالح بن بكر السلمي النيسابوري (المتوفى: ٣١١هـ)، المحقق: د. محمد مصطفى الأعظمي، الناشر: المكتب الإسلامي – بيروت.

(٢١) صيانة صحيح مسلم من الإخلال والغلط وحمايته من الإسقاط والسقط: لعثمان بن عبد الرحمن، أبو عمرو، تقي الدين المعروف بابن الصلاح (المتوفى: ٦٤٣هـ)، المحقق: موفق عبدالله عبدالقادر، الناشر: دار الغرب الإسلامي – بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٠٨هـ.

(٢٢) الضعفاء والمتروكون: للإمام أبي الحسن علي بن عمر الدارقطني، تحقيق: الشيخ عبدالعزيز عزالدين السيروان، نشر دار القلم الطبعة الأولى (١٤٠٥ هـ)، بيروت.

(٢٣) الضعفاء والمتروكون: للامام أحمد بن على بن شعيب النسائي (ت ٣٠٣ هـ)، تحقيق محمود ابراهيم زايد، دار المعرفة، الطبعة الاولى (١٤٠٦ هـ - ١٩٨٦ م)، بيروت – لبنان.

(٢٤) الضعفاء الكبير: لأبي جعفر محمد بن عمرو بن موسى بن حماد العقيلي المكي (المتوفى: ٣٢٢هـ)، المحقق: عبد المعطي أمين قلعجي، الناشر: دار المكتبة العلمية – بيروت، الطبعة الأولى، (١٤٠٤هـ - ١٩٨٤م).

(٢٥) الطبقات الكبرى: لأبي عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي المعروف بابن سعد (المتوفى: ٢٣٠هـ)، تحقيق: محمد عبد القادر عطا، الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت، الطبعة: الأولى، (١٤١٠هـ - ١٩٩٠م).

(٢٦) العلل لابن أبي حاتم: لأبي محمد عبد الرحمن بن محمد بن إدريس بن المنذر التميمي، الحنظلي، الرازي ابن أبي حاتم (المتوفى: ٣٢٧هـ)، تحقيق: فريق من الباحثين بإشراف وعناية د. سعد بن عبد الله الحميد و د. خالد بن عبد الرحمن الجريسي، الناشر: مطابع الحميضي، الطبعة الأولى، (١٤٢٧هـ - ٢٠٠٦م).

(٢٧) العلل الواردة في الأحاديث النبوية.: لأبي الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (المتوفى: ٣٨٥هـ)، تحقيق وتخريج: محفوظ الرحمن زين الله السلفي، نشر دار طيبة – الرياض، الطبعة الأولى (١٤٠٥هـ - ١٩٨٥م).

(٢٨) فتح الباري شرح صحيح البخاري: لأحمد بن علي بن حجر أبي الفضل العسقلاني الشافعي، ترقيم: محمد فؤاد عبد الباقي وعناية محب الدين الخطيب، نشر دار المعرفة (١٣٧٩هـ)، بيروت.

(٢٩) الفصل للوصل المدرج في النقل: لأبي بكر أحمد بن علي بن ثابت بن أحمد بن مهدي الخطيب البغدادي (المتوفى: ٤٦٣هـ)، المحقق: محمد بن مطر الزهراني، الناشر: دار الهجرة، الطبعة الأولى، (١٤١٨هـ/١٩٩٧م).

(٣٠) الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة: للامام شمس الدين أبي عبد الله محمد بن أحمد بن الذهبي الدمشقي (٦٧٣ – ٧٤٨هـ)، وحاشيته للامام برهان الدين أبي الوفاء إبراهيم بن محمد سبط ابن العجمي الحلبي (٧٥٣ - ٨٤١ هـ) رحمهما الله تعالى، تحقيق: محمد عوامة، وأحمد محمد نمر الخطيب، دار القبلة للثقافة الاسلامية مؤسسة علوم القرآن، الطبعة الأولى (١٤١٣هـ/١٩٩٢م)، جدة.

(٣١) الكامل في ضعفاء الرجال: لعبدالله بن عدي بن عبدالله بن محمد أبو أحمد الجرجاني، (٢٧٧هـ/٣٦٥هـ)، تحقيق: يحيى مختار غزاوي، دار الفكر، سنة (١٤٠٩هـ - ١٩٨٨م)، بيروت.

(٣٢) لسان الميزان: لأبي الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: ٨٥٢هـ)، تحقيق: دائرة المعرف النظامية – الهند، نشر: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت – لبنان، الطبعة الثانية، (١٣٩٠هـ/١٩٧١م).

(٣٣) مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار: لأبي بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبيد الله العتكي المعروف بالبزار (المتوفى: ٢٩٢هـ)، تحقيق: محفوظ الرحمن زين الله، (حقق الأجزاء من ١ إلى ٩)، وعادل بن سعد (حقق الأجزاء من ١٠ إلى ١٧)، وصبري عبد الخالق الشافعي (حقق الجزء ١٨)، نشر: مكتبة العلوم والحكم – المدينة المنورة، الطبعة الأولى، (بدأت ١٩٨٨م، وانتهت ٢٠٠٩م).

(٣٤) مسند أبي يعلى: لأبي يعلى أحمد بن علي بن المثُنى بن يحيى بن عيسى بن هلال التميمي، الموصلي (المتوفى: ٣٠٧هـ)، تحقيق: حسين سليم أسد، نشر: دار المأمون للتراث – دمشق، الطبعة الأولى، (١٤٠٤هـ – ١٩٨٤م).

(٣٥) مسند الإمام أحمد بن حنبل: لأبي عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: ٢٤١هـ)، المحقق: شعيب الأرنؤوط – عادل مرشد، وآخرون، بإشراف: د عبد الله بن عبد المحسن التركي، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى، (١٤٢١ هـ – ٢٠٠١ م).

(٣٦) مسند أبي داود الطيالسي: لأبي داود سليمان بن داود بن الجارود الطيالسي البصرى (المتوفى: ٢٠٤هـ)، تحقيق: الدكتور محمد بن عبد المحسن التركي، نشر: دار هجر – مصر، الطبعة الأولى، (١٤١٩هـ – ١٩٩٩م).

(٣٧) ميزان الاعتدال في نقد الرجال: لشمس الدين محمد بن أحمد الذهبي (٧٤٨هـ)، تحقيق الشيخ علي محمد معوض، والشيخ عادل أحمد عبدالموجود، نشر دار الكتب العلمية، سنة (١٩٩٥م)، مكان النشر بيروت.

(٣٨) مشاهير علماء الأمصار وأعلام فقهاء الأقطار: لمحمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البُستي (المتوفى: ٣٥٤هـ)، حققه ووثقه وعلق عليه: مرزوق على ابراهيم، نشر: دار الوفاء للطباعة والنشر والتوزيع – المنصورة، الطبعة الأولى (١٤١١ هـ – ١٩٩١م).

(٣٩) منهج الإمام البخاري في تصحيح الأحاديث وتعليلها (من خلال الجامع الصحيح): أبو بكر كافي، الناشر : دار ابن حزم بيروت، الطبعة : الأولى، (١٤٢٢هـ/٢٠٠٠م).

(٤٠) المجتبى من السنن: لأحمد بن شعيب أبو عبد الرحمن النسائي، تحقيق: عبدالفتاح أبو غدة، نشر: مكتب المطبوعات الإسلامية – حلب، الطبعة الثانية، ١٤٠٦هـ – ١٩٨٦م، حلب- سوريا.

(٤١) المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين للامام الحافظ محمد بن حبان بن احمد ابى حاتم التميمي البستي (٣٥٤هـ)، تحقيق محمود ابراهيم زايد، طبع دار المعرفة (١٤١٢هـ-١٩٩٢م)، بيروت.

(٤٢) المستدرك على الصحيحين: محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسابوري، تحقيق مصطفى عبد القادر عطا، نشر دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى (١٤١١هـ/١٩٩٠م)، بيروت – لبنان.

(٤٣) المسند الجامع الصحيح لأبي الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري: نشر دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت.

(٤٤) المسند: للإمام أحمد بن حنبل أبي عبدالله الشيباني، تحقيق شعيب الأرنؤوط، نشر مؤسسة قرطبة – القاهرة.

(٤٥) المعجم الكبير: لأبي القاسم الطبراني سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، (المتوفى: ٣٦٠هـ)، تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي، دار النشر: مكتبة ابن تيمية – القاهرة، الطبعة الثانية.

(٤٦) المغني في الضعفاء: للإمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (٦٧٣هـ/٧٤٨هـ)، تحقيق الدكتور نور الدين عتر، نشر دار الكتب العلمية، ١٩٩٧م، بيروت.

(٤٧) المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج: لأبي زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى: ٦٧٦هـ)، الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت، الطبعة الثانية، ١٣٩٢هـ.

(٤٨) الموقظة في علم مصطلح الحديث: لشمس الدين أبي عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايْماز الذهبي (المتوفى: ٧٤٨هـ)، اعتنى به: عبد الفتاح أبو غُدّة، الناشر: مكتبة المطبوعات الإسلامية بحلب، الطبعة: الثانية، ١٤١٢ هـ.

* *

زواج المسيار:حقيقته وحكمه

Nikah Misyar: its facts & rulings

د.محمد الياس*

ABSTRACT

The term "*Nikah Misyar*" (translated sometimes as "travellers' marriage" or "marriage of convenience") is not found in the Qur'an, Sunna or classical works of Islamic jurisprudence. It is a term that has been introduced recently. However, the concept can be found being discussed in the works of classical Muslim jurists (fuqaha). This is a marriage contract between a man and a woman, with the condition that the spouses give up one, two or several of their rights by their own free will.

Some people consider that the misyar marriage can meet the needs of young people whose resources are too limited to settle down. However, there have been some (Sunni) scholars and organizations that have opposed the concept of Nikah Misyar altogether. As for the Islamic ruling concerning such marriages, there are two issues to consider: 1) Validity and permissibility; and 2) Appropriateness. Different scholars gave different opnions regarding these two imporatant issues.

In this article, *Nikah/zawaj Misyar* was discussed in detail, describing different point of views and ruling in facvour and against *Nikah Misyar*.

Keywords: Nikah Misyar, marriage of convenience, travellers' marriage, marriage contract.

---

* أستاذ مساعد،قسم الحديث ،الجامعة الإسلامية العالمية، إسلام آباد

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الرسل و خاتم النبيين سيدنا محمد بن عبد الله وعلى آله وأصحابه وأزواجه الطيبين الطاهرين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين وبعد:

"زواج المسيار حقيقته وحكمه".

أما هذه الدراسة:

فتشتمل على مبحثين وخاتمة.

المبحث الأول: زواج المسيار، نشأته وأسباب دوافعه وفيه ثلاثة مطالب:

١- مفهوم المسيار

٢- نشأة زواج المسيار وظهوره

٣- أسباب ودوافع زواج المسيار

المبحث الثاني: الحكم الشرعى لزواج المسيار وآثاره وفيه ثلاثة مطالب:

١- آراء العلماء في حكم زواج المسيار

٢ - الرأي الراجح عندي في حكم زواج المسيار

٣- الايجابيات والسلبيات في زواج المسيار

خاتمة: مقترحات وتوصيات

المبحث الأول: زواج المسيار، نشأته وأسباب دوافعه

المطلب الأول: مفهوم المسيار

المسيار لغةً:

إن كلمة مسيار مشتق من السير وهو المضي في الأرض. يقال: سار يسير مسيراً وتسايراً إذا ذهب، تقول العرب: سار القوم يسيرون سيراً ومسيراً، إذا امتد بهم السير في جهة توجهوا لها، ومسيار على وزن مفعال صيغة مبالغة، يوصف بها الرجل كثير السير، تقول: رجل مسيار وسيار[1].

ويقول الشيخ عرفان حسونة: "المسيار كلمة عربية تعود إلى لهجة أهل البوادي، والمراد بها: التسيير عليها بما يعني، السير إلى المرأة من ناحية، وإدخال السرور عليها من ناحية"(٢).

ويقول الشيخ القرضاوي: "أنا لا أعرف معنى المسيار فهي ليست معجمية فيما رأيت، وإنما هي كلمة عامة دارجة في بعض بلاد الخليج، يقصدون بها:المرور وعدم المكث الطويل"(٣).

وعلى هذا فإن كلمة مسيار عربية وليست دخيلة، بينما بعض العلماء يقولون إنها دخيلة وعامية تستعمل في بعض مناطق السعودية خاصة في نجد بمعنى الزيارة النهارية، وإن كان قد يسود في بلاد أخرى تحت مسميات وأعراف أخرى(٤).

المسيار اصطلاحاً:

الفقهاء القدامى لم يتطرقوا إلي هذا النوع من الزواج فهو مأخوذ من الواقع، وقد عرف عندهم قديما نوعا آخر سموه بزواج النهاريات والليليات (٥).

ويعرفه الشيخ عبد الله بن منيع بقوله: "أنه زواج مستكمل لجميع أركانه وشروطه إلا أن الزوجين قد ارتضيا واتفقا على ألا يكون للزوجة حق في المبيت أو القسم، إنما الأمر راجع لزوج متى رغب زيارة زوجته في أي ساعة من ساعات اليوم والليلة فله ذلك"(٦).

ويقول الشيخ يوسف القرضاوي "إن زواج المسيار كما يسمى، ليس شيئاً جديداً، إنما هو أمر عرفه الناس من قديم، وهو الزواج الذي يذهب فيه الرجل إلى بيت المرأة، ولا تنتقل المرأة إلى بيت الرجل"(٧).

صورة زواج المسيار عند الدكتور أحمد الحجي الكردي:"بأن يتزوج رجل بالغ عاقل، امرأة بالغة عاقلة تحل له شرعاً، على مهر معلوم بشهود مستوفين لشروط الشهادة، على أن لا يبيت عندها ليلاً، إلا قليلا وأن لا ينفق عليها سواء كان ذلك بشرط مذكور في العقد، أو بشرط ثابت بالعرف، أو بقرائن

الأحوال"[٨].

وكذلك قال الدكتور إبراهيم الخضري عن زواج المسيار: "إنه معروف قديماً في المملكة العربية السعودية، ويسمونه في منطقة نجد "الضحوية" بمعنى أن الرجل يتزوج المرأة، ولا يأتي إليها إلا ضحى، وهذا منذ خمسين سنة تقريباً "[٩].

ويقول الشيخ عرفان حسونة: "وزواج المسيار يتم بعقد شرعي، ومهر متفق عليه بين الزوجين، لكنه يعفى من شيئين أساسيين، لا تقوم دعائم البيت إلا بهما، وهما إعفاء الرجل من حق النفقة على الزوجة، وإعفاؤه من حقها من المبيت عندها"[١٠].

ومن خلال التعريفات السابقة لزواج المسيار يكون تعريفه ومفهومه هو:

صورة للزواج الشرعي المستوفي للأركان والشروط المتعارف عليها عند جمهور الفقهاء، لكنه يتضمن تنازل الزوجة عن بعض حقوقها الشرعية على الزوج.

وقد سُمِّي هذا النوع من الزواج "مسياراً"، لأن الرجل يذهب إلى زوجته غالباً في زيارات نهارية، شبيهة بما يكون من زيارات الجيران أو...، لأن المتزوج لا يلتزم بجميع الحقوق الزوجية التي يلزمه بها الشرع، فكأنه زواج الساير أو الماشي الذي يتخفف في سيره من الأثقال والمتاعب، فالمسيار إذن هو زواج المرور وعدم المكث الطويل.

المطلب الثاني: نشأة زواج المسيار وظهوره

بمراجعة كتب الفقه يلاحظ أن زواج المسيار وقع قديما ولكن ليس بهذا الاسم، بل هناك حالات مشابهة لمثل هذا الزواج قديماً، ولذلك نجد كتب الفقه القديمة تتحدث عن شرط إسقاط النفقة والقسم حيث عرض ابن قدامة في المغني حالات تشابه هذا النوع من الزواج فعرض حالة لرجل تزوج امرأة وشرط عليها أن يبيت عندها في كل جمعة ليلة، وآخر تزوج امرأة وشرط عليها أن تنفق عليه كل شهر خمسة أو عشرة دراهم، وآخر يتزوجها على أن يجعل لها في الشهر أياماً

معلومة[١١].

فليس هناك فرق غير التسمية بين ما ورد في كتب الفقه القديمة وبين زواج المسيار الحالي.

فقد عرف هذا النوع من الزواج بهذه الصورة منذ سنوات عديدة، وأنه لم يمض وقت طويل على نشأته وظهوره فقد ظهر لأول مرة في المملكة العربية السعودية بمنطقة القصيم، ثم انتشر في المنطقة الوسطى، والظاهر أن الذي ابتدع هذه الفكرة وسيط الزواج، يدعى فهد الغنيم، وكان سبب ابتداعه تزويج النسوة اللاتي فاتهن قطار الزواج الطبيعي، أو المطلقات اللاتي فشلن في زواجهن السابق[١٢].

وقد ذكر أحد كبار السن أن هذا الزواج كانت له صورة مشابهة عندهم من عشرات السنين، وكانوا يسمونه الزواج السري أو الخفي، ويسمونه كذلك زواج الخميس حيث يذهب الزوج إلى هذه الزوجة يوم الخميس وباقي الأيام عند زوجته الأولى، وذكر حفظه الله عن بعض النساء أنها تذكر عن زوجها في السابق أنه كان متزوجاً بأخرى يذهب إليها في أوقات متفاوتة وغير محدودة ولم تعلم بهذا إلا بعد سنين، وبعد ما دخل أولاده منها المدرسة، وأضاف إنه كان يحدث مثل هذا الزواج في أيام الترحال والسفر والتجارة، فقد كان التجار يذهب إلى بلد من البلدان البعيدة، ونظراً لأنه سيمكث مدة طويلة هناك فإنه يتزوج في هذا البلد وعند رحيله يترك زوجته عند أهلها، ينفقون هم عليها، ويخبرهم بأنه سوف يعود إليهم إذا جاء إلى هذه البلاد مرة ثانية، ولا يحدد لهم موعد الرجوع، فتبقى عند أهلها حتى يعود، وربما يرزق بأولاد منها.

وفي هذا الصدد يقول الشيخ يوسف القرضاوي:

"وكان الناس في قطر وبلاد الخليج أيام الغوص يتغربون عن وطنهم وأهليهم بأشهر، وبعضهم كان يتزوج في بعض البلاد الأفريقية والآسيوية التي

يذهب إليها، ويقيم مع المرأة الفترة التي يبقى فيها في تلك البلدة، التي تكون عادة على شاطئ البحر، ويتركها ويعود إلى بلده، ثم يعود إليها مرة أخرى إن تيسر له السفر"(١٣).

المطلب الثالث: أسباب ودوافع زواج المسيار

الأسباب التي دعت إلى زواج المسيار وانتشاره في ما بين المسلمين كثيرة، وبعض هذه الأسباب تعود إلى النساء، وبعضها الآخر يرجع إلى الرجال ومنها ما يتعلق بالمجتمع نفسه، نوردها بالاختصار:

أولا: الأسباب المتعلقة بالنساء:

١. عنوسة المرأة أو طلاقها أو ترملها:

من أهم الأسباب التي أدت إلى وجود زواج المسيار وانتشاره هو وجود عدد كبير من النساء في المجتمعات الإسلامية فبلغن سن الزواج ولم يتزوجن بعد أو تزوجن وفارقن أزواجهن لموت أو طلاق، والمرأة تشعر بالقلق والخوف من المستقبل فتلجأ لتقديم التنازلات لتظفر بزوج يعفها وترزق منه بمولود يكون لها عونا في المستقبل(١٤).

٢. رفض المرأة لفكرة التعدد:

حيث أن المرأة لا تقبل بزوج له زوجة أخرى، حتى إذا تقدم بها العمر ولم تحصل على زوج اضطرت لتقديم التنازلات من أجل الزواج كما في زواج المسيار حاليا.

٣. حاجة المرأة إلى البقاء في غير بيت الزوج

حاجة بعض النساء إلى المكث في بيت أهلها لرعاية أبويها، فربما لا يوجد عائل لهما إلا هي، أو يكون عندها بعض الإعاقة التي تمنعها من تحمل مسئولية البيت، ويرغب أولياؤها في إعفافها والحصول على الذرية ولا يكلفون الزوج شيئاً(١٥).

ثانيا: الأسباب المتعلقة بالرجال:

١. رغبة بعض الرجال بزيادة الاستمتاع

يرغب بعض الرجال في التعدد من أجل الاستمتاع فقد تكون الزوجة الأولى كبيرة في السن، أو مشغولة بأولادها وبيتها، ولا يجد الرجل عندها رغبته، فيتزوج مسياراً.

٢. حاجة الرجل الفطرية إلى أكثر من زوجة

فبعض الرجال لا تكفيهم امرأة واحدة، ولديهم شهوة شديدة، ورغبة جامحة، فيلجؤون إلى زواج المسيار.

٣. عدم خراب للبيوت

خوف بعض الرجال من إعلان زواجه الثاني، لعلمه ما ستسببه زوجته الأولى لو علمت بهذا الزواج من خراب للبيوت ومصائب شتى، فيرغبون في المسيار.

ثالثا: الأسباب المتعلقة بالمجتمع

١. غلاء المهور وارتفاع تكاليف الزواج

فهناك كثير من الرجال لايستطيعون حمل تكاليف الزواج باهظة ومقابل ذلك نجد في المجتمع عدداً كبيراً من المطلقات والأرامل اللاتي قد يمتلكن المال، ويرغبن بالزواج رغبة في الإعفاف والولد حتى لو أنفقوا عليهن، فهذا كله أدى إلى حاجة الناس إلى زواج المسيار.

٢. اتهام المجتمع الرجل الذي يرغب بالتعدد

وقد يكون الرجل بحاجة إلى الزواج الثاني لظروف خاصة به فيتهمه المجتمع بأنه شهواني، ولا هم له إلا النساء، فيضطر إلى زواج المسيار لإخفاء زواجه عن أعين الناس، وتخفيف بعض أعباء الزواج وتكاليفه عن نفسه[١٦].

المبحث الثاني: حكم الشرعى لزواج المسياروآثاره

المطلب الأول: آراء العلماء في حكم زواج المسيار

اختلف العلماء المعاصرون في حكم زواج المسيار على أربعة أقوال:

القول الأول: أن زواج المسيار جائز ومباح مطلقا

القول الثاني: أن زواج المسيار جائز ومباح مع الكراهة

القول الثالث: أن زواج المسيار حرام

القول الرابع: القول بالتوقف

القائلون بجواز زواج المسيار مطلقا:

ذهب أكثر الباحثين والعلماء بجواز زواج المسيار ومن الذين قالوا بجوازه فمنهم:

١. فضيلة الشيخ عبد العزيز بن عبد الله بن باز رحمه الله تعالى
٢. وفضيلة الشيخ عبد الله بن عبد الرحمن الجبرين رحمه الله تعالى
٣. فضيلة الشيخ عبد العزيز بن عبد الله آل الشيخ مفتي عام المملكة العربية السعودية
٤. فضيلة الشيخ إبراهيم بن صالح الخضيري القاضي بالمحكمة الكبرى بالرياض
٥. فضيلة الشيخ محمد سيد طنطاوي رحمه الله تعالى شيخ الأزهر جمهورية مصر العربية
٦. فضيلة الشيخ نصر فريد واصل مفتي جمهورية مصر العربية
٧. وأجازه مجمع الفقه الإسلامي بجده تحت رئاسة سماحة الشيخ عبد العزيز بن عبد الله آل الشيخ مفتي عام المملكة العربية السعودية

حجيتهم:

١- من القرآن الكريم

استدلوا بقول الله تعالى:"وإن امرأة خافت من بعلها نشوزاً أو إعراضاً فلا جناح عليهما أن يصلحا بينهما صلحا والصلح خير" (١٧).

وجه الدلالة: ذكر المفسرون بأن الآية نزلت في المرأة تكون عند الرجل فلا يستكثر منها ويريد فراقها، ولعلها أن تكون لها صحبة، ويكون لها ولد، فيكره فراقها، وتقول له: لا تطلقني وأمسكني وأنت في حل من شأني فأنزلت هذه الآية، فالمرأة تنازل عن بعض حقوقها في زواج المسيار فثبت جواز هبة المرأة حقها في القسم كما أن أم المؤمنين سودة بنت زمعة رضي الله تعالى عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم تنازلت عن حقها.

٢- من الحديث النبوي

لعموم قول النبي صلى الله عليه وسلم: "أحق ما أوفيتم من الشروط أن توفى به ما استحللتم به الفروج"(١٨).

وقوله صلى الله عليه وسلم:"المسلمون على شروطهم"(١٩).

وحديث عائشة رضي الله تعالى عنها حين قَالَتْ: كَانَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ قَدْ أَسَنَّتْ، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لا يَسْتَكْثِرُ مِنْهَا، وَقَدْ عَلِمَتْ مَكَانِي مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ يَسْتَكْثِرُ مِنِّي"، فَخَافَتْ أَنْ يُفَارِقَهَا وَضَنَّتْ بِمَكَانِهَا عِنْدَهُ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، يَوْمِي الَّذِي يُصِيبُنِي لِعَائِشَةَ وَأَنْتَ مِنْهُ فِي حِلٍّ، فَقَبِلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (٢٠).

وجه الدلالة: لأن سودة بنت زمعة رضي الله تعالى عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم تنازلت عن حقها في القسم لعائشة رضي الله تعالى عنها فأقرها رسول الله صلى الله عليه وسلم حيث كان يقسم لعائشة يومين، يومها ويوم سودة.

٣- من العقل

لأن العقد إذا استوفى الأركان والشروط فكان صحيحاً، والشرط في الزواج إذا كان لمصلحة الزوجين أو أحدهما وتراضيا عليه شرط صحيح يجب الوفاء به.

ولأن التعدد أصل مشروع والحكمة منه إعفاف أكبر قدر ممكن من النساء فلا حرج في زواج المسيار شيئاً يخالف الشرع، وهو من أعظم الأمور في محاربة الزنا ومشاكله كمشاكل غيره من عقود الزواج.

وقالوا أيضا: العبرة في الأحكام ليست بالأسماء والعناوين، ولكن بالمسميات والمضامين، إذ من القواعد المقررة فقهاً: "العبرة في العقود للمقاصد والمعاني، وليست للألفاظ والمباني" (٢١).

القائلون بكراهية زواج المسيار:

ومن الذين قالوا بإباحته مع الكراهة فمنهم:

١. فضيلة الشيخ عبد الله بن سليمان المنيع
٢. فضيلة الشيخ سعود الشريم إمام وخطيب المسجد الحرام
٣. فضيلة الشيخ يوسف القرضاوي

وحجيتهم أن هذا الزواج يحقق الإحصان لكنه لا يحقق السكن والغالب فيه أن تكون المرأة هي المخاطب وبالتالي فهي تستطيع أن تحكم على ما تجنيه من فائدة (٢٢).

القائلون بعدم جواز زواج المسيار:

ومن الذين قالوا بعدم إباحة زواج المسيار فمنهم:

١. فضيلة الشيخ محمد ناصر الدين الألباني رحمه الله تعالى
٢. فضيلة الشيخ عبد العزيز المسند المستشار بوزارة التعليم العالي
٣. فضيلة الشيخ محمد وهبة الزحيلي
٤. فضيلة الشيخ عمر سليمان الأشقر

٥. فضيلة الشيخ عجيل جاسم النشمي عميد كلية الشريعة بالكويت سابقاً

٦. فضيلة الشيخ محمد الراوي عضو مجمع البحوث الإسلامية بالأزهر

٧. فضيلة الشيخ عبد الله الجبوري[٢٣].

حجيتهم:

لأنه يظهر عليه طابع الكتمان والسرية، وأنه ذريعة إلى الفساد وارتكاب الفواحش، حيث قد يتخذه أهل الفساد وسيلة لغرضهم، لأن كل ما أدى إلى الحرام فهو حرام، وللسياسة الشرعية، وهذه النتائج متوقعة تقع عادة، وليست مجرد أوهام أو خيالات، أو أمور طارئة أو نادرة.

لأنه لايحقق مقاصد الزواج من السكن والمودة، والإنجاب ورعاية الزوجة والأبناء وترك العدل بين الزوجات، مع ما فيه من الغض والإهانة للمرأة، وتضمنه أحياناً تنازل المرأة عن حق الوطء والنفقة وغير ذلك،كما أن فيه مضاراً كثيرة على رأسها تأثيره السلبي على تربية الأولاد وأخلاقهم [٢٤].

لأنه هذا يقترن به بعض الشروط التي تخالف مقتضى العقد، وتنافي مقاصد الشريعة في الزواج، وتربية الأولاد، ووجوب العدل بين الزوجات، كما يتضمن عقد الزواج، تنازل المرأة عن حق الوطء، والإنفاق..... وغير ذلك.

كما يترتب على زواج المسيار كثير من المفاسد والنتائج المنافية لحكمة الزواج في المودة والسكن والعفاف والطهر، من ضياع الأولاد، أو السرية في الحياة الزوجية والعائلية، وعدم إعلان ذلك، وقد يراهم أحد الجيران أو الأقارب فيظن بهما الظنون، ويرتاب بوضعهما، وكثيراً ما يتهمهما بالوقوع في الحرام، وقد يدفعه الحماس إلى الاعتداء عليهما أو على أحدهما [٢٥].

وقد ذكر الدكتور عمر سليمان الأشقر سبعة أمور على عدم جوازه شرعا.

١: مخالفة الشريعة الإسلامية لأن العاقدين لا يقصدان المقاصد التي حددها الشارع مع إقامة الزواج على المودة والرحمة، وتربية الذرية الصالحة، ولا يقوم الزوجان بالواجبات التي تترتب عليهما، ولأن القوامة معدومة في هذا الزواج، وفيه استغلال من الرجل للمرأة، واشتراط عدم الإنفاق وعدم السكنى والمبيت، وهي شروط باطلة تبطل العقد.

٢: لا يقصد العاقدان من هذا الزواج المقاصد التي حددها الشارع، من المودة والرحمة، وتربية الذرية الصالحة، وقيام كل من الزوجين بواجباته.

٣: القوامة معدومة في هذا الزواج، وهي ناشئة من طبيعة خاصة بالرجل بالإضافة إلى إنفاقه من ماله على زوجته، وبالتالي فالمرأة لا تطيع زوجها.

٤: في هذا الزواج استغلال من الرجل للمرأة، فهو يلبي رغباته الجنسية، لا هدف له إلا ذلك، من غير أن يتكلف شيئاً في هذا الزواج.

٥: اشتراط عدم الإنفاق، وعدم السكنى والمبيت شروط باطلة، وبعض أهل العلم يرى أن هذه الشروط تبطل العقد، ومنهم من يرى أن هذه الشروط باطلة والعقد صحيح، وعلى القول بالصحة، فإن الزوجة تستطيع مطالبته بما اشترط إسقاطه، وهذا سيجعل الذين سيقدمون على هذا الزواج يعزفون عنه، لعلمهم ببطلان هذه الشروط.

٦: هذا الزواج سيكون مدخلاً للفساد والإفساد، وهو ليس بعيداً عن الزنى حيث يتساهل فيه في المهر، ولا يتحمل الزوج مسؤولية الأسرة، ويسهل عليه أن يطلق وقد يعقد سراً، وقد يكون بغير ولي، وهذا يجعل الزواج لعبة بأيدي أصحاب الأهواء.

٧: وقد علمنا انه فعلاً اتخذ لعبة، فأخذت مكاتب تقوم لمثل هذا الزواج، وعند ذلك سيصبح كنكاح المتعة بل هو أقبح [٢٦].

كما أفتى شيخ الألباني رحمه الله بحرمة هذا الزواج لسببين:

١: أن المقصود من النكاح هو "السكن" كما قال تعالى "ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجا لتسكنوا إليها وجعل بينكم مودة ورحمة"[٢٧]، وهذا الزواج لا يتحقق فيه هذا الأمر.

٢: أنه قد يقدَّر للزوج أولاد من هذه المرأة ، وبسبب البعد عنها وقلة مجيئه إليها سينعكس ذلك سلباً على أولاده في تربيتهم وخلقهم.

المتوقفون في هذه المسألة:

توقف بعض أهل العلم عن اصدار الحكم في زواج المسيار، فمنهم:

١. فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين رحمه الله تعالى
٢. فضيلة الشيخ عمر بن سعود العيد الأستاذ بكلية أصول الدين جامعة الإمام
٣. فضيلة الشيخ محمد بن فالح المطلق الأستاذ بجامعة اليرموك بالمملكة الأردنية [٢٨].

وتوقفهم هذا يدل لعدم ظهور حقيقته ودليله عندهم، وأن حكمه لم يظهر لهم، فالمسألة تحتاج إلى مزيد من النظر والتأمل.

مناقشة أدلة القائلين بجواز وإباحة زواج المسيار:

أما استدلالهم بحديث أم المؤمنين عائشة رضي الله تعالى عنها بهبة أم المؤمنين سودة رضي الله تعالى عنها الذى استدل به فقهاء المذاهب على جواز هبة المرأة حقها في القسم لكن ليس في هذا الحديث دليل على جواز هذا النوع من الزواج، لأن هذا الزواج يخالف بعض مقاصد الشرعية من الزواج فلا يتحقق فيه السكن والمودة بين الزوجين بصورة جيدة ولا يهتم فيه برعاية النسل وتقل فيه قوامة الرجل على المرأة لأسباب كثيرة، من أهمها إن المرأة هي التي تنفق على نفسها وهي التي تقوم برعاية نفسها بشكل عام، وهذا ظلم للمرأة وإهانة لها.

أما قولهم أنه مستكمل للأركان والشروط ويرد على هذا الدليل بأن العقد وإن كان صحيحاً إلا أنه يتنافى مع مقاصد الشرع وكما هو معلوم أن العبرة في العقود للمقاصد والمعاني وليست للألفاظ والمباني.

كما أن العقد فيه شرط يتنافى مع مقتضى العقد مثل إسقاط النفقة والقسم فكيف ينعقد، وهذه الشروط تقضى على حكم أساسية من حكم الزواج مثل السكن والمودة وقوامة الرجل وتربية الأبناء.

وقولهم أن هذا الزواج فيه مصالح كثيرة من تقليل العنوسة والأرامل والمطلقات اللاتي يعشن بغير زواج والذي يترجح أن زواج المسيار قد يساعد في حل مشكلات بعض العوانس والأرامل والمطلقات وإن كان لا يحل المشكلة من أساسها.

مناقشة أدلة القائلين بعدم جواز زواج المسيار:

نعم وإن كان في زواج المسيار فيه نوع من الأسرار والكتمان بالنسبة لما تعارف عليه الناس من الاعلان في الزواج العادي، ولكن اتفق الأئمة الثلاثة على أن الإشهاد يكفى للإعلان، وعلى ذلك فإن زواج المسيار باتفاق الأئمة الثلاثة لا يعتبر سرا، وأن هذه السرية لا تؤثر على العقد فيبقى عقد زواج المسيار صحيحاً.

وقولهم أن زواج المسيار يتنافي مع مقاصد الشريعة كتحقيق السكن والمودة ورعاية الأبناء ورد عليه أننا لا ننشد السكن الكامل والرعاية الكاملة لأن هذا هو المطلب الأول، فإذا لم يوجد هل تبقى المرأة بلا زوج أم تتزوج بقليل من السكن والمودة.

وقولهم ينطوي هذا الزواج على كثير من المحاذير إذ قد يتخذه بعض النسوة مطية لارتكاب الفواحش بدعوى أنها متزوجة مسياراً، ويرد عليه أن استغلال الزواج المسياري من قبل بعض النسوة أو الرجال لا يعني تحرمه.

المطلب الثاني: الرأي الراجح عندي في حكم زواج المسيار:

بعد مناقشة أدلة القائلين بالإباحة والقائلين بعدم الإباحة وبعد النظر والمقارنة والموازنة بين مزايا وسلبيات زواج المسيار رأيي المتواضع أن زواج المسيار

ليس من قبيل الزواج الشرعي المعتاد فينبغي التوقف عن القول بجوازه بشكل عام، وأن تقصر إباحته على من احتاج إليه ولم يجد سواه حلاً، ويجب منع انتشاره والطرق اللازمة لذلك، وبالرغم من عدم الجزم بحرمته أو بطلانه، وذلك لأسباب:

١- العقد في زواج المسيار وإن كان صحيحاً شكلاً فهو معيب معناً لأنه لا يتوافق مع بعض المقاصد الشرعية من الزواج.

٢- العقد في الزواج ليس كغيره من العقود فهو يتعلق بالأبضاع والأصل في الأبضاع التحريم واذا تقابل في المرأة حل وحرمة غلبت الحرمة.

٣- من قواعد الشرع أن درء المفاسد مقدم على جلب المصالح، وزواج المسيار مفاسده أكثر من مصالحه، بل أن مفاسده تقضي على مصالحه، ففيه يكثر الطلاق، وفيه لا يحدث الإعفاف التام للمرأة نظراً لتغيب الزوج، وفيه تقل قوامة الرجل على المرأة، وفيه تضيع معاني الرجولة من غيرة وتوجيه وإرشاد ومتابعة، وفيه يضيع الأولاد ولا تحكم تربيتهم ما بين أب غير موجود وأم مشغولة بتدبير شؤون معيشتها.

٤- وبالاضافة الى كونه يقضي على التعدد بالصورة المعروفة والمعتادة التي تقوم على العدل والمساواة، وينقلنا إلى صورة أخرى ممسوخة من صور التعدد قائمة على الجور والظلم، ولذا يجب علاج الأسباب التي أدت إلى ظهوره حتى يقوى الزواج المعروف المعتاد ويذهب الناس إليه بدل زواج المسيار.

٥- لذا ينبغي أن تكون الفتوى خاصة لبعض من يريد العفة والستر ممن عرف عنه دين وخلق، أما أن تكون عامة، فإنها قد تكون مفتاح شر لباب يصعب سدُّه، والله أعلم.

المطلب الثالث: الإيجابيات والسلبيات في زواج المسيار

أولاً: إيجابيات زواج المسيار:

بالرغم من أن زواج المسيار لا يحقق أهداف مقاصد الشرع من الزواج إلا أن له بعض الفوائد والمميزات التي منها:

١- يسهم في حل مشكلات بعض العوانس والأرامل والمطلقات وصواحب الظروف الخاصة كما يسهم في إعفاف الرجل.

٢- يساعد زواج المسيار الزوجة الأرملة والمطلقة صاحبة الأبناء على تربية أبنائها والاهتمام بهم، فقد لاحظ أن وجود الرجل في البيت مع المرأة ولو على فترات متفاوتة قد يساعد المرأة في ضبط سلوك الأولاد.

٣- وقد يساهم زواج المسيار في مساعدة الشباب الذين يرغبون في الزواج ولا يملكون تكاليف الزواج العادي الباهظة.

٤- فيه الأجر والثواب للرجل إذا قدم عليه على أنه عبادة، وحيث قال الدكتور وهبة الزحيلي إن إعفاف المرأة مطلب فطري واجتماعي وانساني، فإذا أمكن الرجل أن يسهم في ذلك كان قصده مشروعاً وعمله مأجورا مبرورا.

٥- وأيضا قد يترقى الى الزواج العادي إذا حدث الوئام والوفاق بين الزوجين فيكون هذا الزواج طريقاً الى التعدد.

٦- هذا الزواج قد يشبع عاطفية المرأة ولو جزئياً، وقد ترزق من زوجها بمولود.

٧- وأخيرا فإن زواج المسيار يسهم في كسر حاجز عدم التعدد والابقاء على زوجة واحدة، فيرجع الحكم فيه إلى أن الأصل في الزواج

التعدد لمن استطاع ذلك ولم يخف الجور على الصحيح من أقوال العلماء (٢٩).

ثانياً : سلبيات زواج المسيار:

بالرغم من الإيجابيات التي يحققها زواج المسيار إلا أن له بعض السلبيات والأضرار التي قد تعصف بالفرد والأسرة والمجتمع، ومن هذه الأضرار والسلبيات:

١- قد تشعر المرأة بهذا الزواج أنه لا يلبي إلا الحد الأدني من حقوقها كزوجة، فلا يجعلها تشعر أنها تقوم بدورها الكامل كربة أسرة.

٢- قد تشعر المرأة في هذا الزواج بأن فيه هضماً لبعض حقوقها فهي التي تنفق على نفسها.

٣- قد يشكل هذا الزواج أثراً نفسياً على المرأة حيث يجعلها تشعر أنها نصف متزوجة وتقلق من هاجس الطلاق إذا طلبت من زوجها العدل في النفقة والقسم.

٤- قد يستخدمه بعض الرجال من أجل المتعة فقط فيتنقل بين هذه وتلك.

٥- قد يلجأ إليه بعض الرجال هروباً من تكاليف الزواج العادي مما يقل الإقبال عليه ويجعل المسيار هو الأصل بدل منه وقد يزداد الأمر سواءاً إذا استغله الرجل في ابتزاز أموال المرأة عن طريق تهديدها بالطلاق.

٦- قد تشعر المرأة في هذا الزواج بنوع من الإهانة وخاصة إذا كان الزوج من هؤلاء المتمتعين فقط، ولا يبالي بمطالب زوجته النفسية والعاطفية.

٧- لايتوفر للأسرة في هذا الزواج القدر الكافي من المودة والرحمة والسكن بسبب بعد الزوج وعدم مجيئه إلا على فترات متباعدة فبعد الزوج عنه

أسرته يترك أثراً سيئاً في الجو العائلي، ويتدنى مستوى القوامة وتضعف الطاعة والتوجيه فيصبح دور الرجل مهمشاً.

٨- قد يكون مع هذا الزواج تأثير سلبي على الأبناء ونموهم النفسي والاجتماعي، فإن دور الأب في غاية الأهمية من حيث الإشباع النفسي من عطف وحنان ورعاية ومن حيث التوجيه والإرشاد.

٩- ومن أهم وأخطر سلبيات زواج المسيار عدم توثيقه في بعض الحالات وهذا يؤدي الى ضياع الحقوق إذا حدث خلاف بينهما ومن سلبياته أنه قد يؤدي إلى اتهام المرأة في عرضها ودوران الشبه حولها خاصة إذا لم يعلن الزواج وسط جيران الزوجة .

١٠- ومن سلبياته أيضاً كثرة الطلاق فيه(٣٠).

الخاتمة ونتائج البحث وتوصياته

الحمد لله تعالى الذي بعزته وجلاله ونعمته وفضله تتم الصالحات وبعد:

فما تقدم من العرض السابق هو الرؤية حول هذا الموضوع، وفي ختامه لابد من الإشارة إلى أهم النتائج والتوصيات، وهي على النحو التالي:

أولا- نتائج البحث

١- جاءت تسمية هذا الزواج بالمسيار من باب كلام العامة وتميزاً له عما تعارف عليه الناس في الزواج العادي لأن الرجل في هذا الزواج يسير إلى زوجته في أوقات متفرقة ولا يستقر عندها طويلاً.

٢- الذي يبدو أن هذا الزواج بهذه الصورة حديث عهد بالمجتمع فلم يظهر إلا منذ سنوات معدودة وأن له صوراً مشابه في الماضي القريب والبعيد وقد كان التجار في منطقة الخليج يتزوجون هذا النوع من الزواج من خلال أسفارهم.

٣- أوردت بعض الكتب الفقهية القديمة حالات فيها بعض الشبه من هذا الزواج.

٤- هناك أسباب كثيرة أدت إلى ظهور زواج المسيار، فبعضها يعود إلى النساء منها كثرة عدد العوانس والمطلقات والأرامل وصواحب الظروف الخاصة ورفض كثير من الزوجات لفكرة التعدد، ومنها ما يعود للرجال ومن أهمها رغبة بعض الرجال في الإعفاف والحصول على المتعة الحلال مع ما يتوافق وظروفهم الخاصة، ومنها ما يعود للمجتمع ومن أبرزها الأعراف السائدة في بعض المجتمعات من مغالاة المهور والنذر بشيء من الإزدراء لمن يرغب في التعدد.

٥- زواج المسيار وإن كان عقد صحيح لأنه مستكمل الشروط المتعارف عليها عند العلماء

لكنه مخالف لكثير من الحكم والمقاصد التي أرادها الشارع الحكيم من الزواج.

٦- يجب عدم النصح به واتخاذ الوسائل والسبل اللازمة لمنعه وعدم انتشاره في المجتمع والتوقف عن القول باجازته وجوازه.

٧- لزواج المسيار بعض الفوائد والمزايا تتمثل في إعفاف قدر كبير من نساء ورجال المجتمع اضطرتهم ظروفهم الشخصية أو الظروف المجتمعية إلى اللجوء بالزواج بهذه الصورة بدلا من سلوك مسالك غير شرعية.

٨- وكذلك فإن للزواج بهذه الصورة مساوئ كثيرة فقد يتحول الزواج بهذه الصورة إلى سوق للمتعة ينتقل فيه الرجل من إمرأة الى أخرى، وكذلك المرأة تنتقل من رجل لآخر كما يترتب عليه هدم مفهوم الأسرة من حيث السكن الكامل والود بين الزوجين وقد تشعر المرأة فيه بالمهانة وعدم قوامة الرجل عليها مما يؤدي إلى سلوكها سلوكيات سيئة تضر

بنفسها وبالمجتمع، وكذلك يترتب عليه عدم أحكام تربية الأولاد تربية متكاملة ويؤثر سلباً في تكوين شخصيتهم.

ثانيا- توصيات البحث:

١- ضرورة المزيد من الدراسات العلمية الواقعية على زواج المسيار للوقوف على موازنة دقيقة بين منافعه ومفاسده للفرد والمجتمع.

٢- فعلى الرجال بأن يتقوا الله ويعلموا أن استحلال الفروج ليس بالأمر السهل وإنما هو أمانة الله وقد سمى الله عقد الزواج ميثاقاً غليظاً، فليتقوا الله في هذا الميثاق ولا يستغلوا صحة العقد في زواج المسيار لاشباع رغباتهم فقط.

٣- وعلى من يريد العفة فعليه بالتعدد في النكاح الشرعي.

٤- وعلى أولياء الأمور أن اتقوا الله في بناتكم وزوجوهن إذا جاءكم من ترضون دينه وخلقه وعليكم البحث لهن عن أكفاء.

٥- يجب على القائمين على أجهزة الأعلام القيام بحملات التوعية، وأن يوضحوا للناس أهمية التخفيض.

٦- كما يجب على العلماء أن يبينوا حقيقة التعدد في الزواج وأنه ليس فيه ظلم للمرأة بل يساعد على تحقيق أهداف منها كثرة النسل وصيانة للإعراض وضمان لأشباع الغرائز على نحو يصون العفة.

وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين برحمتك يا أرحم الراحمين.

الهوامش والإحالات

١) ابن منظور، لسان العرب، المطبعة الأميرية ببولاق، القاهرة، الطبعة الأول، د. ت. ص:٣٨٩/٤

٢) عرفان بن سليم العشا حسونة الدمشقى،نكاح المسيار وأحكام الأنكحة الأخرى، المكتبة العصرية بيروت ١٤٢٣هـ،ص:٣

٣) يوسف القرضاوي، زواج المسيار حقيقته وحكمه، مكتبة وهبة، القاهرة، الطبعة الأولى، ١٤٢٠هـ،ص:٩

٤) أسامة عمر سليمان الأشقر، مستجدات فقهية في قضايا الزواج والطلاق، دار النفائس، الأردن، الطبعة الأولى، ١٤٢٠هـ ص:١٦٢، عبد الملك بن يوسف، زواج المسياردراسة فقهية واجتماعية نقدية، دار ابن لعبون، الرياض هـ،١٤٢٣ص: ٧٥

٥) وصورة هذا النوع من الزواج: هو أن يتزوج رجل من امرأة تعمل خارج منزلها في الليل، وترجع إلى زوجها في النهار، أو تعمل في النهار وترجع إلى المنزل الذي فيه زوجها ليلاً، عبدالله بن احمد بن قدامة : المغني على مختصر الخرقي، دار الفكر، بيروت، ويطلب من المكتبة التجارية، طبعة جديدة ومنقحة، ١٤١٤هـ، ص: ٤٥٠/٧

٦) مقابلة منشورة في مجلة الأسرة، العدد (٤٦)، ص: ١٥

٧) القرضاوي، زواج المسيار حقيقته وحكمه، مكتبة وهبة، القاهرة ص: ٩

٨) مستجدات فقهية، ص: ٢٣٧

٩) زواج المسيار، ص: ٨٠

١٠) نكاح المسيار وأحكام الأنكحة الأخرى،ص:٣

١١) ابن قدامة المقدسي، ص: ٤٥٠/٧

١٢) مستجدات فقهية: ١٦٧، والمطلق، عبد الملك، زواج المسيار، ص: ٧٨

١٣) زواج المسيار، ص: ٨٠

١٤) بثينة السيد العراقي،أسرار في حياة العانسات. دار طويق للنشر والتوزيع،ص:٣٤

١٥) أسامة الأشقر،ملحق مستجدات فقهية، رقم (١٣)، المطلق عبد الملك، زواج المسيار، ص: ٨١

١٦) المطلق، عبد الملك، زواج المسيار، ص: ٨٣

١٧) سورة النساء : ١٢٨

١٨) البخاري : صحيح البخاري،ص:٩/ ١٢٤ برقم ٥١٥١

١٩) أبو داود، رقم الحديث ١٣٠٣ صححه الألباني

٢٠) السنن الكبرى البيهقي، دار ابن لعبون للنشر والتوزيع – الرياض، سنة النشر١٤٢٣هـ، ص: ٥ / ٢٩٢

٢١) ابن نجيم،الأشباه والنظائر، دار المعرفة،بيروت، ص:٢٠٧/١

٢٢) مجلة الاسرة العدد ٤٦ ص١٥ محرم ١٤١٨م

٢٣) مستجدات فقهية، ص: ١٧٩

٢٤) احسان محمد عائش العتيبي : أحكام التعدد في ضوء الكتاب والسنة،دار ابن خزيمه الطبعة: الأولى سنة الطبع: ١٤١٨هـ ص:٢٩

٢٥) مستجدات فقهية، ص: ٢٤٩

٢٦) مستجدات فقهية، ص: ٢٤٧ – ٢٤٩

٢٧) سورةالروم:٢١

٢٨) مجلة الاسرة العدد ٤٦ ص١٥ محرم ١٤١٨هـ

٢٩) محمد علي عمر شيخ عثمان، زواج المسيار من المنظور الشرعي، بحث تكميلي لنيل درجة الماجستير في الفقه لقسم الدراسات العليا بكلية العلوم الإسلامية بجامعة المدينة العالمية،٣٠ صفر ١٤٣٤هـ الموافق ١٢ يناير ٢٠١٣م ص:٣٢، مستجدات فقهية ص٢٦

٣٠) المرجع السابق

* *

A true vision of Human Rights in Islam

Dr. Atique Tahir*
Attaullah Mahmood Wattoo**

ABSTRACT

If one accepts the premise of the Old Testament that Adam was created in the image of God, this implies that the divine stamp gives human beings a high value of worth. In similar vein, the Quran says: Surely we have accorded dignity to the Sons of Man. So too, in the Bhagavad-Gita: Who sees his Lord Within every creature deathlessly dwelling amidst the mortal: That man sees truly. Put another way, in a religious context, every human being is considered sacred. Believing in a common universal Divine force, which gives rise to a common humanity and from this flows a universality of certain rights. Since the rights stem from a divine source, they are inalienable by mortal authority. This concept is found not only in the Judaeo-Christian tradition but in Islam in its more advanced and wider perspective.

The present study is an attempt to provide an epilogue on human rights given in the Qur'an and Sunnah. It is an in-depth analysis of Human Rights and dignity of person, encompassing its various dimensions.

The study is an attempt to understand the true philosophy of human rights in Islam. It aims at providing an ethical and legal basis for the realization of implementation of human rights in the world states in general and in the Muslim states in particular.

Keyboards: Human Rights, Divine Rules, ethical & legal basis.

---

* Assistant Professor, Faculty of Shariah & Law, International Islamic University, Islamabad
** Assistant Professor, Faculty of Shariah & Law, International Islamic University, Islamabad

The right of a person is considered very important and sacred in Islam law. "In all the sources of Islamic law beginning from Quran to *ijtihad* there is a mention of the concept of human right."[1]

Looking at from the historical aspect the concept of human rights in Islam is as old as man himself. Islam has declared and guaranteed it 1400 years ago and every Muslim is bound to accept and follow it.[2]

Some Muslim authors have traced the declaration of the human rights in Islam from the creation of Adam by Allah. They quote the following ayat in their support.

﴿ ٱلَّذِى عَلَّمَ بِٱلْقَلَمِ ۝٤ عَلَّمَ ٱلْإِنسَٰنَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝٥ ﴾[3]

(He who taught (the use of) pen, taught man that which he knew not.)

﴿ وَعَلَّمَ ءَادَمَ ٱلْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ﴾[4]

(He taught Adam the names of all things.)

Here we see that Allah has placed man as His vicegerent on the earth, taught him the names of things, of which the angels were ignorant and in view of the superiority of his Knowledge, they were commanded to prostrate themselves before Adam, the first man.

Syed Abul A'ala Maududi in his commentary of the Quran writes on it as:

> "*The only way man acquires knowledge is through a mental grasp of their names. So we can say all man's knowledge really comprises the names of things. Teaching Adam the names of these things was virtually imparting knowledge of all those things to him.*"[5]

The best statement of the human right is to be found in the address delivered by the Messenger of Allah Muhammad (ﷺ) in his Sermon on the eve of the *Hajjat al-Wida*'a (the Farewell Pilgrimage):-

"O People, just as you regard this month, this day, and this city as Sacred, so regard the life and property of every Muslim as a sacred trust. Return the goods entrusted to you to their rightful owners. Hurt no one so that no one may hurt you" ...[6]

Concept of Human Right in Islam

The Arabic word Huquq is used for human rights. Huquq is plural of *Haqq*. In Arabic one says: 'Hathihi haqqi' (this is my right).[7]

Although the 'primary meaning of Haqq is established fact or reality (*al-mawjüd – al-thãbit*), however, in the field of law its dominant meaning is truth or that which corresponds to facts'. 'Both meanings are equally prominent, so much so that some lexicographers' (Lane 1865) consider the second meaning to be the primary one.

In the context of law, 'right, power, and claim are equally good to convey the same meaning'. Some writers add beneficence and public good to the term right.[8]

In Sufi usage "*Haqq means the absolute*".[9]

The term haqq occurs frequently in the Qur'an to imply the aforementioned meanings of 'adl', 'qist', 'ma'ruf' and other related ones'.

In the sense of the specific due, Quran says:

﴿ وَفِيٓ أَمۡوَٰلِهِمۡ حَقّٞ لِّلسَّآئِلِ وَٱلۡمَحۡرُومِ ﴾[10]

"And those in whose property there is a right for the indigent and the deprived"

In the sense of justice, Allah says:

﴿ وَٱللَّهُ يَقۡضِي بِٱلۡحَقِّۖ ﴾[11]

"And Allah judges with right"

This word is also used in the traditions of the Messenger of Allah Muhammad (ﷺ). The Messenger of Allah (ﷺ) in one of his traditions says as:

"ولك الحمد أنت الحق" [12]

"*O, Allah , All praise to you, you are the Truth*"

In a hadith recorded by Muslim, Abü Hurairah narrated that:

"حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ" [13]

"*A Muslim has a right (haqq) over other Muslims in six matters…*"

The Arabs use the word *haqq* (right) interchangeably to denote both right and duty.[14]

The classical Muslim scholars use right in general as well as in particular senses. They use it to cover the wide-range of the categories of the right.[15]

Ibn Nujaym defines haqq as:

"…the entitlement of a person to a thing".[16]

Western commentators generally hold that Islam does not recognize the idea of an individual having inherent rights, fundamental or otherwise.

For Schacht:

"Islamic law is a system of duties, of ritual, legal and moral obligations, all of which are sanctioned by the authority of the same religious command".

Gibb opines that:

"The Islamic theory of Government gives the citizen as such no place or function except as taxpayer and submissive subject". This line of argument is taken further by Henry Siegman (1964) who states that: "no such abstractions as individual rights could have existed in Islam. In such a system the individual cannot have rights and liberties, he has only the obligation".[17]

The reason of this incorrect conclusion is because of lack of proper understanding of the nature of human rights in Islam. In

Shariah human rights are a consequence of human obligations. All members of a society are responsible to God and as a result of fulfilling these obligations they gain certain rights and freedoms.[18]

The philosophy of Islam is justice, and this "requires an integrated and Unitarian approach towards rights and obligations. Both the individual and society are working under the commandment of Allah, to enable people to live freely on the earth in peace and satisfaction".[19]

In Islam rights and duties are in fact, 'two sides of same coin'. They are so co-related that they cannot be separated. The Shariah tends to integrate rights and obligations into the broad concepts of *haqq* (right) and *hukm* (ruling). In this context each individual's rights become others' duties, and others' duties become his rights.[20]

In Islam right is only one end of a social relation while the other end is the duty. One's right to do something can only be guaranteed in a society if he accepts to allow the same amount of freedom of action to others.[21]

The Quran emphasizes on duties rather than rights. It insists upon the fulfillment of individual obligations before the individual can claim his privileges. With this approach the individual is neither a part nor separate from society, and his rights are neither different from nor conflicting those of the community. He is part and parcel of society, and the fulfillment of his obligations and those of the other members of the society constitute the reservoir of social rights which are then shared by all. The individual enjoys as many privileges as society can afford, and society affords just as much as it receives from the individual. Thus the Islamic society is not a separate conflicting entity with the individual; it is not a mere system, but the highest form of integral and integrated collectivity wherein each individual is both a member and a leader. There can be no social classes, and any member of the community who is asked to

be a leader or to be ready for leadership must also act at all times with the same degree of social responsibility as if he were in fact the leader rather than the follower.[22]

When Muslims speak about human rights in Islam, they mean rights which are bestowed by Allah in the Holy Quran; rights which are divine, eternal, universal and absolute; rights which are guaranteed and protected through the Shariah. The rights which are not subject to any alterations or modifications, and there is no scope for any change or abrogation.[23]

Islamic concept of human rights is essentially based on the idea of human dignity and equality of mankind. The dignity of a person is considered very important and basic right of the individuals in Islam law.[24]

Human rights in Islam are concerned with the right of the individual, the level of self-esteem that secures personal identity and promotes human community. While the pursuit of human dignity is universal, its forms are designed by the cultures of people.[25]

Islam regards human rights as an integral part of faith. A man cannot be considered religious in the true sense of the word, if he does not take care of the rights of his fellowmen. The measure of judging a man's religiosity is how he deals with people, not how much he prays.[26]

In Islamic jurisprudence human rights are to some extent more than the ordinary civil rights, they are based on the Principles of *AdI*, *Ihsan* and *Istihsan*. All the rights determined by the Quran and the Sunnah shall be deemed fundamental rights for the Muslims.[27]

The Qur'an gives us a clear concept of the human rights and it demands that the rights be safeguarded in such a way that not only the individual gets his rights but along with the individual the society should also evolve, become better, a more civilized.[28]

The concept of human right receives clear exposition in the Qur'an which says:

﴿وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيٓ ءَادَمَ وَحَمَلۡنَٰهُمۡ فِي ٱلۡبَرِّ وَٱلۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنَٰهُم مِّنَ
ٱلطَّيِّبَٰتِ وَفَضَّلۡنَٰهُمۡ عَلَىٰ كَثِيرٖ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِيلٗا﴾ [29]

(Verily we have honoured the children of Adam. We carry them on the land and the sea, and have made provision of the good things for them, and have preferred them above many of those whom we created with a marked preferment.)

According to Quran, the Almighty Allah has given to humankind dignity and honour over all of His creation. Allah Almighty honoured Man by making the angels kneel before Adam, the first man.

﴿ٱسۡجُدُواْ لِأٓدَمَ﴾ [30]

(Prostrate yourselves before Adam.)

This commandment of Allah implies that every born baby should be cared for and properly treated as an honorable human being. When he grows up he should be treated as a free man that is guarded by the dictates of the glorious Shariah which honors his life and guards him against prison, killing or even insult.[31]

Man has been placed on a very pedestal in the Divine scheme of creation. The Qur'an provides ample testimony of the exalted status accorded to man.

﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ ٱلَّيۡلَ وَٱلنَّهَارَ وَٱلشَّمۡسَ وَٱلۡقَمَرَۖ وَٱلنُّجُومُ مُسَخَّرَٰتُۢ﴾ [32]

(And He has subjected to you the night and the day, and the sun and the moon; and the stars are subjected by His Command.)

No Further evidence is required in the pages of the Quran which high-lights the dignity and right of Man, thus we read:

﴿فَإِذَا سَوَّيۡتُهُۥ وَنَفَخۡتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُواْ لَهُۥ سَٰجِدِينَ﴾ [33]

(So when I have made him and have breathed into him {Adam} of My spirit, then fall down prostrating yourselves unto him.)

Muslim jurists have made a detail study of human rights. Even the rights of animals did not escape their attention. In addition to the rights of parents, neighbors, children, wives, they also discussed civil rights Every Citizen of a Muslim state has the right of a decent living and of holding property In addition he has freedom of opinion, profession and movement. No one can deprive him of these rights. Life is a divine gift, whose sanctity must be observed.

The Quran emphasizing the fundamental rights of an individual to life and personal dignity proclaims that:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا۟ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِى حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ ﴾ [34]

(Kill not a soul which Allah has made sacrosanct save in the cause of justice.)

﴿ مَن قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِى ٱلْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ

ٱلنَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحْيَا ٱلنَّاسَ جَمِيعًا ﴾ [35]

(Whosoever killed a person not in retaliation of murder, or (and) to spread mischief in the land, it shall be as if he had killed all mankind, and who so gave life to one, it shall be as if he had given life to all mankind.)

The right to personal dignity is further substantiated by the Qur'anic prohibition of slanderous accusation (qadhf)

﴿ يَرْمُونَ ٱلْمُحْصَنَٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا۟ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَٱجْلِدُوهُمْ ثَمَٰنِينَ جَلْدَةً

وَلَا تَقْبَلُوا۟ لَهُمْ شَهَٰدَةً أَبَدًا ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ﴾ [36]

(And those who accuse chaste women, and produce not four witnesses, flog them with eighty stripes, and reject their testimony forever .They indeed are liars and rebellious.)

Advancing the concept of human right and dignity of person, the Quran reads as:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٞ مِّن قَوۡمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُواْ خَيۡرٗا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٞ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيۡرٗا مِّنۡهُنَّۖ وَلَا تَلۡمِزُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُواْ بِٱلۡأَلۡقَٰبِۖ ﴾[37]

(*O you who believe! Let not a group scoff at another group, it may be that the latter are better than the former. Nor let (some) women scoff at other women, it may be that the latter are better than the former. Nor defame one another, nor insult one another by nicknames*).

It is a unique concept of human right presented by Islam, having no example of it, at least in the western concept of human rights. In the views of Rashid Ahmad Jullundhri:

> "*Islam wants to create a society based on a deep sense of moral responsibility and justice in order to preserve human dignity accorded to man by God* ".[38]

The human history is evident of it that the Holy Messenger Muhammad (ﷺ) for the first time bestowed all those fundamental rights to man which were necessary to elevate him on the highest pedestal of humanity. He "granted humanity that Charter of liberty, fraternity, equality, justice, dignity, peace, and what not, which lent grace, politeness and beauty to the life of man.[39]

Human rights granted by Islam are "not confined to citizens of any one state. They are to be enjoyed by the Muslims as well as non-Muslims all over the world without any discrimination". "Islam does not restrict these rights and privileges to the geographical limits of its own state or to the people of its own faith. It has a universal concept of fundamental rights which is for the whole mankind irrespective of color, race, territory, language, and even creed". Every man, whether he belongs to this country or that, whether he is a believer or unbeliever, whether he lives in a forest or in desert, has

certain basic human rights simply because he is a human being. These rights have been given to all without any distinction of caste, creed or color.[40]

In a true Islamic state "these rights are enjoyed by all of its citizens and cannot be violated by the state or another individual. No war no emergency and no crisis can authorize anybody including the state to suspend or abrogate the fundamental rights given by the Quran and Sunnah to the Muslim citizens and non-Muslims living in an Islamic state".[41]

Messenger's (ﷺ) declaration of human rights, proclaimed in his last sermon is a clarion-call for all mankind of the universe, irrespective of caste and creed, devoid of any narrow nationalistic ideas of the present day.[42]

Muslim theologians have divided rights into two categories: 'Huqooq Allah',(the rights of Allah) and 'Huquq al-Abad', (human rights).[43] 'Islamic approach to balancing the rights of Allah and the rights of the individual is objective in the sense that it seeks to protect the interests of both the individual and the community under the umbrella of justice'.[44]

Islam not only guarantees human rights and fundamental freedoms to the Muslims and non-Muslims both but, at the same time, provides' remedies for the infringement of these rights and freedoms.[45]

In his first official speech, Abu Bakr (رضي الله عنه) said:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي قَدْ وُلِّيتُ عَلَيْكُمْ، وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ، فَإِنْ ضَعُفْتُ فَقَوِّمُونِي، وَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي، الصِّدْقُ أَمَانَةٌ ، وَالْكَذِبُ خِيَانَةٌ ، الضَّعِيفُ فِيكُمُ الْقَوِيُّ عِنْدِي، حَتَّى أُزِيحَ عَلَيْهِ حَقَّهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، وَالْقَوِيُّ فِيكُمُ الضَّعِيفُ عِنْدِي ، حَتَّى آخُذَ مِنْهُ الْحَقَّ إِنْ شَاءَ اللَّهُ [46]

(O People: I have been appointed ruler upon you, while I am not the best of you. If you see me with

truth, help me, and if with falseness set me right. The strong among you, in my opinion, is weak until I snatch the right from him and the weaker among you, in my view, is the strong, unless I redress his wrong.)

Abu Bakr's (ﷺ) policy was continued by his successor Umar(ﷺ) the second Caliph of Islam. Once, the Governor of Egypt incarcerated a citizen unjustly. The injured managed to escape from prison. He went from Egypt to Madina where he complained to Umar(ﷺ). Umar (ﷺ) summoned the Governor of Egypt and said:

مذ كم تعبدتم الناس وقد ولدتهم أمهاتهم أحرارا[47]

(Since when have you taken upon yourself to make people slaves who are born free?)

In an Islamic culture the state has the responsibility of enforcing these rights of the individuals based on principles of Adl and Ihsan, guaranteed by Shariah. The purpose of an Islamic state is not merely to protect its citizens but also to achieve social justice.[48]

In Islamic Shariah, it is the legal obligation and duty of the people in power to look after and protect the rights of the people. If they fail to enforce them, and start denying the rights that have been guaranteed by God or make amendments and changes in them, or practically violate them while paying lip-service to them, they are sinful. In many ayahs of the Holy Quran warning has been issued against those who are involved in persecution and violations of human dignity. They are reminded again and again to implement the laws of Shariah and to observe justice by dealing with others.[49]

The Quran in this regard proclaims as:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ﴾[50]

(Those who do not judge by what Allah has revealed are the disbelievers.)

The second ayah in this regard speaks as:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ﴾[51]

(And whosoever does not judge by that which Allah has revealed, they are the wrong-doers(zalimun).

While a third Ayah in the same chapter says:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ﴾[52]

(And whosoever does not judge by that which Allah has revealed, they are the evil-livers" (the rebellious).)

Since in Islam, Allah is the Absolute Sovereign, there is no room for rulers to be above the law, for kings who do no wrong, for monarchs who enslave men. The man who abuses his power will pay for it and the victim of abuse is entitled to redress. Both sovereign and subject are equal before the law. The subject has no obligation to obey the sovereign if the latter deviates from the law.[53]

The Messenger of Islam Muhammad (ﷺ) explained in detail the implications for unjust rulers who ignore the rights of their subjects and enjoy committing excesses against the people, by saying:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ
وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا
رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا [54]

(Every one of you is a shepherd, and every one of you will be questioned about those under his rule: the Amir (ruler) is a shepherd and he Will be questioned about his subjects, the man is a ruler in his family and he will be questioned about those under his care and the woman is a ruler in the house of the husband and she will be questioned about those under her care.)

مَا مِنْ عَبْدٍ اسْتَرْعَاهُ اللَّهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ[55]

(Any governor in charge of Muslim subjects who does not protect them with good counsel will not smell the fragrance of Paradise.)

مَا مِنْ أَمِيرِ عَشَرَةٍ إِلَّا يُؤْتَى بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
مَغْلُولَةٌ يَدَاهُ إِلَى عُنُقِهِ أَطْلَقَهُ الْحَقُّ أَوْ أَوْبَقَهُ[56]

(He who has been ruler over the ten people will be brought on the Day of Resurrection shackled till justice loosens his chains or his tyranny brings him to destruction.)

وَيْلٌ لِلْأُمَرَاءِ وَيْلٌ لِلْعُرَفَاءِ وَيْلٌ لِلْأُمَنَاءِ لَيَتَمَنَّيَنَّ أَقْوَامٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَّ ذَوَائِبَهُمْ كَانَتْ مُعَلَّقَةً بِالثُّرَيَّا يَتَذَبْذَبُونَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَكُونُوا عَمِلُوا عَلَى شَيْءٍ .[57]

(Woe to the governors, woe to the chiefs, woe to the supervisors! On the Day of Resurrection, people will wish their forelocks were tied to the Pleiades, that they were swinging between heavens and earth, and that they had never exercised any rule).

إِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامٌ عَادِلٌ، وَأَبْغَضَ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ ، وَأَبْعَدَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامٌ جَائِرٌ [58]

(The one who will be dearest to Allah and nearest to Him in station on the Day of Resurrection will be a just Imam (ruler) and the one who will be most hateful to Allah on the Day of Resurrection and will receive the severest Punishment (or will be farthest from Him in station) will be a tyrannical Imam (ruler).)

These ahadith of the Messenger of Allah Muhammad (ﷺ) plainly state the rights of the people over their rulers, on the fulfillment of which rests the latter's whole future life. Their excellence or degradation on the Day of Judgment is entirely dependent on how justly or unjustly they treat their subjects, and how much interest they take in the welfare of the people and in safeguarding their rights and privileges.

IMPLICATIONS:

Human right in Islam is considered very important and sacred in Islam law. The concept of Human right has been discussed in all the sources of Islamic law beginning from Quran to ijtihad. Human rights concept in Islam is as old as man himself. Islam has

declared and guaranteed it 1400 years ago and every Muslim is bound to accept and follow them.

Shariah has a unique concept of human rights, which emerge from the concept of obligations. The emphasis of Islam is on duties rather than rights. The rights and duties are in fact, two sides of same coin. They are so co-related that they cannot be separated. All the believers owe a duty to God and as a result of fulfilling these obligations they gain certain rights and freedoms. Islam has an integrated and Unitarian approach towards rights and obligations.

Islam regards human rights as an integral part of faith. A man cannot be considered religious in the true sense of the word, if he does not take care of the rights of his fellowmen. The measure of judging a man’s religiosity is how he deals with people, not how much he prays.

Human rights granted by Islam are not confined to citizens of any one state. They are to be enjoyed by the Muslims as well as non-Muslims all over the world without any discrimination. In a true Islamic state these rights are enjoyed by all of its citizens and cannot be violated by the state or another individual. No war no emergency and no crisis can authorize anybody including the state to suspend or abrogate the fundamental rights given by the Quran and Sunnah to the Muslim citizens and non-Muslims living in an Islamic state.

Islam not only guarantees human rights and fundamental freedoms to the Muslims and non-Muslims but, at the same time, provides' remedies for the infringement of these rights and freedoms. In Shariah, it is the legal obligation and duty of people in power to look after and protect the rights of the people.

In Islam human rights have been conferred by Allah, the Almighty God of universe through His word, the Quran and through His final Messenger Muhammad (ﷺ). They carry special sanction behind them. They are permanent, sacrosanct and inviolable and in

no way or in no circumstances can be withdrawn, modified reduced, amended or suspended on any pretext. No king no head of state or chief executive, no parliament or legislature and no Qadi or court has any authority to violate these rights. Whereas on the other hand rights in the West human rights are the result of legislation by the parliament of a state, which recognizes such rights only for its citizens.

The Charter and proclamations of the United Nations cannot be compared with the rights sanctioned by God, for the former are not obligatory on anybody, while the latter are an integral part of the Islamic faith .The U.N. Charter only provides for protection and encouragement of human rights; it neither guarantees these rights nor ensures their observance. It places no obligation upon the member States to put it into effect. The five super powers are still preserving their veto powers. It is merely declaratory and not mandatory.

The Violation of human rights by the USA and NATO forces and their unlawful interference in Iraq, Egypt, Afghanistan etc and occupation of Kashmir by India are the clear examples of double standards of the big powers and ineffectiveness of the UN.

From the above discussion, it is abundantly clear that the rights proclaimed in the Quran and the appeal made by the Messenger of Allah (ﷺ) about more than 1400 years ago in his Farewell Sermon with respect to human rights is much more appropriate and comprehensive as compared to the rights proclaimed and guaranteed by the West and Human world organizations.

REFERENCES

1 S.A. Rahman, The Quran And Fundamental Human Rights, Hamdard Islamicus, Vol.1, No. 1, Summer 1978, p.71-73

2 Nayyar Shamsi, Human Rights and Islam, Reference Press, New Delhi, 2003, Pp.73; Chowdhury, Muhammad Sekander, The Prophet of Islam (SAW) and Human Rights, Hamdard Islamicus, Vol. XXII, No.1, Jun-March, 1999, Pp.59

3 Quran: 96:4, 5

4 Quran: 2:31

5 Syed Abul' ala Mawdoodi, Tafheem-al Quran, Vol. l, Makhtaba Tameera Insaneet, Lahore, 30th Edition, 1976, Pp. 63

6 Ahmed Sakr, The Farewell Speech of the Prophet(SAW): Its Universal Approach, The Muslim World League Journal, Ramadan-Shawwal Issue, 1408, Hijrah, May-June,1988, Pp.5;Muahmmad Hussain Haykal, The Life of Muhammad (SAW) translated from the 8th Edition by Ismail Raji al Faruqi, North American Trust Publications, USA, 1976, p. 456,466 ;Parveen Shaukat Ali, Human Rights in Islam, Aziz Publishers, Lahore, 1st Edition, 1980, p. 46-51; Mehboob Pervez Awan, Civil Liberties, Human Rights Constitutional Protections, Federal Law House, Rawalpindi, 1st Edition , 2003, p.107; A.K. Brohi, A Faith to Live by, National Hijra Council, Barqsons Printers, 1st Edition, p.71-72; Afzal Iqbal, Dimensions of Islam, Islamic Book Foundation, Lahore, 1st Edition, 1984, p.81, 82 ;Farida Khanam, Life and Teachings of the Prophet Muhammad (SAW), Goodword Book Ltd., New Delhi, 2003, p.119-121

7 Rashid Ahmad Jullundhri, Islam and Current Issues, Institute of Islamic Culture, Lahore, 1st Edition, 1998, Pp.78

8 Abd al-Razzāq al-Sanhūrī (عبد الرزاق السنهوري) (1895-1971) , Masadir al-Haqq fi al-Fiqh al-Islami (Sources of Justice/right in Islamic Jurisprudence), Vol. 1, Ma'had al-Buhuth wad-Dirasah al-'Arabivyah, Cairo 1967, Pp.35;Abu Sinnah, Ahmad Fahmi. "Nazariyyat al-Haqq [Theory of Rights] in Al Fiqh al Islami Asas al tashri, edited by Muhammad T. Uwaydah. Matabi al-Ahram al-Tijariyah, Cairo, Egypt, 1391, 1971, Pp.175; Abu Bakr Muhammad ibn Musa ibn Ya'qub, Al Fiqh al Islami, Daral Kutub al-Hadith, Cairo, Egypt, 1374, 1954, p.211; Al Zarqa, Mustafa Ahmad, Madkhal al-fiqhi al-'amm, ikhraj jadid bi-

tatwir fi al-tartib wa-al-tabwib wa-ziyadat, Vol.2, *Dar Al-Fikr Damascus,* Syria, 1967, Pp. 15

9 Tahānawī, Muhammad 'Alī ibn Muhammad Hamid al-. Kashshāf, Istilāhāth al-Funūn, Dār Kutub al- 'Ilmiyyah, Beirut, 1418- 19 AH/1998 CE; Sarakhsi,Abu Bakr Muhammad ibn Abi Sahl Ahmad, Usul al- Sarakhsi Vol.2, Matbaat al Saadah, Cairo, Egypt, 1954, p. 332-40

10 Quran: 51:19

11 Quran :40:20

12 Bukhari, Hadith No. 1082

13 Muslim, Hadith No. 4118

14 Imam Ibn al-Qayyim al-Jawziyyah, Alaam al-Muwaqqiin an Rabbil-Aalamin, Vol. 1, edited by Muhammad M. al Damashqi, Idarat al-Tiba`ah al-Muniriyah, Cairo, Egypt, 1390/1970

15 'Abd al-Razzāq al-Sanhūrī (عبد الرزاق السنهوري) (1895-1971) , Masadir al-Haqq fi al-Fiqh al-Islami (Sources of Justice/right in Islamic Jurisprudence), Vol. 1, Ma'had al-Buhuth wad-Dirasah al-'Arabivyah, Cairo 1967, p.35;Abu Sinnah, Ahmad Fahmi. "Nazariyyat al-Haqq [Theory of Rights] in Al Fiqh al Islami Asas al tashri, edited by Muhammad T. Uwaydah. Matabi al-Ahram al-Tijariyah, Cairo, Egypt, 1391, 1971, Pp.175

16 Zayn al-Din b. Ibrahim Ibn Nujaym (d. 970/1563), al-Bahr al-ra'iq sharh Kanz al-daqa'iq, Vol.18, al Matba'ah al 'Ilmiyah, Cairo, Egypt, 1311/1894

17 Mohammad H. Kamali, Freedom of Expression in Islam, Islamic Texts Society, Cambridge, UK, 1997, p.16,17

18 Sayyed Hossein Nasr, The Concept and Reality of Freedom in Islam and Islamic Civilization, in The Philosophy of Human Rights, (ed). Alan S. Rosenbaum Westport, Connecticut: Greenwood Press, UK, 1980; Abu'l A'la Mawdudi, Human Rights in Islam, Leicester, United Kingdom: Islamic Foundation, 2nd Edition, 1980, Pp.10 ;Nayyar Shamsi, Human Rights and Islam, Reference Press, New Delhi, 2003, Pp. 80

19 Mohammad H. Kamali, Fundamental Rights of the Individual: An Analysis of Haqq in Islamic Law, The Association of Muslim Social Scientists and the International Institute of Islamic thought, Washington DC, Kuala Lumpur, Islamabad, 1993, Pp.358; Muhammad Encyclopedia of Seerah, Vol.2, The Muslim School Trust, London, 2nd Edition, 1985, Pp.326

20 M. Sharif Chaudhary, Human Rights in Islam, Kluwer Law International, London, 1994, p.1-5; Shaheen Sardar Ali, Gender and Human Rights in Islam and International Law, Kluwer Law International, London, Pp.132 ;Mohammad H. Kamali, Fundamental Rights of the Individual: An Analysis of Haqq in Islamic Law, The Association of Muslim Social Scientists and the International Institute of Islamic Thought, Washington DC, KualaLumpur, Islamabad, Pp. 356

21 S.M Haider, Islamic Concept of Human Rights, The Book House, Lahore, 1978, Pp.50

22 M. Cherif Bassiouni, The Individual Human Rights and Habeas Corpus in Islam, The Voice of Islam, Vol.20, No. 10, Jamiyatul Falah Publications, Karachi. July 1972, p.547, 548

23 Muhammad Shafiq, Islamic Concept of a Modern State: A Case Study of Pakistan, Islamic Book Foundation, Lahore, 1st Edition, 1987, Pp.152; Zafarullah Khan, Human Rights, Pakistan Law House, Karachi, 2001, p.10-12

24 Muhammad Sharif Chaudry, Human Rights in Islam, All Pakistan Islamic Education Congress, Lahore, 1st Edition, 1993 p.11-13;Farida Khanam, Life and Teachings of the Prophet Muhammad (SAW), Goodword Book Ltd., New Delhi, 2003, p.119-121

25 Abdul Aziz Said, Human Rights in Islamic Perspectives, in Human Rights: Cultural and Ideological Perspective, (eds.) Adamantia Pollis and Peter Schwab, Praeger Publishers, New York, 1979, Pp. 86

26 Rashid Ahmad Jullundhri,. Human Rights and Islam, in Understanding Human Rights: An Interdisciplinary and Interfaith Study, ed. Alan D. Falconer, Irish School of Economics, Dublin, 1980, Pp.35

27 1999 PLC (CS) 279

28 S.M. Haider, Islamic Concept of Human Rights, The Book House, Lahore, 1978, Pp.107

29 Quran: 17:70

30 Quran: 2:34

31 Abu Abdullah al-Rashid al-Baghdadi (البغدادي ابو عبدالله الراشد), Human Rights in Islam, Al Urva-tul-Woska, Rue de Lyon 81, 1203, Geneva, Switzerland, Pp.47;45. M. Sharif Chaudhary, Human Rights in Islam, Kluwer Law International, London,

1994, p.1-5;S.A. Rahman, The Quran and Fundamental Human Rights, in Hamdard Islamicus, Vol.1, No.1, Summer 1978, p.73

32 Quran: 16:12

33 Quran: 15: 29

34 Quran: 17:33

35 Quran: 5:32

36 Quran: 24:4

37 Quran: 49:11

38 Rashid Ahmad Jullundhri, Islam and Current Issues, Institute of Islamic Culture, Lahore, 1st Edition, 1998, p.76, 78

39 S.M. Haider, Islamic Concept of Human Rights, The Book House, Lahore, 1978, Pp.17 ;Mumtaz Ahmad Farooqi, Anecdotes from the Life of Prophet Muhammad (SAW), 1st Edition, Dar ul Kutab Al-Kutab Al Islamia Ahmadia Buildings, Lahore, 1962, p. 23, 24; S.M. Haider, Islamic Concept of Human Rights, The Book House, Lahore, 1978, Pp.53

40 Farida Khanam, Life and Teachings of the Prophet Muhammad (SAW), Goodword Book Ltd., New Delhi, 2003, p.119-121;A.K. Brohi, A Faith to Live by, National Hijra Council, Barqsons Printers, 1st Edition, Pp. 69; Farida Khanam, Life and Teachings of the Prophet Muhammad (SAW), Goodword Book Ltd., New Delhi, 2003, p.123-125

41 S.M. Haider, Islamic Concept of Human Rights, The Book House, Lahore, 1978, Pp.107

42 Muhammad Encyclopedia of Seerah, Vol.2, The Muslim School Trust, London, 2nd Edition, 1985, Pp. 3

43 M. M. Ali, The Concepts of Islamic Ummah and Shariah, Selangor Darul Ehsan Pelanduk Publications, 1992, p. 62-65; Rashid Ahmad Jullundhri, Islam and Current Issues, Institute of Islamic Culture, Lahore, 1st Edition, 1998, Pp.77; Coulson, N.J. The State and the Individual in Islamic Law, 1957, 6 ICLQ 49, Pp. 50;Shaheen Sardar Ali, Gender and Human Rights in Islam and International Law, Kluwer Law International, London, Pp.34

44 Mohammad H. Kamali, Fundamental Rights of the Individual, An Analysis of Haqq in Islamic Law, The Association of Muslim Social Scientists and the International Institute of Islamic Thought, Washington DC, KualaLumpur, Islamabad, Pp. 358; Abdul Haseeb Ansari, Islamic law, Serials

Publications, New Delhi, India, 2007, Pp.289; Nayyar Shamsi, Human Rights and Islam, Reference Press, Ansari Road, New Delhi, 2003, Pp.159

45 M.I.Patwari, Human Rights in Islamic law and International law: A Comparison, in Tahir Mahmood (ed.), Human Rights in Islam, Genuine Publications Ltd., New Delhi, 1st Edition, 1993, p.54-55

46 Ibn Saad, Al-Tabqat-al Qubra, 1/183

47 Futuai-misr -wa Akhbaroha,4/234

48 Abdul Aziz Said, and Jamil Nasser, The Use and Abuse of Democracy in Islam, International Human Rights Contemporary Issues, (eds.) Jack L. Nelson, and M. Green Vera, Human Rights Publishing Group, Stanford Ville, New York: Earl M. Coleman, 1980, p.76,77;1999 PLC (CS) p.279; Mehboob Pervez Awan, Civil Liberties, Human Rights Constitutional Protections, Federal Law House, Rawalpindi, 1st Edition, 2003, Pp.16

49 Abu'l A'la Mawdudi, Human Rights in Islam, Da'wah Academy, IIU, Islamabad, Pakistan, 2nd Edition, 1999, Pp. 14; Muharnmad Shafiq, Islamic Concept of a Modern State, A case study of Pakistan, Islamic Book Foundation, Lahore, Pp. 52; Muhammad Encyclopedia of Seerah, Vol.2, The Muslim School Trust, London, 2nd Edition, 1985, Pp. 303; S.A. Rahman, The Quran and Fundamental Human Rights, Hamdard Islamicus, Vol.1, No.1, Summer 1978, p.71-72

50 Quran: 5:44

51 Quran: 5:45

52 Quran: 5:47

53 Afzal Iqbal, Dimensions of Islam, Islamic Book Foundation, Lahore, 1st Edition, 1984, Pp.76

54 Bukhari, Hadith No.2300

55 Bukhari,Hadith No.6751

56 Sunan al-Darimi,Hadith No.2472

57 Musnad Ahmad Ibn Hanbal,Hadith No. 8443

58 Tirmidhi, Hadith No.1287

****

Defending Prophet's Integrity

(In the light of Shariah & Contemporary Work)

Dr. Uzma Begum*

ABSTRACT

Defending Prophet's honor is religious and social duty of every Muslim, The Holy Prophet (ﷺ) being more valuable than our own lives and souls.

The theme of love rests in its high correlation with obedience. That the one whom someone loves, his obedience and submission to him becomes easier, even to the extent of contentment and pleasure. Love of Allah and Holy Prophet (ﷺ) has been stressed upon in the article so that obedience of Allah and his Prophet and submission to them is expressed as easy and doable, and an instigation to avoid disobedience is generated. Success of a man lies in obedience of Allah and that of Holy Prophet (ﷺ).

In this article, the facet of "Love" with Holy Prophet (ﷺ) has been comprehensively narrated. The prophet was deputed to be obeyed and followed to the dooms day unchecked of followers' class, color or ethnicity. Such unconditioned following required his person to be of an extensively inclusive character, which it did, and that every single instant of his esteemed life is preserved. The most divinely of the services is moral building of nations on practical patterns. One way is of preaching, while even cultured is to assemble written material to be followed for long or elsewise forcefully bind people to follow ethical doctrines and avoid vice.

Keywords: Integrity, Prophet's honor, Obedience,

---

* Assistant Professor, Govt. College for Women, Rawalakot, Azad Kashmir

These are some of the established civilized ways to propagate concept of virtue and vice. However, standing above all is that of presenting an enormous truly personified kingly figure of all the ethical beliefs as contrasted to vice, every nod of whom may become decree. No oral, transcribed expressions or malign means need resorted to in this context. Existing ethical principles have been mostly derived from lives of such actual righteous personifications, else are only majestic versions.

Qur'an has dubbed achievement of Allah's love and of salvation as lying in prophet's obedience. Then, even at the time of pronunciation of testimony (Shahadah), a Muslim declares that he will obey and prostrate exclusively before Allah, in compliance with prophetic customs.

Concept and Meaning of Obedience

Obedience implies prostration exclusively to Allah, as well as submission to Allah and his Prophet ﷺ or otherwise to the righteous leader on his behalf provided he rules in harmony with Allah's commandments [1]. It is cited in Qur'anic chapter Aal-Imran (Family of Imran):

﴿ قُلْ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْكَـٰفِرِينَ ﴾[2]

((O Muhammad) say: obey Allah and the Messenger. But if they turn away, Lo! Allah loveth not the disbelievers).

Also:

﴿ وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾[3]

"And obey Allah and the Messenger, that ye may find mercy" 3: 132

So, ordinally Allah is first to be obeyed followed by the Prophet and on their behalf the righteous leader. Then, Allah's obedience requires complete faith with imposition upon oneself of

Submission to Prophet like obligatory duty without grievances or argumentation.

Love bears emphatic power. It has guided in the dark, cured morbid ailments, and achieved the unthinkable. Promptly, after prophet's departure circumstances took a hideous turn. People regressed away from Islam, Madinah was at adversaries' target, the legion sent down by the Prophet under Usama's command against romans, while on death bed, was opined (by some disciples) to be called back, but it was only the power of love which ruled out every striking opinion uttering these words: " By one God, else of whom there is no god, Abubakr son of Qahafah cannot think of calling back the legion sent down by the Prophet, or lowering the emblem raised by him, even if hounds may devour our flesh" (4)

Though contradictory with rules of wisdom, but once implemented the decree of love was followed by perpetual demise of conspiracies, adversaries' pulse vanished away, and Political scenario turned headlong.

Fondness of the prophet makes his obedience viable; command of the Book (Al-Qur'aan) is established on body and soul; social, civic, and cultural facets more exuberated; and above all the worldly life and of hereafter are both adorned. Again, it was this very fondness through which the disciples brought laurels of command, authority, honor, and of absolute success in all aspects. How awkward the circumstances may be they would not digress away from prophet's obedience. Then this torch was transferred by them to their further companions (tabi'een). Now it is required of us to be custodians of this torch, the light of which is signified by all of obedience, character, self-esteem and which culminates in a spiritual feeling of the like of prophet's company.

Muhammad; intercessor of the dooms day; seal and leader of prophets, prophet of the end times, had always been believers' heartthrob through the centuries. Prays of peace and blessing, and his remembrance have been esteemed angelical prayers. And be it

his hair bits left behind from hair cut or those of nails these were considered sacrosanct blessings by his disciples. Yes, this was zenith of love and fondness.

Then this fondness of prophet's person, attributes, and customs is core of Qur'anic message. Hence the denier of his honor is already out of Islamic sphere. Instance of an Ansari woman is related, who lost all of his father, uncles, brothers, and husband on the day of Uhad , but she kept on asking about the prophet, and upon being ascertained of his life she said that every mishap was trivial to her till the Prophet lives [(5)]. While, just a single incident of Hazrat Ali is enough proof of fondness of disciples. It was the time when Prophet left for Madinah along with Abu Bakr, but in fear of Infidels setting out in his search upon finding his home vacant, Ali laid on his bed as if ready to be killed for him; an instance of extreme fondness pushing panic away [(6)].

The society nurtured by the prophet was of high rank, where leadership and law were not limited to his person rather a set of systems was devised to carry the emblem of peace and moderation ever after. The personnel were deliberately raised on customary patterns. They bore intellect, skill, spiritualism, socialization, military expertize, judiciary, theocracy and hence through this trained group the wings of new civilization spread on every facet of life giving it proper set of order, rules, and standards.

The Prophet had got such a blessed air that his company elevated most ordinary of the Bedouins to the level of revolutionary figures of history. They were militia men of their own sort. They were such conquerors, rulers, and flag bearers of Prophet's message that every power was humbled down to their feet.

There is a lesson rather a call for every single Muslim in their lives; a lesson of Prophet's fondness; a lesson of nurturing his honor, which finally concludes in an unmatched eternal success. Or else only failure will loom in darkness of ignorance. Allah (swt) says:

﴿ قُلْ إِن كَانَ ءَابَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَٰنُكُمْ وَأَزْوَٰجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
وَأَمْوَٰلٌ ٱقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَٰرَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ
أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَجِهَادٍ فِى سَبِيلِهِۦ فَتَرَبَّصُوا۟
حَتَّىٰ يَأْتِىَ ٱللَّهُ بِأَمْرِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْفَٰسِقِينَ ﴾ (7)

((O Muhammad!) say, if your fathers, and your sons, and your brethren, and your wives, and your tribe, and the wealth you have acquired, and the merchandize upon which you fear from slump, and dwellings ye desire are dearer to you than Allah and his Messenger and striving in His way, then wait till Allah bringeth His command. Allah Guideth not the wrongdoing folk.)

Love of Parents, Brothers, sisters, wives, wealth, tribe, trade and the dwelling place is all an instinctive stuff. Nevertheless, man has been sternly warned of being led astray by this instinct to overlook the regard of Allah and his Prophet. Not just regard rather preference of them both is required over each and everything and every single person on the face of Earth whoever he may be. It is quoted of Prophet:

(None of you is a true believer unless I turn out to be more lovable to him than his parents and all others" (8)

However, Love with prophet requires extreme care. It is not limited to calling him respectfully rather one who does not observe appropriate manners is threatened to lose all his deeds pronouncing it something of infidelity. It holds equally after him just like it did during his life span. Instances of his life time are literally awesome.

It was the time of his death. People were weeping bitterly in the mosque. Here, Umer Ibnul Khattab entered the mosque. He was

not ready to accept that Prophet had died. He fiercely shouted upon those who were weeping:

> *"Some of the hypocrites claim that the Prophet ﷺ died. The Prophet did not die, but went to his Lord in the same way as Moses son of Imran did. He stayed away for forty nights, but finally came back though they said he had been dead. By Allah, the Prophet will soon descend back and will cut off the hands and legs of those who claim his death."*

It is also relate of him that he shouted upon them: *"Anyone who claims Prophet's death will be killed"*

In Ayesha's words

> *"In the meantime, Abubakr came out of his house at Al-Sunh on a mare back and went towards the mosque. There he dismounted and went straight to Ayesha's abode where Prophet was. The prophet was covered with a Yemeni mantle. He uncovered his face, lent to kiss him, and wept. He said: "My father and mother be sacrificed for your sake. Allah, verily, will not cause you to die twice. You have just experienced the death that Allah had destined."*

Abu Salma relates of Ibne Abbas: "When Abu Bakr came out, Umar was still addressing people, Abubakr stepped forward and said to Umer: "Umer Calm down" then addressed the gathering:

> *"One who worships Muhammad should know that Muhammad is dead, while for those who worship Allah, Allah is alive and will never die" then recited this verse from Holy Qur'aan (Translation):*
>
> "*Muhammad is no more than a Messenger and indeed (many) Messengers have passed away before him. If he dies or is killed, will you then turn back on your heels (like disbelievers)? And he who turns back on his heels, not the least harm will he*

do to Allah, and Allah will give reward to those who are grateful."[3:144]

Umer says: *"I was factually stunned at this and terrified I staggered to ground unconscious"* (9)

Allah may bless Prophets' companions with high ranks in paradise like He revered them in this world and may reward us with fortune of sharing these blessings.

Ayesha (رضي الله عنها) relates:

> *"These were early days in Madinah. One day the Prophet got up in midnight an d muttered, "I wish there had been someone to guard upon me" and suddenly we received chink of weapons. The prophet inquired: "Who's there", the reply was "Sa'd", The Prophet inquired again: "For what have you come" Sa'd replied, "I felt fear in my heart for you, Messenger of Allah, so I have come to guard upon you", the prophet prayed for Sa'd and slept.* (10)

Ibn-e-Bareed relates of his father, that he used to relate an instance of a Bedouin with the Prophet. The Bedouin came to prophet and asked him to show such a sign which should strengthen his belief. The Prophet asked that what kind of sign he wished. The Bedouin said, I want the tree in front to come to you walking. The prophet asked the Bedouin that he should go to the tree and tell it that it to come to the Prophet walking. The Bedouin did the same. Upon this, the tree lent one way and pulled out one side roots, then lent the other way and pulled out the other side roots, then came to the prophet walking and said; Assalam-o-Alaikum, Messenger ﷺ of Allah". The Bedouin said that it was enough for him. The Prophet ordered the tree to go back. So, the tree went back to its place and affixed itself like before. The Bedouin said: Messenger of Allah! Allow me to kiss your head and feet. He was allowed and thus fulfilled his desire.(11)

History itself stands to be the witness that no sooner did adversaries of Allah's message tortured the prophets, slandered them, or ridiculed them; they were promptly taken into Allah's agony. Some were inhumed alive with all their wealth, others were tormented like boars and apes, and still others ruined into the sea, as Qur'an describes:

﴿وَقَٰرُونَ وَفِرۡعَوۡنَ وَهَٰمَٰنَۖ وَلَقَدۡ جَآءَهُم مُّوسَىٰ بِٱلۡبَيِّنَٰتِ فَٱسۡتَكۡبَرُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَمَا كَانُواْ سَٰبِقِينَ ﴿٣٩﴾ فَكُلًّا أَخَذۡنَا بِذَنۢبِهِۦۖ فَمِنۡهُم مَّنۡ أَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِ حَاصِبٗا وَمِنۡهُم مَّنۡ أَخَذَتۡهُ ٱلصَّيۡحَةُ وَمِنۡهُم مَّنۡ خَسَفۡنَا بِهِ ٱلۡأَرۡضَ وَمِنۡهُم مَّنۡ أَغۡرَقۡنَاۚ وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلَٰكِن كَانُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ يَظۡلِمُونَ﴾ (12)

"And Korah, Pharaoh and Haman! Moses came unto them with clear proofs (of Allah's sovereignty), but they were boastful in the land, and they were not leaders (in the race). So we took each one in his sin; of them was he on whom We sent a hurricane, and of them was he who was overtaken by the (Awful) Cry, and of them was he whom We caused the earth to swallow, and of tem was he whom we droned. It was not for Allah to wrong them, but they wronged themselves."

And again in Surah Haqqah:

﴿كَذَّبَتۡ ثَمُودُ وَعَادُۢ بِٱلۡقَارِعَةِ ﴿٤﴾ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهۡلِكُواْ بِٱلطَّاغِيَةِ ﴿٥﴾ وَأَمَّا عَادٞ فَأُهۡلِكُواْ بِرِيحٖ صَرۡصَرٍ عَاتِيَةٖ ﴿٦﴾ سَخَّرَهَا عَلَيۡهِمۡ سَبۡعَ لَيَالٖ وَثَمَٰنِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومٗاۖ فَتَرَى ٱلۡقَوۡمَ فِيهَا صَرۡعَىٰ كَأَنَّهُمۡ أَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِيَةٖ﴾ (13)

"(The tribes of) Thamud and Aad disbelieved in the judgment to come. As for Thamud, they were destroyed by the lightening. And as for Aad, they

were destroyed by a fierce roaring wind, which He imposed on them seven long nights and eight long days so that though might have seen men lying overthrown, as they were hollow trunks of Palm trees"

Apart from this there are even other, striking cases described in Qur'an. But it suffices that if Allah did not bear ragging of prior Prophets, then how of His last Apostle, even in form of minor disrespect. It is quoted:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَرۡفَعُوٓاْ أَصۡوَٰتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ ٱلنَّبِيِّ وَلَا تَجۡهَرُواْ لَهُۥ
بِٱلۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ أَن تَحۡبَطَ أَعۡمَٰلُكُمۡ وَأَنتُمۡ لَا تَشۡعُرُونَ ﴾(14)

(O ye who believe! Raise not up your voices above the voice of the Prophet, nor shout while speaking to him as ye shout one to another, lest your deeds be rendered vain while ye perceive not)

Belief and wisdom go together. There is a pretty long list of instances of Prophet's foolish cursers being punished of their silly rash behavior.

An instance which Most of us are aware of is of Prophet Muhammad's ﷺ mounting mount Safaa during early years of his message, where he yelled in high voice: "O, The calamity of the dawn" it was an expression of enemy's attack, so people hurried towards him. When the gathering grew large enough, the prophet directed towards them the interrogation: If I say that there is a legion of Enemy on the other side of the mountain, are you going to agree. Response was simple. Yes, you are truthful and trustworthy, we have never observed falsehood from you, and we can doubt our own observations but never yours. (15)

Another instance is of a man named Ab-ul-Aas who would make fun of the Prophet with twisted face, and then his face was really twisted for good. But still the impudent; spiritual descendants

of Abu Jahl, Abu Lahb, and Abdullah bin Ubayyi like people, do not refrain from making fun of the Prophet, and some despite claiming faith and righteousness, go such far that they consider Muhammad ﷺ one of their own sort. Anticipation of their destiny reflects none other than agony of grave and thereafter. We pray to Allah for true respect and regard for the Prophet. (16)

A staunch one of Prophet's devotees is Asmaa' the daughter of Abubakr. She relates: "After Muhammad ﷺ, and Abubakr had left for Madinah, Abu Jahl Ibne Hisham and some others came to our door and inquired about them (Muhammad ﷺ and Abu Bakr), I denied that I knew anything. Abu Jahl slapped me such fiercely that my earring tore my ear to bleed but I did not acquiesce in betraying the secret (17). It's perhaps in the same context:

﴿ ٱلنَّبِيُّ أَوۡلَىٰ بِٱلۡمُؤۡمِنِينَ مِنۡ أَنفُسِهِمۡۖ ﴾ (18)

(The Prophet is closer to the believers than their own selves)

Again in Surah Noor:

﴿ لَّا تَجۡعَلُواْ دُعَآءَ ٱلرَّسُولِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ بَعۡضِكُم بَعۡضٗاۚ ﴾

(Make not the calling of the Messenger among you as you're calling one of another.) (19)

Then in Surah Hujuraat:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ ٱلۡحُجُرَٰتِ أَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُونَ ﴾ (20)

"Lo! Those who call thee from behind the private apartments, most of them have no sense"

Prophet's Honor, In the light of Qur'aan:

Islam is a complete code of life based on solid testimony. First part of the testimony declares unity, while the other is about the ideology of prophet hood. Especially, the second part is of great importance as it guides to the path towards unity (of Allah). It's in fact a character with absolute attributes of one Allah aspires to see.

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلْيَوْمَ ٱلْـَٔاخِرَ وَذَكَرَ ٱللَّهَ كَثِيرًا ﴾ (21)

(Verily in the Messenger of Allah ye have a good example for him who looketh unto Allah and the last day, and remembereth Allah much.)

Besides Muslims, even Infidels have been ordered to observe prophet's respect and avoid dual sense expressions with hidden derogatory implications as was the practice of the Jews. So believers have been guided with a warning note for the infidels:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقُولُوا۟ رَٰعِنَا وَقُولُوا۟ ٱنظُرْنَا وَٱسْمَعُوا۟ ۗ وَلِلْكَـٰفِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ (22)

(O ye who believe, say not (unto the Prophet): 'Listen to us' but say 'Look upon us' and be ye listeners. For disbelievers is a painful doom.)

Also in Surah Anfaal:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَا تَوَلَّوْا۟ عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ وَلَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ قَالُوا۟ سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴾ (23)

(O ye who believe! Obey Allah and His Messenger, and turn not away from him when ye hear (him speak). And be not as those who say, we hear, and they hear not.)

Here is a clear warning for those who neither listen nor do ever try.

Various warning notes for the impudent and the mischievous are cited, as in Surah Alahzaab:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ يُؤْذُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ لَعَنَهُمُ ٱللَّهُ فِي ٱلدُّنْيَا وَٱلْـَٔاخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴾ (24)

(Lo! Those who malign Allah and His Messenger, Allah hath cursed them in the world and the hereafter, and hath prepared for them the doom of the disdained.)

Also in Taubah:

﴿ وَمِنْهُمُ ٱلَّذِينَ يُؤْذُونَ ٱلنَّبِىَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ
لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مِنكُمْۚ
وَٱلَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ ٱللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾(25)

(And there are some among them who vex the Holy Prophet (with their ill-tongued remarks) and say He is highly credulous (readily believes what he hears) Say: He readily listens to only what is good for you; believing in Allah and giving credence to (the words of) the believers, and he is a mercy to those of you who believe. And those who hurt Apostle of Allah, for them is a painful torment.)

Hence any letter signifying insulting sense, uttered for Prophet leaves the culprit deserving death sentence, whichever sense it may be brought in, like the hypocrites had pretended, so they were countered:

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُۚ قُلْ أَبِٱللَّهِ
وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ
إِيمَٰنِكُمْۚ إِن نَّعْفُ عَن طَآئِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِأَنَّهُمْ كَانُوا۟
مُجْرِمِينَ ﴾(26)

(And if you ask them, they will surely say 'Nay, we were only jesting and sporting' Say: 'O Insolent ones!) Was it Allah and His Signs and His Apostle that you did mock at. (Now) make no excuses, you have become disbelievers after you had believed.)

Prophet's Honor as expressed in Hadith

Qur'an has sentenced the Prophet's curser with death in this world and with hell on dooms day. Prophet is to be followed, respected and revered even after he has passed away.

A relation states that a pregnant concubine of a blind man used to satirize the prophet. Despite being repeatedly forbidden, she would not abandon her satire. One night when she started her satire as was her habit; her blind master took a machete and pierced her abdomen. Blood sprout out and the concubine died. The next day, incident was related to the Prophet. The Prophet gathered all the people and said: 'By Allah's greatness and my right upon the person who has committed this, he should stand and come forward'. Upon this, the blind man stood and shivering came to the Prophet, and said, 'O Allah's Apostle, I have killed this slave woman. She was mother of my two very dear sons, and of course a great companion, but she would satirize you which I could not tolerate, and by no way she would abandon the habit. Last night when she started her satire, I took a machete and pierced her belly, till she died. The Prophet proclaimed: 'be witness, her blood is waste, for which there would be no avenge.

Somewhat the similar incident is reported by Ali (R.A.), in which a Jewess was throttled by a man to death for her satire of the Prophet. Her blood was also declared wasted. [27]

Prophet's Honor according to Disciple Accounts

The biggest stalwart of Islamic insight, Abu-Bakr on one hand termed cursers of the Holy Prophet worth sentenced to death; some instances are of killing of Uqba Ibne Abi Mueet and Nadar Ibne Harith of Badar prisoners, Abu Izzah the poet of Uhad prisoners, Kananah Ibne Haqeeq of Khaiber prisoners, and some specified figures on the day of conquest of Mecca [28].

While on the other hand we see a man humiliating Abubakr in open. Abu Barzah suggests, the person be beheaded, but Abubakr

tells people that it's only the Honor of the Prophet that his curser will be killed. [29]

Accounts of the Illustrious and Contemporary Works:

Ibne Wahb relates of Abdullah Ibne Umer, that a Christian monk talked derogatory of the Prophet. When the instance was related to Umer Ibne Khattab, he said that why was then he let live.[30]

In another instance Imam Malik was demanded Juristic opinion about a Christian culprit of Prophet's disrespect. He opined, the culprit be beheaded. [31]

Movement of Prophet's Honor:

The Christian derogatory acts signify a mind overwhelmed by repeated defeats in crusades. However, even embarrassing is what occurred in Lahore in year 1983. Mushtaq Raj advocate an ardent supporter of communism wrote a book in Urdu "Afaqi Ishtimalyat". It was translated in English as "Heavenly Communism" and distributed free among bar members and the literate faction. Courage of the author was awful. Religion itself was ridiculed, all the prophets including Muhammad ﷺ were mocked at, and even weird comments were directed towards Allah's mighty self.

The World Association of Muslim Jurists was moved. An emergency meeting was called, and the demands were clear. All the copies of the sacrilegious material be confiscated, and the culprit be hanged. The resolution won substantial agreement. But unluckily, a case against Mushtaq Raj could be registered only under Religious sacrilege act, as there was no law yet against humiliation of Prophet, hence the culprit remained at liberty. Faithful Muslims were deeply distressed. The same year, World Association of Muslim Jurists organized a conference of notable Religious Scholars and Lawyers. It was demanded with mutual agreement that the culprit be awarded death sentence in accordance with Islamic Law, but pertaining to no

law in this regard at the time of crime, the demand could not find the desired response, and even the Clause did not find home.

Then in 1986, renowned advocate Asma Jehangir termed The Prophet an *Illiterate* and *Ignorant* person. The faithful were seriously disturbed. Asma Jehangir was asked to apologize but she refused. An extra ordinary session of World Association of Muslim Jurists was held in Lahore, in which not only was Asma Jehangir's act condemned but also the government was demanded implementation of Blasphemy law. Copies of resolution were sent to Provincial Governments as well as Members of Parliament.

The same year Member parliament Nithar Fatimah moved a bill that Humiliation of Prophet should be followed by death sentence. The bill won massive majority and no one could dare oppose it, and finally on 2nd of October year 1986 the bill was passed with joint agreement adding to constitution clause 295 (c). The fondness of Pakistanis' for their beloved Prophet brought tremendous victory. However, there was still a big flaw. The scoundrel was suggested either of Death or Life imprisonment. The Lovers of Prophets were once again at loggerheads with the Law makers. The clause 295(c) was challenged in Federal Shariat Court, and the Historical decision came on 30th of October year 1990. Any deficiency was removed by Mian Nawaz Sharif's address to the nation in which he clearly said that least punishment for sacrilege of Prophet's honor is death. Now the things became easy. Any blasphemy act will be directly reported to court and the scoundrel will be brought to Law. [(32)]

Today, after Salman Tatheer's murder by Ghazi Mumtaz Husain Qadri, the debate is once again alive. By one faction Salman Tatheer is being hailed as flag bearer and martyr of Liberalism, while the other is connecting Mumtaz Husain Qadri to Ghazi Ilm Deen Shaheed. Now, the Liberals are demanding replication of blasphemy law with minor or no punishment. So, alongside scores of processions and protest rallies, "***Prophet's Dignity Conference***"

was held on 12th of December 2010. Besides others it was attended by some illustrious religious figures like Qazi Husain Ahmed, Syed Munawwar Hassan, Maulan Fazl-ul-Rehman, Allamah Sajid Naqvi, Mufti Munib-ul-Rehman, Sahibzada Abul Ghair Muhammad Zubair, and Pir Ateeq-ul-Rehman. The seven member committee decided to sacrifice animals for prophet's honor, and not to let any blasphemous ideology prevail. The government was also warned of grave consequence, if it attempts at amending the said law. [(33)]

Once again, an exquisite story of fondness; Ghazi Ilm din Shaheed is afresh. It started with publication of a symbolic writer's book "Rangeela Rasool" (Chromatic Messenger), published by Hindu publisher named Rajpal in year 1923. Extremely blasphemous in theme, the publication instigated a general wave of concern among Muslims across India. Rajpal was sued in session court, where Rajpal was awarded severe punishment, but acquitted by Lahore High Court on appeal.

19 year old carpenter, Ilm Din was among attendees of grand procession raising slogans against Rajpal in front of historic Wazir Khan Mosque. Imam addressed the procession in bereaved tone: "Muslim brothers! Satanic vessel Rajpal has sacrilege our beloved Prophet, and then acquitted by the courts. It's like encouraging Islam's adversaries." Young Ilm din was deeply moved, and decided to put an end to Rajpal's life. Ilm Din went straight to a friend named Rasheed, and expressed his intention. Rasheed was also of same idea, so both differed as who is going to kill Rajpal. A draw was carried out which bore Ilm Din's name thrice. Thus, Rasheed withdrew in his favor, and at last, on the morning of December the 2nd, year 1929 Ghazi Ilm Din bought a machete from the market and went straight to Rajpal's printing press, and no sooner did Rajpal arrive, Ghazi Ilm Din attacked straight into his heart. Rajpal died on the spot, while Ghazi Ilm Din was held for murder.

Allama Iqbal requested Quaid-e-Azam to contest Ghazi Ilm din's case. Quaid-e-Azam told Ghazi Ilm din not to submit

murdering Rajpal in the room. Ghazi Ilm Din refused saying, to him the said murder was not disgrace rather an honor. Ghazi Ilm din was awarded death sentence while Quaid-e-Azam was severely criticized by Hindu press for taking Ghazi Ilm din's side despite advocating Hindu-Muslim unity otherwise. But Quaid-e-Azam did not care.

Ghazi Ilm din was hanged on 31st of October, 1929. Before, being hanged Ghazi Ilm Din expressed his desire of observing two bows of prayer (2 rak'ats), and right at the moment when his throat was strangled, he said in loud voice, "O people! Be witness that I have killed Rajpal for bringing humiliation to the Prophet, and am sacrificing my life for His (Prophet's) honor, while reciting the testimony. After being hanged to death, body of Ghazi Ilm Din Shaheed was buried in jail graveyard in Karachi without funeral prayer. Muslims protested, while Allama Iqbal assured the administration that there won't be any disturbance on the occasion of funeral. So, after 15 days of burial, Ghazi Ilm Din Shaheed's body was drew fresh from ground. The funeral profession attended by millions was the biggest in the history of historic city of Lahore. Everyone wanted to shoulder the Remarkable Lover of Prophet. Allama Iqbal himself lowered Ghazi Ilm din Shaheed's body into the grave in tears, and his words in Punjabi are quoted "*Tarkhanan da munda bazi lai gaya, assi gallan kardey reh gayey*" (Carpenters' son took the lead, we remained the chatterers).

Ghazi Ilm Din Shaheed's strangulation was momentous in devising of religious sacrilege laws by the British rulers, which was merged into Pakistan Penal Code after independence. Later President General Zia-ul-Haq amended it with least punishment of Life imprisonment for sacrilege of Qur'an and Death for humiliation of Prophet. [(34)]

It reveals that Prophet's humiliation legitimizes killing of the culprit. The killer in this particular case won't be punished rather imparted reward and respect, while the state is obliged to bring the scoundrel to law with eventual death sentence.

Accounts of Prophet's Lovers are fairly vast, so it is sufficed with allusion to their names. Some notables of contemporary Lovers of Prophet include Ghazi Abd-ul-Rasheed Shaheed, Ghazi Abd-ul-Qayyum Shaheed, Ghazi Muhammad Siddique Shaheed, Ghazi Mureed Husain Shaheed, Ghazi Mian Muhammad Shaheed, and Ghazi Muhammad Abdullah Shaheed. These were those illustrious figures that did not care even for their own life in defense of Prophet's Honor.

Significant Inferences

An Assessment has been made in this article of Prophet's Dignity in the light of Qur'an, Hadith, Disciple Accounts, Accounts of the Illustrious, and Contemporary developments. It particularly inferred the following:

First Inference, states lack of love and affection for Prophet an ill-mannered conduct, and any soft corner for curser of Prophet same as infidelity, so Prophet should be preferred even on one's own life.

Second Inference stresses need of following footsteps of the Disciples in Love for Prophet.

Third, Prophet's curser's destiny is death sentence, in the light of Qur'an as well as Hadith.

Fourth Inference supports the third one based on Accounts of Illustrious figures, stating the Curser of Prophet is out of Islam, so death penalty is a natural fate even through this dimension.

Fifth, the general masses of Muslims also agree on death penalty for the Prophet's curser, unchecked of his being Muslim, Infidel, polytheist, or one of people of the book. Once the guilt is proved, no one has a right to forgive the offender. If any act of forgiving occurred of Prophet during his lifetime, it was an act of mercy and morality. No one can rehearse the same practice after him. If done it won't be an act of mercy and morality rather of oppression and impotence.

We pray unto Allah for adornment of ourselves with craft, knowledge, struggle and eternal success through emphatic power of Prophet’s Love.

REFERENCES

1. Syed Qasim Mehmood. Islamic Encyclopedia. Shahkaar Book Foundation. Karachi. Page 177
2. Aal Imran; 32
3. Aal Imran; 132
4. Ibn-e-Hisham: Seerat-ul-Nabi Kamil. Volume II. Sheikh Ghulam Ali and Sons. Lahore. Page 220
5. Imam Hafiz Allama abu Naeem Ahmed bin Abdullah Asphahani Shafi'i. Hilyat-ul-Auliyaa wa tabaqat-ul-asfiyaa'. Translated by: Muhammad Asghar Mughal. Volume II. Dar-ul-Isha'at. Karachi. 2006. Page 404
6. Abu Essa bin Tirmidhi. Tirmidhi Sharif. Translated by: Allama Badi-ul-Zaman. Chapter: Manaqib ka bayan. Volume II. Rahmaniyah Book House. Urdu Bazar Lahore. Page 781
7. Altaubah; 24
8. Muhammad Ibn-e-Ismail Bukhari. Saheeh Bukhari: Book of Faith: Chapter of "Prophet's Love, a part of faith". Translated by: Maulana Amjad Ali. Volume I. Muhammad Saeed and Sons, Book Sellers. Qur'aan Mahal. Karachi. Page 91
9. Imam Jamal-ul-Din Ab-ul-farj Ibn-e-Jauzi. Hayat-e-Farouq-e-Azam. Translated by: Allama Shah Hasan Atta. Nafees Academy. Karachi. Pages: 97-98
10. Allama Qadi Muhammad Sanaullah Panipati. Tafseer-e-Mazhari. Translated by: Maulana syed Abd-ul-Daim Aljalali. Volume IX. Saeed M H Company. Karachi. Page: 311.
11. Abu BakrAhmed bin Husain Al-Baihaqi. Dalail-ul-Nubuwwah wa Ma'rifatu Ahwaale Sahib-el-Shariyah. Research by: Dr. abdul Mu'tee Qal'ajee. Volume III. Dar-ul-Kutub Al-Ilmiyah. Beirut. Lebanon. Page 459
12. Al-Ankaboot; 40
13. Al-Haqqah; 4-7
14. Al-Hujuraat; 2
15. Ibn-e-Hisham: Seerat-ul-Nabi Kamil. Volume II. Sheikh Ghulam Ali and Sons. Lahore. Page 230
16. www.islamicacademy.org

17. Ibn-e-Ja'far Muhammad bin Jareer Tibri. Taareekh-e-Tibri. Volume I. Nafees Academy. Karachi. Pages: 133-134
18. Al-Aahzaab; 6
19. Al-Noor; 63
20. Al-Hujuraat; 4
21. Al-Ahzaab; 21
22. Al-Baqarah;104
23. Al-Anfaal; 20, 21
24. Al-Ahzaab; 57
25. Altaubah; 61
26. Altaubah; 65-66
27. Abu Daud Sulaiman Ibn-e-Ash'ath Sajistaani. Sunan abu daud Sharif: Chapter " What is punishment of one who talks bad of Prophet". Translated by: Waheed-ul-Zaman. Volume III. Muhammad Saeed and Sons Book Sellers. Karachi. Pages: 355-356
28. Syed Abul A'laa Maudoodi. Tafheem-ul-Qur'aan. Volume V. Idarah Tarjuman-ul-Qur'aan. Lahore. Page 13
29. Abu Daud Sulaiman Ibn-e-Ash'ath Sajistaani. Sunan abu daud Sharif: Chapter " What is punishment of one who talks bad of Prophet". Translated by: Waheed-ul-Zaman. Volume III. Muhammad Saeed and Sons Book Sellers. Karachi. Pages: 356-357
30. Qadi Iyad. Kitab-ul-Shifaa'. Volume II. Maktabah Nabawiyah. Lahore. Page: 449
31. Qadi Iyad. Kitab-ul-Shifaa'. Volume II. Maktabah Nabawiyah. Lahore. Page: 452
32. Muhammad Ismail Qureshi. Prophet's Dignity and Blasphemy Law. Alfaisal Book Sellers. Lahore. 1994. Pages: 435-449
33. www.youtube.com
34. Rai Muhammad Kamal. Seven Martyrs of Prophet's Dignity. Jehangir Book Depot. Rawalpindi. Page: 107

❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊

For the current issue of Al-Baseera, eleven (11) research articles have been selected through peer review out of dozens received, including 5-Urdu, 4-Arabic and 2-English. These articles were written by the scholars affiliated with different fields of life. This tri-lingual bunch would be the solution of modern challenges as well as it would play pivotal role in providing guidelines to the researcher and common readers in the field of research. (*Insha Allah)*

In order to facilitate readers and in line with international standards, all issues of Al-Baseera have been uploaded on the official web-site of NUML, www.numl.edu.pk.

In the last, I would like to pay special thanks to the respectable Rector NUML and Director General NUML for their patronage and guidance. I am also thankful to all members of the Editorial Committee. Honorable writers and researchers also merit my appreciations. Mr. Muhammad Abid Hasan has played an important role in the compilation of the Magazine and making it more attractive. Whatever the quality and goodness the Magazine owns is by the grace of Allah Almighty and all deficiencies are due to our negligence or error. We pray to Allah Almighty for the recognition and popularity of Al-Baseera.

Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari
Editor Al-Baseera

Editorial

Fourth edition of Al-Baseera is being submitted for its readers. Praise to the Lord that Al-Baseera has completed second year of its publication with great success.

On completion of two years of publication, Al-Baseera would like to offer thanks to all specifically to Rector NUML Maj Gen (R) Masood Hasan and Director General NUML Brigadier Azam Jamal. Patronage and widespread coordination of these two enable us to conclude our efforts.

It is heartening to note that Al-Baseera has the privilege to grow in popularity due to consistency and timely publication for last two years. No doubt that it is a matter of pleasure but also an honor to attain admiration from academic circles as well as from readers. In fact, our objective is to maintain high standards in the world of research for which Al-Baseera is struggling hard. Al-Baseera intends to maintain its research quality and standards in future. We would welcome suggestions and proposals from its readers.

Al-Baseera is trying its best to continue and maintain its academic and research quality in accordance with the standards set forth by the Higher Education Commission (HEC) and the best possible material be presented for its readers. For this, we request to researchers, teachers, scholars and other readers to coordinate and contribute with their valuable articles relating to contemporary Islamic studies and academic-related issues of importance and challenges of modern scientific research and its solutions.

In this issue, research articles written according to the policy of Al-Baseera recommendations of Quality Enhancement Cell of NUML and Higher Education Commission (HEC) have been included. So we offer our apologies to those authors, whose articles could not be published.

TRANSLITERATION TABLE

ا	a	ڈ	d̲	غ	gh	بھ	b̲h̲
ب	b	ذ	Dh	ف	f	پھ	p̲h̲
پ	P	ر	R	ق	q	تھ	t̲h̲
ت	t	ڑ	r̲	ک	k	ٹھ	t̲h̲
ٹ	t̲	ز	z	گ	g	جھ	j̲h̲
ث	th	ژ	z̲	ل	l	چھ	c̲h̲
ج	J	س	S	م	m	دھ	d̲h̲
چ	ch	ش	Sh	ن	n	ڈھ	d̲h̲
ح	h	ص		ں	n	ڑھ	r̲h̲
خ	kh	ط	ṭ	ہ	h	کھ	k̲h̲
د	d	ظ	ẓ	ی	y	گھ	g̲h̲

Long Vowels

ا		ā
آ		ā
ی	ـِ	ī
و	ـُ	ū
و	*(URDU)*	ō
ے	*(URDU)*	ē

Short Vowels

ـَ	a
ـِ	i
ـُ	u

Diphthongs

و	ـَ	(ARABIC)	*aw*	
		(URDU)	*au*	
ی	ـَ	(ARABIC)	*Ay*	
		(URDU)	*ai*	

وّ	ـُ	*uww/uvv*
یّ	ـِ	*iyy*

- Letter ء is transliterated as elevated comma (’) and is not expressed when at the beginning.
- Letter ع is transliterated as elevated inverted comma (‘).
- ض as Arabic letter is transliterated as ḍ, and as Urdu letter as ż.
- و as Arabic letter is transliterated as *w*, and as Urdu letter is transliterated as *v*.
- ته is transliterated as *ah* in pause form and as *at* in construct form.
- Article ال is transliterated as *al-* (*’l-* in construct form) whether followed by a moon or a sun letter.
- و as a Urdu conjunction is transliterated as –o.
- Short vowel ـِ in Urdu possessive or adjectival form is transliterated as *–i*.

Advisory Committee

Prof. Dr. Abdul Rauf Zafar
Chairman Dept of Islamic Studies, Sargodha University, Sargodha

Prof. Dr. Ataullah Faizi
Dept. of Islamic Studies, NUML, Islamabad

Prof. Brig (R) Wasiq Ahmed
Chairman, Pak Studies Department, NUML, Islamabad

Prof. Dr. Taj-ud-Din Azhari
Ex-Chairman Dept. of Hadith, International Islamic University, Islamabad

Prof. Dr. Mustafiz Alvi
Dept. of Islamic Studies, Lahore Leads University, Lahore

Prof. Dr. Fazl-e-Rabbi
Chief Associate, Academics, Foundation University, Islamabad

Prof. Dr. Abdul Hameed Abbasi
Chairman, Dept. of Quran-w-Tafseer, AIOU, Islamabad

Prof. Dr. Muhammad Sajjad
Dept. of Islamic Studies, AIOU, Islamabad

Prof. Dr. Muhammad Abdul Allah
Sheikh Zayed Islamic Center, University of the Punjab, Lahore

Dr. Tahir Mehmood
Ex-Chairman Dept. of Humanities, Urdu Wafaqi University, Islamabad

Dr. Muhammad Ilyas
Dept. of Hadith, International Islamic University, Islamabad

Dr. Hafiz Abdul Qayyum
Sheikh Zayed Islamic Center, University of the Punjab, Lahore

Dr. Muhammad Riaz Wirdeg
Ex-Chairman Dept. of Islamic Studies, Hazara University, Mansehra

Dr. Abdul Ali Achakzai
Chairman Dept. of Islamic Studies, Baluchistan University, Quetta

Dr. Khaleeq ur Rehman
Dept. of Islamic Thought & Culture, University of Management & Technology, Lahore

Editorial Committee

(National)

Prof. Dr. Muhammad Akram Chaudhry
Vice Chancellor, Sargodha University, Sargodha

Prof. Dr. Sohail Hassan
Director, Islamic Research Institute (IRI), Islamabad

Prof. Dr. Ali Asghar Chishti
Dean Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad

Prof. Dr. Ahmad Jan
Chairman Dept. of Dawah and Islamic Culture, International Islamic University, Islamabad

Prof. Dr. Mehraj-ul-Islam Zia
Chairman Dept. of Islamic Studies, Peshawar University, Peshawar

Prof. Dr. Dost Muhamad
Director, Sheikh Zayed Islamic Center, Peshawar University, Peshawar

Prof.Dr. Hammad Lakhvi
Dept of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore

(International)

Prof. Dr. Ahmed Yousaf Darwesh
President, International Islamic University, Islamabad

Prof. Dr. Shikri Muhammad Saleh
Director Islamic Development Management, UMS, Malaysia

Prof. Dr. Sohaib Hassan
Secretary Sharia Council, London, United Kingdom

Prof. Dr. Muhammad Hafeez Arshad
Director, Higher Learning Center, London, United Kingdom

Prof. Dr. Khadim Hussain Ellahi Bakhsh
Taif University, KSA

Prof. Dr. Abdul Aziz Bin Mabruk Al-Ahmedi
Madina University, KSA

Prof. Dr. Barakat Deeb
Al-Azhar University, Cairo, Egypt

Prof. Dr. Fateh ur Rehman Al-Qarshi
Um-e-Darman Islamic University, Sudan

3. Keywords

Authors are required to include five key words.

4. Conclusion

Conclusion should be presented in a logical sequence.

5. Discussion

In this part of the article, author would present his views and research in detail.

6. References

References should be made according to the following guidelines:

i) References should be made as Endnotes.

ii) While giving references, *Chicago Manual Style* should be adopted.

iii) While referring to a book, author's name, name of the book, publisher's name & place and year of publication and then Page No./Volume No. should be clearly mentioned. Following example should be followed:

Ibn-e-Kathir, Tafseer Al-Quran Al-Azeem, Dar-e-Sadar, Beirut, 1354 H.D., 2/312

iv) For similar references at multiple locations, traditional style of abbreviations may be used.

v) Quranic verses in the article be presented in Arabic script. Method would be as under

Sura Nisa: 4/184

vi) All Ahadiths should be briefly interpreted.

vii) All-known figures mentioned in the article must be briefly introduced and references from books should also be quoted.

Research Journal
AL BASEERA

Rules & Regulations for publishing an Article

General Points:

1. Article should be composed on one side of A4 paper. It should not be more than 25 pages.
2. While composing the article, be careful regarding font sizes:
   a. For main-headings, font size: 18,
   b. For sub-heading, font size: 16 and
   c. For matter, font size: 14
3. The article should have not been published anywhere else.
4. The article should be in accordance with the research principles and should be on a new topic. Moreover, the article should be adorned with the references of basic sources and should not be infringed.
5. It is necessary to take care of secret and rules of writing & spelling.
6. Three hard copies and one soft copy are required.
7. Author would enclose an abstract containing approximately 250 words.
8. Article may be written in the Urdu, English or Arabic languages.
9. It is necessary to avoid from errors and omissions.

Directions for Writing & Editing

Thesis should contain the following

1. Abstract

It should contain summary regarding research. Abstract must be written in English language.

2. Introduction

Introduction must include objective, methodology, distinctive characteristics of the research work and conclusion.

Research Journal AL BASEERA EDITORIAL POLICY

* Research Journal AL BASEERA is a research magazine purely affiliated with Islamic Sciences and Arts, which is of greater importance for the world of knowledge and research. Editorial policy regarding articles to be published in the magazine is as under:

  Articles should be relevant and around the topics such as Uloom Al-Quran, Uloom Al-Hadith, Ilm-w-Usool-e-Fiqh, Comparative Religions, Ilm Al-Kalam and Sufiism, Philosophy, Science, Literature, Economics, Sociology, Political, Cultural, etc. Similarly, introduction & comments on Muslim Personalities and Islamic Books.

* Research Journal AL BASEERA shall be published twice a year (in June & December)
* Research articles will be forwarded for peer review to two nominated referees, one National and other Foreign, after approval of the Director General.
* Copyright laws shall be applied in accordance with the HEC's laws.
* Decision of the Editorial Board regarding publishing article will be the final.
* Editorial Committee reserves the rights of necessary amendments, cancellation and abstract in the articles sent.
* Editor shall inform the writers with the opinion of the analysts and to make necessary changes.
* All research articles published in "Research Journal AL BASEERA" express the view points of their authors. So every article is the sole responsibility of the writer whilst Editorial Committee has no responsibility in this regard.
* Articles once sent to "Research Journal AL BASEERA" shall not be returned in both the case, published or not published.
* Two copies of magazine would be given to each participant.

Arabic Articles

- The Mufti: Conditions and Morals 123
  Dr.Al- Zaif Natoor
- Rules of tafseer its inception & evolution 147
  Dr. Sami ul Haq / Nasar min Allah
- Unauthentic Narrators whose texts about a particular sheikh are accepted & their narrations in sahehan & Mujtaba 167
  Dr. Fateh ur Rehman Qarshi
- Nikah Misyar: its facts & rulings 201
  Dr. Muhammad Ilyas

English Articles

- A true vision of Human Rights in Islam 1
  Dr. Atique Tahir / Attaullah Mahmood Wattoo
- Defending Prophet's Integrity 21
  Dr. Uzma Begum

Table of Contents

- Editorial Policy v
- Rules & Regulations for publishing an Article vi
- Editorial Committee (National & International) viii
- Advisory Committee ix
- Transliteration Table x
- Editorial xi

Urdu Articles

- Responsible Use of Official Positions & Sources 1
  Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari
- Fashionable Dressing according to Shariah 33
  Sabeen Akbar
- Mass Media in the New Era: Importance & Realities 51
  Dr. Noor Hayat Khan
- Islamic Economy & Concept of Mutual Cooperation 85
  Afia Mehdi
- Rights of Women in Islam 103
  Dr. Hafiz Muhammad Badshah

Publisher: Dept. of Islamic Studies, NUML, H-9, Islamabad

Printing: National University of Modern Languages (NUML), H-9, Islamabad

Volume: 2 **Issue: 4**

December - 2013

Number: 300

Price: Domestic Rs. 300/= Abroad $ 10/=

Coordinators:

- **Dr. Noor Hayat Khan**
- **Irum Sultana**

All Correspondences should be addressed to:

Dr. Syed A.G.Bukhari,

Research Journal

Editor AL BASEERA

Dept. of Islamic Studies, NUML, H-9, Islamabad

Ph: +92 051 9257646-50 EXT (254)

E-mail: agbukhari@numl.edu.pk

web-site: www.numl.edu.pk

Research Journal

AL BASEERA

ISSN: 2222-4548

Vol.: 2 **Issue: 4**

December -2013

Chief Patron:

Maj. Gen (R) Masood Hasan
Rector NUML

Patron:

Brig. Azam Jamal
Director General NUML

Editor:

Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari

DEPARTMENT OF ISLAMIC STUDIES, NUML,
ISLAMABAD - PAKISTAN

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ سورة يوسف (108)

Research Journal

AL BASEERA

VOL 2 ISSUE 4 DEC 2013

DEPARTMENT OF ISLAMIC STUDIES NUML, ISLAMABAD